

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226326

UNIVERSAL
LIBRARY

حق کا پی رائٹ محفوظ ہے

الْهَيْدِي تَدَكَّرْ

صَدِيقِ اکبر

از

خواجہ محمد عباد اللہ اختر تہی۔ اے۔ ام تہری

مؤلف

بغداد، دمشق، مشاہیر اسلام، ام القرے غیر

بفروائش

صاحب تصنیف یقین شیخ النجاشی محمد جلال الدین باجران کتب

بازار شیری لاہور

۳۹ ھ ۱۳۰۰ مطابق سنہ ۱۹۶۲ء

مطبع اسلامیت پریس لاہور ہماقت کاؤنٹ مپٹر لائبریری

خلافت

پیشتر اس کے کہ ہم ظاہر کریں کہ خلافت کیا ہے اور خلیفہ کسے کہتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکھیں کہ خلافت اور خلیفہ کو لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ ہماری اپنی تو یہ رائے ہے کہ ع

چونکہ یہ نہ حقیقت نہ افسانہ زوہد

حضرت انسان کا کیا مذکور ہے۔ ملائکہ کے اعتراض پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جب ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗؕ تو کہا کہ اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَیَسْفِکُ الْاَیْمَانُ مَاءً وَتَحْنُ نَسِیْمٌ یُّحْمَدُ لَیْ وَنَقْدٌ سَلٰکٌ ۝ ملائکہ نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ تسبیح و تحمید و نقد و تسبیح ہی میں خلافت کا راز مضمر ہے

معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا اعتراض کہ آدم مفسد اور خنزیر ہوگا غلط فہمی پر مبنی تھا۔ استحقاق خلافت جیسا کہ آیات مابعد سے واضح ہوتا ہے۔ ”علیہ“ پر مبنی تھا۔ آدم زمین پر سب سے زیادہ حقائق ہشیاء کا عالم ہے اور اسی لئے نظم و نسق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایمر کہ آدم مفسد ہوگا بدیہی امر ہے لیکن پسندیدہ نہیں جیسا کہ آیات ذیل سے واضح ہوتا ہے۔ کفاد سے منع کیا گیا ہے :-

۱۔ وَلَا تَعْتَوْنَ فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ذٰلِکُمْ ۝
اللہ تعالیٰ مفسدین کو دوست نہیں رکھتا۔

۲۔ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ۝ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِیْنَ ۝ (۶۱-۱۳)

یہ غلط فہمی کچھ ایسی متعدد رہے۔ کہ اکثر فرشتہ مخلصت علماء کی یہ رائے ہے کہ خلیفہ کو انسان نہیں بلکہ ملک ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب کہ "اِنَّ اَعْلَمَ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" کافی ہے +

بعض علماء یہ سمجھتے ہیں کہ خلافت شخصی ورثہ ہے۔ جو ورثہ نامہ ہی کو پہنچتا ہے ان کی رائے میں خلافت محض شخصی حکومت ہے، اس پر عمل بحث ہم مناسب مقام پر کریں گے۔ اگرچہ شخصی حکومت کو ہم خلافت سے خارج نہیں سمجھتے لیکن اس دعوے سے فوسس کہ اتفاق نہیں کر سکتے کہ خلافت شخصی ورثہ ہے۔ یہ دعویٰ کہ خلافت شخصی جائداد نہیں اس دعوے سے مختلف ہے کہ خلافت میں شخصی حکومت شامل ہے۔ آگے چل کر ہم اصل اصول خلافت بیان کریں گے تو اختلاف واضح ہو جائیگا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ خلافت شخصی جائداد ہے تو لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ غصب ہی ہو سکتی ہے لیکن خلافت کی نسبت ہماری یہ رائے ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت اسے غصب نہیں کر سکتی، یہ استخلافت

اصلاح اور فساد ایک دوسری کی ضد ہیں :-

۳۔ وَلَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (۸ - ۱۸)

مفسدین کا انجام ہمیشہ بد ہوتا ہے :-

۴۔ وَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (۸ - ۱۸)

خلافت کا منشا اصلاح ہے اور فساد کا منشا تباہی :-

۵۔ وَادْعَالْمُؤْمِنِيْنَ الْآخِرَةَ هُمْ خِلَافَتِي فِي قَوْمِيْ اِصْلَحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۹ - ۱۶)

مفسدین کا عمل صلاح کے مخالف ہوتا ہے :-

۶۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْعَمَلِ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۱ - ۱۳)

ایمان و صلاحیت اور فساد میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تقویٰ اور فجور میں :-

۷۔ اَوْ يَجْعَلِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَمَلُ الصَّالِحِيْنَ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِيْ الْاَرْضِ هُمْ اَمْ يَجْعَلِ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (۲۳ - ۲۵)

خویریزی ہر فتنہ و فساد کو مٹانے کے لئے واجب ہے اور ایسی خویریزی عین اصلاح ہے :-

۸۔ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفُضِفَتِ الْأَرْضُ لَكُنْ لِلنَّاسِ دِفْضٌ وَفُضِّلَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ

خواہشات نفسانی فساد کا موجب ہیں۔ تقویٰ سے اصلاح ہوتی ہے :-

۹۔ وَاتَّبِعِ الْاِحْقَ اِهْوَاهُمْ لِفُسَادِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَفِيْ هٰذَا

جس مفصل بحث ہم کرینگے۔ واضح ہوتا ہے کہ خلافت ایسی ہی حکومت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھی۔ اگرچہ اسلامی خلافت اور گذشتہ حکومتوں میں بلحاظ مراتب فرق ہے مگر نوعیت میں کچھ فرق نہیں۔ علماء جنکی یہ رائے ہے کہ خلافت "شخصی جائداد ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرہین کو مستحق خلافت سمجھتے ہیں کیونکہ اسلامی اصل اصول وراثت اقرہین کے تابع حقوق کا شاہد ہے۔ چونکہ ہم تاریخ خلافت لکھ رہے ہیں اس لئے ہمیں علماء کے بحث و جستجاء سے کچھ غرض نہیں۔ ہم تاریخی پہلو سے ان دلائل پر غور کرتے ہیں جو مدعیان خلافت ایک دوسرے کے مخالف استعمال کرتے رہے ہیں۔

انصوری عباسی جس نے بغداد کی تعمیر کے ساتھ خلافت عباسی کا سنگ بنیاد وجہ کے کناروں پر رکھا جس کی کیفیت ہم نے اپنی کتاب "بغداد" میں مفصل بیان کی ہے، ایسا بادشاہ گذرا ہے کہ جس کے جانشین "ماروں" اور "ماموں" جیسے خلف رشید ہوئے ہیں۔ اس کے عہد میں محمد المہدی ہاشمی نے خروج کیا۔ اس کی خلافت کے متعلق وہ تمام احادیث پیش گوئیوں کی صورت میں اب بھی ابتدائی طاقتور تھے ساتھ موجود ہیں۔ جن سے ہر ایک زمانہ میں مدعیان مہدویت فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ منصور کی تخت فکر لاحق ہوا۔ ایک خط لکھا کہ اگر اطاعت کرو تو تمہیں اور تمہارے کل خاندان والوں اور تمہارے فرمانبرداروں کو امن دیتا ہوں اور تمہاری اور ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہوں۔ ایک لاکھ درہم بطور وظیفہ بھی دوں گا اور جہاں خواہش ہو رہو ہو۔

محمد المہدی نے جواب میں لکھا کہ تم فرعون ہو اور تمہارے بطح آل فرعون ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں جن پر تم نے طرح طرح کے ظلم روا رکھے۔ حالانکہ یہ حقیقت خلافت ہمارا حق ہے اور تم ہمارے ہی سبب اس کے مدعی بنے اور تمہاری میاں بی ہمارے ہی باعث ہوئی۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ تم ہماری امداد کر رہے ہو اور اس لئے وہ تمہارے ساتھ ہو گئے۔ لاجرم یہ تقویت حاصل کر کے ہمارا حق غصب کر لیا تم ہمارے بطح نقاب مختار بن بیٹھے۔ ہمارا باپ علی وصی اور اماہ تھا اور ہم اس کے

وارث ہیں تم اس کے جانشین کس طرح ہو سکتے ہو۔ حالانکہ اس کے حقیقی وارث یعنی ہم زندہ ہیں۔ بیوہ ہاشم میں کسی شخص کا سلسلہ قرابت ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارا سلسلہ قرابت سابقیت اور فضل کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تم پر شرف دیا ہے اور برگزیدہ بنایا ہے۔ نبیوں میں ہمارے والد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو سب سے افضل ہیں۔ اور سلف میں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ ازواج میں خدیجہ مطاہرہ ہیں جنہوں نے سب سے اول قبلہ رونما پڑھی اور لڑکیوں میں بہترین دختران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ان میں فاطمہؓ سیدۃ النساء عالمین ہیں۔ اور مولودین اسلام میں حسن و حسینؓ جو ان جنت کے سردار ہیں۔ میں باعتبار نسب بہترین بنی ہاشم ہوں۔ مجھ میں کسی عجمی کا میل نہیں اور نہ میں کنیز کا زادہ ہوں۔ اور نہ میرے سلسلہ میں یہ عیب ہے۔ قدیم الایام سے میرے ابا و اجداد و اہمات ممتاز چلے آئے ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا مرتبہ سب سے بڑا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کا فرزند ہوں جسکو دو رخ میں کمتر غذاب ہو گا (ابو طالب) میں اللہ تعالیٰ کو ضامن دیکر تمہیں امان دیتا ہوں۔ اگر اطاعت کرو اور میں تم سے زیادہ مستحق خلافت ہوں اور عہد کو پورا کرنے والا ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو اماں دی تھی۔ ان لوگوں میں سے تم مجھے کس کی امان دیتے ہو۔ ابن ہبیرہؓ یا عبد اللہ بن علی بن ابی مسلم کی +

اس خط میں محمد المہدی نے علاوہ دیگر امور منصور کے حسب نسب اور اس کی بدعہدی پر سخت چوٹیں کی ہیں کہ تو کنیز کا زادہ ہے اور لوگوں کو امان دیکر فریاد قتل کیا، منصور نے جواب ابوحباب لکھا کہ :-

”تھامے فخر کا دار و مدار صرف عورتوں کی قرابت پر ہے جس میں صرف اہل فریب باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں، باپوں، عصبہ، اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے۔ بلکہ کتاب اللہ میں وہ قریب ترین ماں پر مقدم ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کی قرابت

معذرت

خلفاء، راشدین اور خلافت راشدہ کے متعلق دنیا کی ہر ایک مہذب زبان میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تواریخ عالم کا علم خلافت راشدہ کے علم کے بغیر ناممکن ہے ایام جاہلیت (Dark Ages) اور قرون وسطیٰ اور موجودہ زمانہ میں جو کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا ہے اور ہو رہا ہے وہ قانون ارتقاء کے تحت ہوا اور چھو رہا ہے۔ قوموں کا عروج و نزول، حکومتوں کی ابتدا اور انتہا، ضروری لایسٹ کے لئے حتمی سبب سے ہے بلکہ بہت مجموعی انسانی ترقی کی شاہد ہے، عدل و رحم کی دلی پہلنے والی واقعات، ظلم و ستم کی دلخراش داستانیں، ہمیں ایک ایسے قانون اور نظام کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جو آفرینش سے اس وقت تک برابر اپنا کام کر رہے اور جس میں کسی زمانہ میں کبھی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا اور نتیجہ یہ ہے کہ کبھی تغیر واقع نہ ہوگا، ایام جاہلیت اور قرون وسطیٰ میں حکومتوں کا عروج و نزول قوموں کے عروج و نزول کی تاریخ و واقعات ہیں لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قانون ارتقاء کے زیر اثر بہت مجموعی دنیا کی ترقی اور بالخصوص بنی نوع انسان کی ترقی کی علمی شہادت ہے حضرت انسان مسلسل ترقی کرتا ہوا چلا آ رہا ہے اور چلا جا رہا ہے یہ سلسلہ ترقی کبھی کسی زمانہ میں نہیں ٹوٹا اور نہ ٹوٹے گا۔ دنیا میں قومیں ایک ایک کر کے اٹھیں اور میدان ترقی میں قدم رکھا اور دوسری قوموں سے آگے بڑھ گئیں۔ آخر سانس پھول گئی ستانے کے لئے ٹھہریں مگر دوسری قوموں نے دم لینے نہ دیا۔ الی کو پا مال کرتی ہوئی آگے بڑھیں اسی طرح یہ سلسلہ

جاری ہے۔ اس میدان ترقی میں اور سچ پوچھو تو دنیا میں کہیں سکون نہیں ہے
ایک حرکت ہے اور حرکت ترقی کی طرف ہے +

دنیا میں بیشمار قومیں گذری ہیں جن کی حکومتوں کے آثار ان کی تہذیب و تمدن
کی شہادت دے رہے ہیں۔ اسی طرح قومیں عروج و نزول کرتی رہیں اور کرتی رہیں گی
جب تک حضرت انسان ترقی کی ایک خاص حد تک پہنچ جائے +

ترقی کی اس خاص حد کے متعلق کچھ کسنا پیش از وقت ہے۔ اور یقین کے ساتھ
کچھ کہنا نہیں جاسکتا لیکن ایک ثمرخ جو حضرت انسان کا مطالع اس کی آفرینش سے
کر رہا ہے بہت کچھ اس کی آئندہ زندگی کے متعلق کہہ سکتا ہے اور کچھ بھی وہ کہے اگر
اس قانون قدرت کے مطابق ہے جس کے تحت حضرت انسان پیدا ہوا اور
بڑا۔ اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یقیناً سمجھ ہو گا +

انسانی ترقی کے متعلق اگر تمام تاریخی شہادتوں پر نظر کی جائے تو اتنا تو ہمیں معلوم
ہو گا کہ قومیں مباح ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ہوتی رہیں گی۔
اور بالآخر قومیت فنا ہو کر تمام اقدار جو ملکی مغایرت اور قومی منافرت سے پیدا
ہوئے ہیں اٹھ جائیں گے۔ قانون اتقا اپنا اثر آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ کرتا ہے اور یہ اثر
بادی النظر میں ایسا خفیف ہے کہ سو سال کا مجموعی اثر بھی محسوس نہیں ہوتا لیکن
اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ زمانہ ہر آن فنا ہوتا ہے اور بہتر سے بہتر صورت میں جلوہ گر
ہوتا ہے مگر صورت اپنی ماقبل اور مابعد سے ایسی مشابہ ہوتی ہے کہ کوئی فرق
محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ دعوے کا ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ قومیت
فنا ہو جائے گی۔ ان شہادتوں پر مبنی ہے جو چشم بصیرت پوشیدہ نہیں۔ صدیق اکبرؑ
کے مطالع سے واضح ہو جائیگا کہ قانون اتقا اپنا اثر کب سے اور کہاں تک کرتا رہا
ہے۔ اور کچھ کہہ کر چکا ہے۔ اور کیا کچھ کریگا +

خلافت راشدہ ایک واحد شخص واحد قوم واحد طاقت ملکی کا کام نہیں تھا۔ بلکہ
اس کا رستہ صد سال سے صاف ہو رہا تھا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ خود خلافت راشدہ نے

اس حکومت کا ہر استیصال کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی ہے جس کو ہم نے
 ”اسامی بادشاہت“ سے تعبیر کیا ہے، اور جس کا نمونہ زمانہ کے حالات کے مطابق
 خلافت راشدہ میں نظر آتا ہے، بہر حال پیشہات ہمیں حضرت انسان کی
 آئندہ زندگی کا پتہ بتاتی ہے کہ کیا ہوگا +

اس وقت تک خلفاء، راشدین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا اکثر حصہ
 ہمارے مطالعہ میں ہے۔ اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کا ماخذ زیادہ
 تر وہ روایتیں اور حکایتیں ہیں جو سیاسیات نے وضع کی ہیں، اور اس لئے اگرچہ
 بالکل نظر انداز کرنے کے قابل نہیں لیکن ان پر اعتبار کرنا سخت خطرناک ہے +

ہماری رائے میں ان روایتوں اور حکایتوں کو ان اصول پر رکھنا چاہئے جو
 قرآن کے آیات سے وضع کئے جاسکتے ہیں، اور ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور ہم نے
 ہفتاد و دو فرقہ کے جنگ جہل سے کنارہ کشی کرتے ہوئے واقعات خلافت حضرت
 صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی اصل اصول کو واضح بیان کرنے کے لئے پیش کئے
 ہیں، جو قرآن کریم کی آیات بنیات پر مبنی ہے۔ اس لئے تمام اسی اصل اصول پر
 آرہتی ہے۔ جس کو ہم نے واضح بیان کیا ہے، ہفتاد و دو فرقہ اگر اسے غلط ثابت
 نہ کر سکیں تو جو کچھ ہم نے لکھا ہے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں +

فہم تحقیقت جسے ہم خلافت راشدہ کہتے ہیں وہ قرآن کی مطابق قائم ہوئی اور
 ہونی چاہئے تھی اس لئے قرآن ہی سے استدلال صحیح ہو سکتا ہے +

اصل اصول خلافت تو قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن واقعات کے
 ہمیں مجبوراً انہی روایتوں اور حکایتوں کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور اگر قرآن میں قوت
 متعلقہ ہجرت و غزوات کی اصلیت بیان نہ ہوتی ہوتی تو ممکن تھا کہ ہم واقعات کی
 صورت تک پہنچتے لیکن واقعات خلافت کے متعلق ہمارے پاس روایتیں اور
 حکایتیں ہیں جن کو ہم نے اصل اصول خلافت پر رکھا اور تنقید کے بعد جو کچھ لکھا
 محققین کی تحقیق کے لئے پیش کرتے ہیں +

”استحقاق خلافت“ ہر جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کے مطالع سے واضح ہو جائیگا۔ کہ مختلف قرون میں خیالات کی رو کس طرف تھی۔ اور نتیجہ کیا ہوا؟

اُس جہان کی بادشاہت اور آسمانی بادشاہت میں فی الحقیقت کوئی امتیاز نہیں۔ آسمانی بادشاہت بھی اس جہان ہی کی بادشاہت ہے۔ لیکن حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے ہم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اصطلاحیں انہی معنوں میں استعمال کی ہیں جن کے لئے وضع ہوئی تھیں۔

”جبریت“ اور ”عز و ات“ کا تعلق نے الحقیقت خلافت سے نہیں ہے لیکن نئے بغیر خلافت قائم بھی نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہم نے اس کا بھی مختصر تذکرہ حاصل اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔

اسلام پر مفصل بحث ہم نے ایک اور وقت کیلئے ملحوظ رکھی ہے لیکن جہانکے اس کا تعلق خلافت سے ہے ہم نے اسی پر بحث کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ اسلام اور خلافت کا آپس میں مضبوط رشتہ ہے۔ ایک کے بغیر دوسرا قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ امر کہ خلافت کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالع سے واضح ہو جائیگا۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ غلط فہمی کا موجب نہ ہوگا۔ اور اگر خواہ مخواہ غلط فہمی پیدا کی جائے۔ تو ہم بری الذمہ ہیں۔

سیدتی اکبر رضی اللہ عنہ کی تالیف کے ایک سال گزر گیا کہ ہو چکی تھی۔ حالات حاضرہ اور واقعات موجودہ ابھی رونما نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے اذکار مولف کے قلب پر نہیں ہو سکتا تھا۔ مولف نے مناسب خیال کیا کہ اس میں کچھ ترمیم نہ کی جائے اگرچہ اس کی اشاعت کا انتظام ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب کہ دنیا اسلام خلافت اور ہجرت کے اہم مسئلہ پر بحث کر رہی ہے۔ مولف مسلمان کو یہی مشورہ دیتا ہے کہ صبر کرو اور یقین کرو کہ اسلام اور خلافت کا رشتہ ایسا کم و بیش انسانی طاقت توڑ سکے۔

کا پاس کرنا تو آسان اور رسول اللہ ان میں سے نہایت قریب اور عزیز اور بڑی حق
 داری ہوتی۔ اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے
 ان لوگوں کو جو گذر گئے پیدا کیا۔ اور برگزیدہ کیا۔ اور تم نے فاطمہ ام ابی طالبؑ اس
 سے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی لڑکا اور کوئی
 لڑکی اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مردوں میں سے کسی کو بوجہ
 قربت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائرہ اسلام میں داخل کرتا تو عبد اللہ کو اور بیشک
 وہ ہر طرح دنیا و آخرت میں بہتر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے جس کو چاہا
 اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ اعْلَمُ بِالْهُدَىٰ**۔ اللہ تعالیٰ نے محمد علیہ السلام کو مبعوث
 کیا اور آپ کے چار چچا زادہ اس وقت موجود تھے۔ اللہ جل شانہ نے آیہ کریمہ لاندہ
عَشِيرَتَكَ الْأَخْيَرُ میں (اور دُرُوتو اپنے قریب ترین عزیزوں کو) نازل فرمایا: **أَخْصَرُ**
 سلمہ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ اور دین حق کی طرف
 دعوت دی۔ ان میں سے دو عباس و حمزہؑ نے اسلام قبول کیا۔ اور ان میں سے ایک
 عباسؑ میرزا باپ تھا۔ اور دو (ابوطالب اور ابولہب) نے انکار کیا تھا۔ ایک ابوطالب
 تھا اباب تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سلسلہ ولایت آپ سے منقطع کر دیا
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ان دونوں میں کوئی عزیز داری اور ذمہ اور میراث
 قائم نہ کی۔ انہارا یہ غم ہے۔ کہ تم ایسے شخص کے بیٹے ہو جو دوزخوں میں سب سے کمتر
 عذاب میں ہوگا۔ (ابوطالب) اور تم خیر الاشرار کہنے لگے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے
 میں کوئی منہ نہیں ہوتا اور عذاب میں خفیف اور آسان نہیں ہوتا۔ اور شر میں کوئی بہتر
 نہیں ہوتا۔ کسی مرد میں نہ کو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو نہ ایمان نہیں کہ دوزخی ہونے پر
 خیر کرے۔ اور وہ وقت قریب ہے۔ کہ تم خود دوزخ میں جاؤ گے اور قریب ہے کہ ظالم
 جان لینگے کہ وہ کس کروٹ اپنے پیٹے کئے جاویں گے تم نے لکھا ہے کہ حسن عبد العلیلؑ
 دو ہزار سلسلہ قربت رکھتے تھے اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرفہ تعلق قربت

ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خیر الاولین و آخرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں
ان کو ہاشم اور عبد المطلب سے صرف ایک پدری تعلق تھا اور تمہارا یہ زعم کہ تم بہترین
بنو ہاشم ہو اور یہ کہ تمہارے آبا و اجداد و اہمات ان میں زیادہ مشہور تھے اور یہ کہ
تم میں کس کنیز کا لگاؤ نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم سے اپنے آپ کو
مفتخر بنا دیا ہے۔ غور کرو و تفہم ہو تم پر کل اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے تم حد
اعتدال سے تجاوز کر گئے ہو۔ اور تم نے اس سے بڑھ کر اپنا فخر کیا جو تم سے فلان و
حفصا تا بہتر ہے۔ (ابراہیم بن محمد رحمہ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایہ قبیلہ کے بطن سے
پیدا ہوئے جسے شجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا)
اور بالخصوص تمہارے باپ کی ماوا دیں سے کوئی بہتر اور افضل سولہ کنیز کے زادوں کے
نہیں ہے۔ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں علی بن حسین (امام زین العابدین)
سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ کنیز کے زادہ تھے۔ اور کچھ شک نہیں کہ ان کا مرتبہ
حسن جن سینئ تمہارے دادا سے بڑا ہے۔ اور ان کے بعد تم میں کوئی شخص محمد بن علی کی
طرح نہیں ہوا۔ ان کی وادی کنیز کے نہیں اور کچھ شک نہیں کہ محمد بن علی تمہارے باپ سے
بہتر ہیں اور نہ کوئی ان کے لڑکے جعفر کی مثل ہوا اور ان کی وادی بھی کنیز کے نہیں اور
جعفر تم سے بہتر ہیں۔ تمہارا یہ کہنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لڑکے ہو غلط ہے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ مُحَمَّدٌ تَمَّ لَكُمْ سِيسَ
کسی کے باپ نہیں تم لوگ ان کے لڑکے ہو جو بیشک قرابت قریبہ ہے مگر اس کو
میراث نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس کو امامت جائز
ہے۔ پس تم اس قرابت کے فدیہ کس طرح وارث ہو سکتے ہو، تمہارے باپ علیؑ نے
ہر طرح سے اس کی خواہش کی تھی، فاطمہؑ کو روز روشن نکالا تھا اور درپردہ ان کو بیمار کیا
اور رات کے وقت دفن کیا۔ بایں ہمہ لوگوں نے سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو منظور نہ کیا۔ اس طریقہ میں مسلمانوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔
کہانا۔ اور ماموں۔ اور خالہ میراث نہیں ہوتے۔ اور جو تم نے حضرت علیؑ کو رحم اللہ وجہ اور

اُن کے سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے۔ اُس کا یہ جواب ہے کہ
 رسول اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات دوسرے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے
 کا حکم دیا تھا بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے۔ (ابو بکر و عمر بن
 عثمان) اور اُن کو (علی) منتخب نہ کیا حالانکہ یہ جی ان چھ بزرگوں میں تھے لیکن سب نے
 ان کو قابل نہ سمجھا اور ان کو مستحق خلافت نہ سمجھا۔ اور عبدالرحمن نے عثمان کو ان پر
 مقدم کر دیا۔ طلحہ اور زبیر ان سے لڑے (جنگ جمل) اور سعد نے ان کی بیعت سے
 انکار کر دیا اور معاویہ کی بیعت کر لی۔ تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے
 (جنگ صفین) اور ان سے ان کے مصاحب علیحدہ ہو گئے اور حکم (عمر بن العاص اور ابو موسیٰ
 اشعری) مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہوا خواہ (خوارج) ان کے استحقاق میں شک شبہ
 کرنے لگے۔ پھر انہوں نے دو شخصوں کو برضا مندی حکم مقرر کیا۔ اور ان کو اللہ کا عہد و
 بیعت دیا۔ ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ پھر حسن خلیفہ مقرر ہوئے
 انہوں نے امامت اور خلافت کو معاویہ کے ہاتھ کھڑوں اور دراہم کے عوض فروخت
 کر دیا۔ خود حجاز میں چلے آئے اور اپنے ہوا خواہوں کو معاویہ کے سپرد کر دیا۔ لو حکومت
 کو نااہل کے حوالے کر دیا۔ اور بلا استحقاق وجوار مال لے لیا۔ پس اگر تمہارا اس میں کچھ
 حق بھی تھا تو تم نے اس کو فروخت کر ڈالا۔ اور قیمت وصول کر لی پھر تمہارے چچا
 حسین نے ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر سرج کیا۔ ان لوگوں نے تمہیں قتل کیا۔ خرمائی
 ڈالیں پر سولی دی۔ آگ میں جلایا۔ اور شہر بدر کیا۔ ہم نے تمہارے خون کا بلاناں سے
 لیا اور تمہیں اُن کے ملک اور زمین کا مالک بنایا۔ اور تمہارے باپ کا نام بلند
 کیا۔ اور فضیلت دی۔ کیا تم اُن کے ذریعہ ہمیں مقبول کرتے ہو تمہارا باپ جدائیت میں
 میں مبتلا کیا گیا۔ اور بنو امیہ ان پر ایسے ہی لعنت کرتے تھے جیسا کہ کفار پر نسا زعفران
 میں ہم نے جھک لیا۔ ان کے فضائل بیان کئے۔ ان پر سختی کی اور اُن کے حرکاتِ شائستہ
 سزا دی تم جانتے ہو کہ ہم لوگوں کی بزرگی جاہلیت میں حجاج کی پانی پلانے اور ولایت رزم
 پر منحصر تھی۔ اور عباس کے بھائیوں میں سے صوف عباس ہی کے لئے مخصوص تھی۔

تھا اے باپ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے اس معاملہ میں ہم سے جھگڑا کیا۔ حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے حق میں فیصلہ دیا۔ پس جاہلیت اور اسلام میں اہل
 اس کے مالک ہم ہی رہے۔ اور یہ تو قوم کو معلوم ہے کہ بنی کے نبی عبد المطلب ہیں
 کوئی شخص سوائے عباس کے باقی نہ تھا پھر وراثت چچا کی طرف منتقل ہو گئی پھر بنی شام
 میں سے متعدد اشخاص نے خواہش خلافت کی مگر اس کے لئے اس کے سوا کوئی کامیاب
 نہ ہوا۔ ستفایہ تو اس کا تھا ہی میراث بنی بھی ان کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور خلافت
 ان کے لڑکوں میں چلی آئی۔ محمد المہدی اور منصور عباسی نے خلافت کو میراث ہی
 سمجھا ہے۔ فرقہ بین اپنے اپنے حقوق پہ لحاظ قربت پیش کرتے ہیں۔ علما خود فیصلہ
 کر سکتے ہیں۔ کہ ان میں سے کون زیادہ مستحق خلافت ہے۔ مگر دلائل سے جب کوئی
 فریق قائل نہ ہوا تو برمان قاضیعنی تلوار نے قطعی فیصلہ کر دیا۔ اور منصور ظفر و منصو
 راء۔ قرابت جعفر بنو فاطمہ یا بنو عباس کو تھا وہ کسی حد تک بجا ہے۔ لیکن ہماری
 رائے میں استحقاق خلافت کے لئے کوئی دلیل نہیں ۛ

جب نے و متہ ابجد بن ابوموسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری اور عمرو بن العاص بطور
 ظلمین مقرر ہوئے تو شورائے کی موجودگی میں عمر بن العاص نے ابو موسیٰ کو مخاطب
 کر کے کہا کہ

”تم جانتے ہو کہ عثمان براہ ظلم قتل کئے گئے“

ابو موسیٰ نے ”ہاں“

عمرو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ معاویہ اور ان کی قوم اولیا اور مددگار حضرت
 عثمان رہے ہیں۔“

ابو موسیٰ نے ”ہاں“

عمرو۔ پس کون تم کو ان کی خلافت قبول کرنے سے روکتا ہے وہ قبیلہ
 تریب کے معزین سے ہیں۔ اگرچہ سابق الاسلام نہیں ہیں۔ لیکن ان میں سب سے
 اہل ملک داری کی جاہلیت بہت بڑھی ہے۔ نیز معاویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے کا تب ہے ہیں۔ اور شرف صحبت سے بھی ممتاز ہے ہیں۔
 ”ابوموسےؓ، اے عمر و اللہ سے ڈرو امارت و خلافت سیاست اور مکاری
 کی قابلیت کی وجہ سے نہیں بجاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو آلِ ابراہم میں الرجاح اس کے زیادہ
 مستحق تھے۔ بلکہ دینداری تقویٰ اور ایمانداری کے لحاظ سے امیر و خلیفہ کیا جاتا
 ہے۔ نہمارا یہ کہنا کہ چونکہ معاویہ بن عثمان کے طالب ہیں اس وجہ سے ان کو امارت
 دی جائے قابلِ پندیرانی نہیں۔ مہاجرین سابقین اسلام کو چھوڑ کر امارت معاویہ کو نہیں
 دی جاسکتی۔“

انشاء اللہ تعالیٰ ہم حکمین کی گفتگو اور فیصلہ پر مفصل بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت
 میں کرینگے اس مقام پر صرف اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ حکمین اس لئے مقرر ہوئے
 تھے کہ قرآن مجید کی رو سے فیصلہ کریں کہ خلافت کا کون مستحق ہے۔ اور اس میں
 کچھ شک نہیں کہ حکمین نے آیات سے بہت کچھ استدلال کیا تھا۔ مگر افسوس
 ہے کہ ان آیات اور استدلال کے متعلق روایات خاموش ہیں۔ جو روایتیں ہم تک
 پہنچی ہیں ان سے ہم خود ان آیات کا سراغ نکال سکتے ہیں۔ جن حکمین کا استدلال
 مبطل تھا۔ اس مقام پر اتنا کہنا کافی ہو گا کہ عمرو بن العاص نے معاویہ کے حق میں یہ کہا کہ
 وہ سیاست اور آئین مکاری سے خوب واقف ہے اور ایسا ہی شخص خلافت
 کا اہل ہے۔ ابوموسےؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں یہ کہا کہ وہ مہاجرین
 سابقین اسلام سے ہیں۔ اور استحقاق خلافت کو فی حقیقت ہجرت اور سبقت
 الی الاسلام پر منحصر سمجھا کیونکہ جیسا ہم آگے چل کر بیان کریں گے مہاجرین سابقین
 اسلام کی تعریف نصیص قرآنی سے ثابت شدہ ہے۔ اور ان کے ایمان اور تقویٰ پر
 کسی طرح شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہ دلائل اس بُرہان سے مختلف ہیں جو منصور عباسی اور محمد المہدی نے اپنے
 دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ لیکن ابتداء میں سبقت الی الاسلام، ہجرت
 شریعت فی المشاہدہ پر استحقاق خلافت کی بنیاد رکھی گئی۔ انصار کا بھی اس میں حصہ کم نہ تھا۔

ابتدا اور قیام اور اثبات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

یہ خلافت جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور جس کا مستحق صرف حضرت انسان فی الارض ہے۔ بنی آدم کی غیر بنی آدم پر ہے۔ یہاں تک کہ ملائکہ بھی اس کے تابع فرمان ہیں۔ انسان زمین کی تمام طاقتوں پر حکومت کرتا ہے اور ان کو اپنے کام میں لاتا ہے۔ زمین پر آدم کے سوا

علائے مقدس پولوس کا خط بنام رومیان باب ۱۳ میں اس طرح مذکور ہے۔ ہر شخص اپنے ملکوں میں

کاتا بعدار ہے۔ کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے ہو۔ اور جو حکومتیں موجود ہیں

خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا

مخالف ہے۔ اور جو مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے۔ کیونکہ نیکو کار کو حاکموں کا خوف نہیں

بلکہ بدکار کو ہے۔ پس اگر تو حاکم سے نڈر رہنا چاہتا ہے تو نیکی کر۔ اُس کی طرف سے تیری

تخلیف ہوگی۔ کیونکہ وہ تیری بہتری کے لئے خدا کا خادم ہے۔ لیکن اگر تو بدی کرتا ہے تو

کیونکہ وہ تو اربے فائدہ لئے ہوئے نہیں۔ اور خدا کا خادم ہے کہ اُس کے غضب کے

موافق بدکار کو سزا دیتا ہے۔ پس تا بعد اور ہتائے صرف غضب کے ڈر سے ضرور ہے بلکہ

دل بھی ہی گواہی دیتا ہے تم اس لئے خراج بھی دیتے ہو کہ وہ خدا کے خادم ہیں اور اس خاص

کام میں مشغول رہتے ہیں۔ سب کا حق ادا کرو جس کو خراج چاہے خراج دو۔ جس کو محصول

محصول۔ جس سے ڈرنا چاہئے اُس سے ڈر جس کی عزت کرنی چاہئے اُس کی عزت کرو۔

مقدس پولوس کا اشارہ رومی حکومت کی طرف ہے جو بت پرست قوم تھی اور اُس وقت یہودی جو

خدا پرست تھے اُن کے رحمت تھے۔ آئین موسوی کے مطابق محصول لینا گناہ کبیرہ تھا۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ

پہ بھی ملن کیا جاتا ہے کہ ”کیونکہ محصول لینے والوں کا دوست ہے۔ یہودی خراج اور محصول دینے سے انکار

کرتے جب سختی ہوتی تو مقابلہ کرتے آخر سخت سزائیں ملتی۔ ہزاروں کا خون پانی کی طرح بہ گیا بعد اس

پولوس فرماتے ہیں کہ رومی حکومت بھی خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے اُس کی اطاعت نہ صرف

ظاہر داری سے بلکہ دل سے کرنی چاہئے۔ قرآن شریف کی سب ذیل آیات میں مکر کرنا چاہئے

کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی جس پر خلیفۃ اللہ کا اطلاق صحیح ہو، وہ خلافت جس پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں آدم کی بنی آدم پر ہے۔ قرآن شریف کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خلافت یا حکومت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اور اُس کی ابتدا و انتہا بھی حکم الہی کے باعث ہے۔

(۱) "هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِمَّا رَفَعَكُمْ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَلَا تَكْفُرُوا لَهُمْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ لَكَفَرُوا بِآيَاتِهِ" (۸-۷)

(۲) "هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لَعَنَهُمْ عَلَى كُفْرِهِمْ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا خَسَادًا" (۲۲-۱۷)

(۱) وہی (قادری مطلق) ہے جس نے زمین میں تم کو نائب بنایا ہے کہ تم دنیا کی چیزوں میں تعزیر کرتے ہو، اور تم میں سے بعض کو بعض پر وجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں کہ تم کو دی ہیں اُن میں تمہاری دشمنی گزاری، اور فرمانبرداری کی ترمیم کرے (۸-۷)

(۲) وہی (قادری مطلق) ہے جس نے تم (لوگوں) کو زمین میں (انگوں) کا جانشین بنایا، پھر (اسی) جو کفر کرتا ہے اُس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اُن کے کفر کی وجہ سے خدا کے دُشمن (ان سے) ناراض ہو جائے گی اور کفر کی وجہ سے کافروں کا گناہ بھی چلا جائے گا (۲۲-۱۷)

وَلَقَدْ آتَيْنَا الْفِرْعَوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَئِيْلًا وَجَاءَهُمْ مُرْسَلَاتٌ مِنْ رَبِّكَ فَتَوَسَّوْا وَلَقَدْ آتَيْنَا الْفِرْعَوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَئِيْلًا وَجَاءَهُمْ مُرْسَلَاتٌ مِنْ رَبِّكَ فَتَوَسَّوْا وَلَقَدْ آتَيْنَا الْفِرْعَوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَئِيْلًا وَجَاءَهُمْ مُرْسَلَاتٌ مِنْ رَبِّكَ فَتَوَسَّوْا

اور روگو! تم سے پہلے کتنی امتیں ہو گئی ہیں کہ جب انہوں نے شرارت پر مکر یا مذہبی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور اُس کے رسول اُن کے پاس نشان بنائے کھلی بکراتے اس پر بھی اُن کو ایمان نہ آیا نہ نصیب نہ ہوا گنگا، لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر (ان کے) ہلاک ہوئے پیچھے ہم نے اُس پر تم لوگوں کو دُشمن بنا دیا تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اس فکرت بوجہ فضیلت و مرصعہ فی القلانت وجعلنہم ریحہ خلاف ما عرفنا الذین

کذبوا بآیتنا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (۱۱-۱۳)

(۳) واذ کرد اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح و نراد کہ فی الخلق بباطلہ فاذا کروا

الاء الله لعلکم تفلحون (۸-۱۲)

(۴) واذ کرد اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و نوا کہ فی الارض تختلون من ہم

قصورا و تختلون الجبال بیننا فاذا کروا الاء الله ولا تعصوا فی الارض مفسدین (۸-۱۱)

(۵) امن یحب المضطر اذ اعاء و یکتف السوء و یجعلکم خلفاء الارض

قلیلا ما تدن کون (۲۰-۱)

(۶) پھر لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ اُس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات

دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان سب کو غرق کر کے ان لوگوں کو ان کا ہشام

بنایا۔ (۱۱-۱۲)

(۷) اور بعد ازاں احسان (یا کرو۔ کہ جب اُس نے تم کو قوم نوح کے بعد ان کا ہاشام بنایا۔ اور
تن و توش کا پھیلاؤ بھی) تم کو (اور اول سے) زیادہ دیا تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ گے

(۵) اور اذ اذ اذ احسان (یا کرو جب اُس نے تم کو قوم عار کے بعد ان کا ہاشام بنایا۔ اور

رینو تم کو وہ زمین اس طرح سے بسایا کہ تم میدان میں تو محل کھڑے کرتے اہ پیاروں کو تراش کر

گھر بناتے تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ (۸-۱۰)

(۶) بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص (سورقہ) کو اس سے زیادہ کرے وہ اس پر قرا کی فریاد کو پہنچے اور اس کے

نصیب کو نال و سہ اور (کون ہے) جو تم لوگوں کو راہنما (نائب) بناتا ہے۔

(۷) "وہا رسلنا فی قریۃ من نبی الاخذنا اهلنا بالاساء والضراء لعلہم یترعون۔

شدید لنا سكان البسۃ الحسنۃ حق عفوا قالوا قد هم اباءنا الضراء والضراء

فاخذتہم بعتہ و ہم لا یشرعون۔ ولوان اهل القری امنوا اتقوا لفتننا علیہم ابواب

من السماء والارض و لكن کن یمناخذتہم باکافوا یکسبون اقامن اهل القری ان

یا تہم باسنا و یمنا و یمنا۔ وامن اهل القری ان یا تہم باسنا و یمنا و یمنا

(۷) اقاموا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون - ا۔ لہید للذین یثرون

الارض من بعد اهلها ان لو نشاء بدن تو بھڑا ونطبع علی قلوبھمھم

لا یسمعون۔ تلك القرى نقص عیات من ابناء وھا ولقد جاء قہم ربھم بالبینات

نہما كانوا یؤمنوا بما کذبوا من قبل۔ کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکفرین رسا

قابد ناکا کثرھم من عہد وان وجدنا کثرھم لفسقین، نذر بھٹنا من بعد

موسى تا تینا الی قہون وملانہ فظلمہا بما فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (۲-۹)

(۷) اور جس بستی میں ہم نے پیغمبر بھیجا اور بستی والوں نے اُس کا کہا نہ مانا تو وہاں کے

رہنے والوں کو ہم نے مبتلا سے سختی و مصیبت بھی کیا تاکہ یہ لوگ، (ہمارے حضو میں) اگر کفر میں

پھر ہم نے سختی کی جبکہ آسانی کو بدل بھان تک کہ خوب بڑھ چڑھے اور لگے کہنے کا اس طرح

کی سختیاں اور راحتیں تو ہمارے بڑوں کو بھی پہنچ چکی ہیں یا یعنی یہ زمانہ کے اتفاقات میں

تو ہم نے ان کو دفعۃً و عذاب میں (دھر پڑا۔ اور وہ اس سے بے خبر تھے اور اگرچہ ان پر رسول

کے۔ جنے والے خدا پر ایمان لائے اور یہ بھڑکاری کا طریقہ اختیار کرتے تو ہم آسمان عزیز کی

برکتوں کے دروازے ان پر کھول دے مگر انہوں نے (ہمارے پیغمبروں) کو کھٹکایا تو ان

نور تو ان کی سزا میں جوہ کرتے تھے ہم نے ان کو عذاب میں (دھر) پڑا۔ اسے پیغمبر کیا تمہاری

ان اہلسوں کے رہنے والے اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آنازل

در وہ سوئے پڑے ہوں یا (تمہارے ان) بستیوں کے رہنے والے اس سے نڈر

ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن و رات آنازل ہوا اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں تو کیا اللہ

کے داؤے سے نڈر ہو گئے ہیں۔ سو اللہ کے داؤے سے فوری لوگ نڈر ہوتے ہیں جو یہ باوجود

والے ہیں۔ جو لوگ پہلی زمین کے (ہلاک ہوئے) پیچھے زمین کے وارث ہوئے ہیں کیا اس

بات سے بھی ان کو ہدایت نہ ہوئی کہ اگر ہم بپا ہیں تو پہلی امتوں کی طرح ان کے گناہوں کے بدلے

ان پر لڑیں (مصیبت لانا ناظر کریں مگر یہ لوگ (عبرتہ پذیر نہیں ہیں) اور عمران کے رسولوں

پر نھر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ (قصص کی بات) سننے ہی نہیں (اسے پیغمبر یا چند امتیاں میں بنے

حالات پر تم کو بتاتے ہیں (تاکہ تمہاری قوم کو تنبیہ ہو) اور ان کے پیغمبر ان لوگوں کے پاس بھڑے بھی

۱۹ آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک قوم کی خلافت دوسری قوم کے بعد حکم الہی سے ہوتی ہے اور ایک قوم دوسری قوم پر حکم الہی سے حکمراں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس لئے قوموں کو خلافت کے ساتھ تقویت دی جاتی ہے۔ اور کیوں قومیں خلافت کو جو نعمت الہی ہے ہاتھ سے کھو بیٹھتی ہیں، قوموں کی خلافت کے حالات کا اگر مطالعہ کرنا ہو تو تاریخ کے صفحات پر دیکھو کہ ابتدا میں کیا تھیں اور کس طرح پھیلیں اور پھولیں اور کس طرح اپنے وقت پر تباہ و برباد ہوئیں اور کس طرح

بتہ صفحہ ۱۔ لے کر آئے۔ مگر یہ لوگ (ایسی سرشت ہی کے) نہ تھے کہ جس چیز کو پسے جھٹلا چکے ہیں اس پر ایمان

لے آئیں گا ذل کے دیوں پر اسی طرح خدا مگر کا دیا کرتا ہے اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں میں مٹا دیا

نعمہ (کا پاس) نہ پایا۔ اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں کو نافرمان پایا۔ پھر ان کے بعد ہم نے توت

تو ہجرے دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو ان لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ

جڑی جڑی گستاخیاں کیں۔ دیکھنا مفسدوں کا کیسا انجام ہوا۔ (۹-۳)

(۸) واما کنّا مملکی القرآن الا واهلھا ظلمون (۲۰-۹) اور ہم شہزادوں کو توبہ ہی ہلاک کرتے

ہیں جب وہ ان کے لوگ نافرمانی اختیار کر لیتے ہیں (۲۰-۹)

(۶) ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعاً لیستضعف طائفة منهم یدبیر انبارهم

و یتعجبی شئاً وھم انھ کان من المفسدین ویزید ان غنّ علی الذین اسستضعفوا

فی الارض و یجعلھم الوارثین و یکنّ لھم فی الارض و یزید فرعون وھامن وجنودھا

منھم ما ھک فوا یحزن ساد۔ (۲۰-۶) ترجمہ فرعون (ملک مصر کی) زمین میں بہت برہمچرہ

نہ تھا۔ اور اس نے وہاں کے لوگوں کے لئے اللہ اللہ گروہ فرادے دیے تھے۔ ان میں سے ایک

گروہ کو اس قدیم دور سمجھ رہا تھا کہ اس کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ

کھٹا تھا اس میں شک نہیں کہ وہ فساد الوں میں (ایک ہی فساد ہی) تھا۔ اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ

جو لوگ اس کے ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے ان پر احسان کریں اور انہیں کمزور بنائیں۔

اور انہیں کو سلطنت کا واسطہ نہ تھا انہیں انہیں کو ملک میں جائیں اور فرعون اور ثمان اور اس کے

شعروا بنی اسمہ اہل کی طرف سے جس بات کا خطرہ تھا وہ ان ہی (بنی اسمہ) اہل کے

ہاتھ سے ان کے آگے لائیں (۲۰-۸)

یکے بعد دیگرے اقوام مسند خلافت پر متمکن ہوئیں۔ ان لوگوں کے اعمال پر غور کرو اور نتائج میں فکر کرو۔ یہی باتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم متوجہ فرما رہا ہے۔

جو کچھ ان آیات سے واضح ہوتا ہے تاریخی شہادتوں سے ثابت شدہ ہے اور اس لئے بحث طلب نہیں۔ ہمیں قوموں کے عروج اور زوال و انحطاط کے واقعات اور اسباب کا علم ہے۔ یہ آیات انہی واقعات کے نتائج پر اخلاقی سبق ہیں۔ بہر حال قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں اور بنتی اور بگڑتی رہینگی یہاں تک کہ خلافت کا منشا پورا ہو جائے۔

۳

آیات مجملہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور خلافت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ ایک قوم کو دوسری قوم کے بعد عنایت فرماتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے ”وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ رَبِّهَا عِبَادِيَ الصَّالِحِينَ“ (۱۷-۱۸)

لیکن سلف صالحین کے خلف نام خلف ہوئے۔ اور خلافت ایک اور قوم میں منتقل ہو گئی فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَصَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَادَاتِ فَسُوفَ يُلَاقُونَ عَذَابًا (۱۶-۱۷)

یہی قانون قدرت ہے جس کو لسان مذہب میں ”سنتہ اللہ“ کہتے ہیں۔ لیکن صرف یہی نہیں ہے کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم خلیفہ ہوتی چلی آئی ہے اور بس، قانون ارتقا اس میں مہدی بنا اپنا کام کرتا ہے اور دنیا بہتر سے بہتر صورت میں تبدیل ہوتی رہتی ہے اور ہر ایک قوم نے جسکو خلافت عنایت ہوئی ہے دنیا کی بہتری اور بہبودی میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہے۔ آیات مجملہ بالا کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت کا منشا یہی کچھ ہے کہ قومیں ترقی کریں اور تمام اقوام عالم ہیئت مجموعی ترقی کریں۔ یہ سلسلہ ترقی ابتداء آفرینش سے کسی وقت منقطع نہیں ہوا۔ اگر ایک قوم منشا سے خلافت کو اس وجہ سے پورا ترک کر سکے کہ خلف من بعدہم خلف تو فوراً خلافت دوسری قوم میں منتقل ہو گئی اور اسی طرح انتقال خلافت برابر ہوتا چلا آیا ہے اور زمانہ نے اس وقت تک وہ ترقی کی ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ آیات مجملہ بالا میں ان علوم و فنون کی طرف صراحت اشارہ ہے جن کو قوموں نے خلافت کی سرپرستی میں ترقی دی، ایک وقت تھا کہ لوگ پہاڑوں کی غاروں

میں رہا کرتے تھے اس کے ساتھ موجود زمانہ کے اسبابِ ریش پر نظر کرتے تو ”تمدن کی مفصل تاریخ و خلافت“ اُسی میں رہے گی، خلافت نے ہی قوموں کے درجات بلند کئے ہیں۔ لیکن جب ایک قوم نے ایک خاص حد تک ترقی کرتے ہوئے خواہشاتِ نفسانی کی متابعت کی اور اپنے نصب العین کو نظر انداز کر دیا اور ”یا خن من عرض هذا الاذن“ (۱۱-۹) تو بلندی سے پستی کی طرف نزول کیا، ایک اور قوم اُن کی جگہ قائم ہو گئی اور اُن کے درجات بلند تر ہو گئے۔

”هَؤُلَاءِ فِي جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ فِي الْأَرْضِ وَرَفَعَكُمْ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ“

خلافت ایسا بارِ امانت ہے جس کا اہل آدم ہی سب سے جس کو فرشتے مفسد اور خونیہ کہتے تھے۔ اور ایک اور شعلہ خودی اس کی خاکساری کو بظہر حقارت دیکھتا ہی مگرتے کیا معلوم کہ ساکنانِ در و دست خاکسار اند

ابتدائے آفرینش سے حضرت انسان نے کیا کچھ کیا، اور ترقی کے مراحل طے کرتا ہوا کس طرف جا رہا ہے ایک ایسا راز ہے جو خلافت ہی میں مضمر ہے۔

آیاتِ نوحہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ ملائکہ موجود تھے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تحمید و تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے۔ لیکن آدم ہی خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر کیا گیا۔ اور اس لئے کہ ”علم“ میں ملائکہ سے گونے سبقت لے گیا۔ آدم کو مفسد اور خونیہ بنانا بابِ اہم ثابت ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ فساد اور خونیہ نہایت ہی مذموم ہیں مگر یہ امور مانعِ خلافت نہیں، فی الحقیقت استحقاقِ خلافت ”علم“ پر مبنی ہے۔ بعض ملکوتی صفات استحقاقِ خلافت ثابت نہیں کر سکتے۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے،

”المرئالی الملائ من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا النبی لهم ابعث لنا مسلما

نقاتل فی سبیل اللہ قال هل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا قتالوا قالوا و ما لنا بالما

نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من ديارنا و ابناءنا، فلما کتب علیهم القتال قالوا لا

تلیلا منهم، و اللہ علیم بالظلمین و قال لهم نعیهم ان اللہ قد بعث اللہ لکم طالوت

ملکا قالوا انی یكون له المملات علینا ونحن امحو بالملات منه و لم یؤت سعة من المال

شاعر ملت اقبال نے کہا ہے۔

یقین محکم، عمل ہیتم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
اس میں شبہ نہیں کہ یقین محکم اور عمل ہیتم ہی دو تہیاریں جن سے کوئی قوم اپنے دشمنوں پر فوجِ باب
ہو سکتی ہے لیکن جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں یہ صرف فرزندِ انِ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ یقین محکم
رکھتے ہیں لیکن کس چیز کا؟ انسانی، وطنی، یا عملی اعتبار سے دوسروں پر فائق ہونے کا نہیں بلکہ اس بات کا کہ
”خداے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے“

پھر یہ فہم عمل ہیتم بھی کرتی ہے تو اسی غالب تصورِ ایمان کے زیرِ اثر اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ
مسلمانوں کا ”یقین محکم“ اور ان کا ”عمل ہیتم“ اپنے اندر ایک ایسی خصوصیتِ فائقہ رکھتا ہے کہ وہ عقیدہٴ توحید
اور اعمال میں ”اتقا“ کی رعایت رکھے بغیر کسی میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ تیسری چیز جو اقبال نے بیان کی ہے
وہ محبت ہے جس کو انھوں نے فاتحِ عالم کہا ہے، یقین محکم اور عمل ہیتم کی طرح یہ ”محبت“ مسلمانوں کی
طرح دوسری اقوام میں پائی جاسکتی ہے مگر مسلمانوں کی محبت بھی ان کے یقین و عمل کی طرح دوسری اقوام
کی محبت سے یکسر مختلف ہے، ان کی محبت کسی ذاتی حظِ انفس یا نفسی خواہش پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ خدا کے
تعلق کے اعتبار سے اس محبت کی بنیاد انسانی اخوت کے احساس اور خلوص و تلبہیت کے جذبہ پر قائم
ہوتی ہے اسی محبت کو ”حسبِ فی اللہ“ کہتے ہیں۔ اس محبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان کسی قوم سے اگر جنگ
کرتے بھی ہیں تو چونکہ اس جنگ میں ہوس ملک گیری یا جذبہٴ ملوکیت پسندی کو دخل نہیں ہوتا بلکہ بندگانِ
خدا کی اصلاح و ہدایت اور خالصہٴ لوجہ اللہ اعلیٰ کا حق اس کا مقصد ہوتا ہے اس بنا پر یہ عام فحش
عالم کی طرح مفتوحِ اقوام کے ساتھ ناگوار جبر و تشدد کا معاملہ نہیں کرتے اور سختی کے ساتھ ان احکام کی
پابندی کرتے ہیں جو اس بارہ میں ان کو خدا نے بتائے ہیں اس صلح جو یا نہ روش کا اثر یہ ہوتا ہے کہ فریق
مخالف اپنے ہنگامی یا جذباتی بغض و عناد کی عینک اتار کر جب ان کے اخلاق و اعمال اور ان کے

مقدس باطنی احساسات و جذبات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی عداوت محبت سے اور اس کا منافرت نسبت سے
 الغت سے بدل جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان صرف کسی ملک کی زمین کو ہی فتح نہیں کرتے
 بلکہ اپنی للہیت اور انسانی خیر اندیشی و خیر گالی کے باعث اہل ملک کے دلوں کو بھی سحر کر لیتے ہیں، یہی
 وجہ تھی کہ ایران کی جنگ میں ایرانی فوج کے چار ہزار سپاہی ایک وقت مسلمان ہو گئے اور انہیں ساتویں
 کو چھوڑ کر مسلمانوں کی صف سے آئے، پھر یہ لوگ یونہی دکھاوے کے مسلمان نہیں تھے بلکہ ان کی جڑوں پر
 مسلمانوں کے مقابلہ میں کام آتی تھیں اب ان کی حمایت و اعانت میں کام آنے لگیں، چنانچہ یہ سب
 حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیرِ قلم مدائن اور جلولاء کی جنگ میں شریک ہوئے اور اس معرکہ کو جیت کر
 سرخروئی حاصل کی۔ فاتحِ سندھ محمد بن قاسم کو کون نہیں جانتا کہ اس نے سندھ میں دشمن کو کس بری طرح
 پامال کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے اسلامی اخلاق اور کیر کڑ سے مفتوحین کے دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔
 چنانچہ علامہ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں۔

”یزید بن ابی کبشہ اسکی سندھ کا گورنر ہوا اور اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق روانہ کیا

تو اہل ہندو اور قطار دوتے تھے اور انھوں نے یادگار کے طور پر محمد بن قاسم کی تصویر بنا کر کرج میں رکھی۔“

میں نے محبت کی پتھر صفا ذکر اچلنے کی وجہ سے کی ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ
 ”عقیدہ توحید اور اتقار“ یہ دو بنیادی امور ہیں جن پر تمام فضائل اخلاق کی بنیاد قائم ہے انھیں فضائل
 اخلاق میں سے ایک محبت بھی ہے، فلسفہ اخلاق میں ”عدالت“ کو جامع فضائل اخلاق کہتے ہیں۔ ہم
 کہہ سکتے ہیں کہ عقیدہ توحید اور اتقار ان دونوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان میں عدالت پیدا ہو جاتی ہے
 اور وہ نظری اور عملی دونوں قسم کے کمالات و فضائل کا جامع بن جاتا ہے۔

اب اس وقت اس جماعت میں ایسی زبردست طاقت و قوت اور مصائب انگیزی و

ایک بھی مذموم نہیں، البتہ بقاضائے حالات زمانہ ایک کو دوسرے پر ترجیح ہے، حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری، آئینی ہو یا دستوروی تقاضا کرتی ہے کہ عنان سلطنت ایسے شخص کے زبردست ہاتھوں میں ہو جو "علم" میں سب سے بہتر ہو، خواہ یہ کوئی مطلق العنان بادشاہ ہو یا کسی جمہوری سلطنت کا امیر ہو، خواہ کوئی ہو۔

ایسے اشخاص جو ہمہ صفت موصوف ہوں دنیا میں مشکل سے ملتے ہیں۔ ایسے آدمی جن کی زمانہ کو ضرورت محسوس ہو قدرت بوقت ضرورت پیدا کر دیتی ہے، ایسے لوگ جو خاص خاص اوصاف سے متصف ہوں اور ان اوصاف میں فروا فر دامتاز بھی ہوں بہت ہیں اور دنیا میں اگرچہ عام نہیں مگر مل سکتے ہیں مؤخر الذکر جمہوری یا کسی آئینی حکومت کے رکن ہوتے ہیں اور اول الذکر کا تقریبہ حیثیت شاہ مطلق العنان دنیا کے لئے رحمت ہے۔ قانون قدرت یہی ہے کہ کثرت ہمیشہ وحدت کے تابع رہے اپنے وجود پر غور کرو، کائنات میں فنسکر کرو، کس طرح "علم اور قدرت" جسم میں کام کرتے ہیں اور کس لئے دماغ کی حکومت دیگر اعضا نے تسلیم کر لی ہے، اللہ تعالیٰ جس کی ذات تمام صفات کی جامع ہے، اس طرح عالموں پر حکومت کرتی ہے، اگر اس حکومت میں اس کے شریک اور خدا ہوتے تو تمام انتظام کائنات درہم برہم ہو جاتا، الحق

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالُوا هُمُ الْيَتِيمُونَ، لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ مَا يَصِفُونَ (۱۷-۱۸)

اگر دنیا میں ایسے مطلق العنان بادشاہ ہر ایک زمانہ میں پیدا ہوتے جو علم اور جسم میں یکتا ہوتے تو حکومت کبھی آئینی صورت کی تبدیلی پسند نہ کرتی۔ اور کسی جمہوری یا آئینی سلطنت کی ضرورت نہ ہوتی، مگر ایک کام جب ایک شخص سے نہیں چل سکتا تو وہ امداد کا طالب ہوتا ہے اور دو یا دو سے زیادہ آدمی اس کام کو چلا سکتے ہیں جمہوری سلطنت کے ارکان میں سے بعض "عقل" اور بعض "ہمت" سے کام لیتے ہیں۔ اور عقل و ہمت دونوں ایک جسم سلطنت میں جمع ہو کر اپنے اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ مگر عقل ہو اور ہمت نہ ہو یا ہمت ہو اور عقل نہ ہو تو کام نہیں چل سکتا مطلق العنان بادشاہ کی ذات عقل و ہمت

جامع ہوتی ہے، اس لئے وہ بذات واحدہ کام کر سکتا ہے جو آئینی حکومت کے ارکان
بہیئت مجموعی کرتے ہیں۔ حکومت خواہ کوئی صورت اختیار کر لے بہر حال ایک اند
شخص کی ذات دیگر اشخاص سے ممتاز نظر آئے گی۔

حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری اسی صورت میں اچھی ہے جب اس کا انتظام صاحب
عقل و ہمت، علم و عمل کے لحاظ میں ہو لیکن ایسی صورت ہمیشہ قائم نہیں رہتی شخصی
حکومت بطور ارث سلسلہ بعد نسل ایک ہی خاندان کے اراکین میں منتقل ہوتی چلی آتی ہے
اور عموماً یہ لوگ صاحب عقل و ہمت نہیں ہوتے، اگر لائق یا پ کے بعد بیثبات حکومت
ہو اور بہترین خلائق ہو تو اس کی جانشینی پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا مگر عموماً ایسا ہوتا ہے
کہ ایک دو پشتیں گزرنے پر عیاش، جاہل، ظالم شخص وارث تحت و تابع ہوتے ہیں۔
اس وقت انتظام مملکت درہم و برہم ہو جاتا ہے جس صورت میں ایک صحیح و باغ جسم پر
حکومت نہیں کرتا خواہشات نفسانی کا غلبہ قلب پر ہوتا ہے اور ایسی بے اعتدالیان ظہور
میں آتی ہیں جن کا نتیجہ اظہر ہے، دیگر جمہوری اور آئینی حکومتوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب
لوگوں کی طب بیعتیں عیش و عشرت کی طرف مائل ہوتی ہیں اور کارکنان سلطنت فساد
خرابیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اور غرض
خود راہی، خود بینی، رشک و حسد، نفاق، نیاد، سلطنت متزلزل کر دیتے ہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ جب کوئی قوم میدان ترقی میں قدم رکھتی ہے تو اس قوم کے
افراد میں ہر ایک خوبی جو غلبہ کا باعث ہوتی ہے موجود ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں جوش
شجاعت ان کے جوصلے بلند کرتا ہے۔ وہ مخنتی اور جفاکش ہوتے ہیں اور ان کی طاقت
ہر ایک رکاوٹ کا جو ان کی ترقی میں سدا راہ ہو کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ لیکن
جب یہ قوم منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے تو تنزل اور بربادی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں
اور کچھ عرصہ میں وہ تمام خوبیاں جو ابتداء میں موجود تھیں محو ہو جاتی ہیں۔ تقانون قدرت چہرے

”جب تک مطلوب غائب ہے طلب حاضر ہے
اور اگر مطلوب موجود ہو تو طلب مفقود ہوتی ہے

تشہ لب پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں آوارہ و سرگردان پھر تا ہے، جب دھڑ دھوپ کے بعد پانی دستیاب ہوتا ہے تو آتش تشنگی کے ساتھ خوش طلب بھی ٹیچہ جاتی ہے۔ جب تو میں ترقی کے معراج پر جکے مداح بحالات وقت مختلف ہیں پہنچتی ہیں اور اُس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ طاقیتیں جو ابتدا میں گوہر مطلوب پر مضہ کرنے کے لئے جدوجہد کرتی ہیں بے کار ہو جاتی ہیں اور وہ ابتدائی جوش اور عزم مفقود ہو جاتا ہے جو طلب کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، یہ وہ زمانہ ہے جب تمدن سامان عیش و عشرت کے ساتھ اسباب تنزل فراہم کرتا ہے اور قوم تعہدیت کی طرف گرتی ہے۔ ایسی حالت میں مستغوثہ شخصیں جو جمہوری ہر ایک صورت میں کم زور ہوتی ہے، اور یہ کمزوری جو اندر ہی اندر خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے بیرونی حملوں کے سامنے عمارت سلطنت کو خستہ و شکستہ کر دیتی ہے۔ یہ وہ پرجوش طبیعتیں افہرہ ہو جاتی ہیں اور وہ ولولے اور عزم باکجزم زدہ ہوتے ہیں تو انتظام مملکت خواہ کسی مرتبہ میں ہو بد نظمی اور بد امنی کو رواج دیتا ہے نہ تو جمہور کی طاقت اور نہ کسی شخص کی عقل و ہمت کام آتی ہے۔ اور نہ ہی اُس کے اثر ملنے سے مٹ سکتے ہیں۔

اس لئے حکومت خواہ اُس کی صورت کچھ ہی کیوں نہ ہو کسی ایک قوم میں بالاستقلال نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ قدرت نے قوموں کا عروج و نزول اوج کائنات پر عملی حوت میں لکھ دیا ہے، لیکن خلافت مسلسل قوموں کے ہاتھوں میں ترقی کر رہی ہے، تو میں ہائیں اور پیچھے نہیں، بلند ہوئیں اور فہرندت میں گریں، لیکن تاریخ کے صفحات پر ان کی شہادت باقی رہ گئی ہے۔ جہاں نیر و اور جہاں کے ظلم و ستم کی دلخراش داستانیں سننے میں آتی ہیں اور لعن و نفرین اب تک اُن کے تعاقب میں سرگرم ہے، وہاں نوشیرواں اور عمر مر کا عدل انصاف صد آفرین کا دستہ ہے، مہارک ہے وہ قوم جس کو خدا تعالیٰ نے نعمت خلافت عطا فرمائی اور اُس کی سرپرستی میں اُس نے قوموں میں امن و قیام کیلئے تمدن و تہذیب و علوم و فنون اور عزت و مساوات کی اشاعت فراخ صو گئی ہے، دنیا کی بادشاہت ایسی ہی قوم کے واسطے ہے، اور بابرک ہیں وہ لوگ جو مسکین فی الروح ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت

اُن کی ہے، اور مبارک ہیں ماتمیان کیونکہ تسلی پائیں گے اور مبارک ہیں حلیم کیونکہ وارث زمین ہوں گے۔ مبارک ہیں گرسنگان و تشنگان عدالت کیونکہ سیر ہوں گے اور مبارک ہیں جیم کیونکہ اُن پر رحم کیا جائیگا، اور مبارک ہیں پاک دل کیونکہ خدا کو دیکھیں گے اور مبارک ہیں صلح کنندگان کیونکہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے اور مبارک ہیں زحمت کشان برائے عدالت کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن کی ہے،

(مثنیٰ باب ۵ و ۶ تا ۱۱)

اب ہم ان لوگوں کے حالات لکھتے ہیں جن کی ذات، ستودہ صفات میں ہر ایک خلی جمع تھی جس کو حضرت عیسیٰ ایک ایک کر کے گنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس جہان کی بادشاہت عنایت فرمائی لیکن اُن کی نگہ آسمان کی بادشاہت پر رہی، مبارک ہے وہ قوم جو خلافت کے اصل منشأ کو سمجھتے ہیں، اور اس حقیقی ترقی کے وارث ہیں جس کا شاہد تین و نہایتون و طووس سینین اور بلک الامین ہیں جو عزیت و مساوات کے پشت پناہ ہیں۔ آیات متوالہ ہالا سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت اور مملکت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اور اقوام اور افراد اقوام کے ہاتھوں میں ان کے بدولت بے شمار ذرائع ترقی دیے جاتے ہیں تاکہ وہ دن کا جائز استعمال کریں۔ خلافت کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے ہاتھوں میں رہے جو اُس کے اہل ہوں۔ خلافت کی مختلف صورتیں خواہ شخصی ہوں یا جمہوری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو حکومت اغراض خلافت کو پورا نہیں کر سکتی برباد ہو جاتی ہے مادہ جو منشأ خلافت کے مخالف خواہشات نفسان کی متابعت میں ظلم و ستم روا رکھتی ہے تباہ ہو کر رہتی ہے۔ خلافت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، مبارک ہے وہ قوم جو اس میں خیانت نہیں کرتی

اس جہان کی بادشاہت

آج سے قریباً دو ہزار برس پیشتر یروشلم میں ایک ایسا واقعہ نمود میں آیا جس کے نتائج پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں، ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا، یہ شخص بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے نسل سے تھا، اور اُس کا نام یسوع تھا۔ مقدس ہونے کا گارن نے اس کا شجرہ نسب لکھا ہے، اوست

اس شخص کے دعویٰ کی تائید اور تصدیق سوائے چند اشخاص کسی نے نہ کی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس شخص کو بشر نہیں بلکہ خدا اور ابن خدا سمجھ کر معبود کا درجہ دیا گیا ہے، اگرچہ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ داؤد کی نسل سے تھا مگر اس کا حقیقی باپ کوئی نہ تھا، اس کے معجزات پر ضخیم کتابیں لکھی گئیں ہیں، اور دنیا میں آج کوں ہے جو یسوع مسیح یا عیسیٰ کے نام سے ناواقف ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نبی برحق کے مخالف اس کی اپنی قوم اور حکومت (رومی) بظن تھی، اور اس لئے اسے گرفتار کیا گیا، اور سردار کاہن کے حضور پیش کیا گیا۔

پہلے تصور اور دیدہ بصیرت سے یسوع کو جو موجودہ زمانہ میں خدا سمجھا جاتا ہے سردار کاہن کی عدالت میں حسب روایت مقدس یوحنا بندھے ہوئے کھڑا دیکھو، سردار کاہن کچھ پوچھتا ہے اور آنحضرت جواب دیتے ہیں۔ قریب ہی ایک پیادہ کھڑا ہے وہ آپ کے منہ پر ایک دھڑ بھرتا ہے اور کہتا ہے کہ سردار کاہن کے حضور اس طرح گستاخانہ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے، یسوع اس کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں کہ میں نے کیا بُرا کہا، اگر بُرا کہا تو ظاہر کرنا چاہئے اور اگر سچ کہا تو مجھے کیوں مارتا ہے؟

ہم یہ واقعہ لکھ رہے ہیں اور ہمارے دل سے دہواں اٹھ رہا ہے، آہ "اُس نازک دل پر عیسیٰ ٹیس لگی ہوئی جو پیادہ کو کہتا ہے کہ "تو مجھے کیوں مارتا ہے"، کیسی بے چارگی۔ کیسی بے بسی، کیسی بے کسی، اس ایک فقرہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، سردار کاہن کے سامنے لوگ منہ پھٹو کہتے ہیں اور چرت رسید کرتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ ہمیں ثبوت سے بتا کہ کس نے مارا، رسوائی اور بے عزتی کی حد ہو گئی، یہ رسوائی اس شخص کی ہو رہی ہے جو اپنی قوم کو بستی سے نکال کر معراج ترقی پر پہنچانا چاہتا تھا، آنحضرت سے پیشتر بھی انبیاء گذرے اور ذلیل و خوار ہوئے، جس کی صرف وجہ یہ تھی کہ ان کو دنیاوی غلبہ حاصل نہ تھا، اور کفر و شرک کے ماتھے میں حکومت تھی، اور حکومت کے ساتھ قدرت اور طاقت حاصل تھی، حضرت عیسیٰ نے اس رسوائی اور بے عزتی اور ناکامیابی کو محسوس کرتے ہوئے سچی پیشگوئی کی کہ جو کچھ تم میرے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہو اُس کی وجہ یہ ہے کہ میری بادشاہت اس جہان کی نہیں ہے، اور تم کو دنیاوی غلبہ حاصل ہے، لیکن وہ وقت آتا ہے جب ابن آدم

جادو جلال کے ساتھ مبعوث ہوگا۔ قدرت اور طاقت کے واسطے ہاتھ پر بیٹھا ہوگا۔ طاقت کے واسطے ہاتھ پر بیٹھنا اور بادلوں کے ساتھ آنا زبان کے محاورہ ہیں، سردانکا ہن تو کیا کوئی ابن آدم کو فادر مطلق کے واسطے ہاتھ پر بیٹھا ہوا نہیں دیکھ سکتا، دامن ہاتھ غلبہ کی علامت ہے، اس لئے اس فقرہ کے معنی ہیں کہ ابن آدم ایسی طاقت کے ساتھ آئے گا جو زبردست ہوگی اور غالب رہے گی۔ آسمان کے بادلوں سے مراد حجت الہی ہے اور جہ و جلال بھی ہے، جو ایسے زبردست طاقت کے ہمراہ لازمی امر ہے، یعنی تائید از دسی ابن آدم کو زبردست طاقت عنایت ہوگی جس کے بغیر آپ ذلیل و رسوا ہوئے اس میں شک کوئی کا تھا، انا زمانہ کر رہا تھا، اس دنیاوی غلبہ کے بغیر کسی نبی کی قانون قدرت کے مطابق کلیابی ناممکن تھی، حضرت عیسیٰؑ کو کامیاب پیغمبر حضرت موسیٰؑ کے حالات کا علم تھا، حضرت موسیٰؑ کو بھی فرعون کے دربار میں پیش ہونا پڑا، اور اس لئے قال موسیٰ ربنا انت ایت فرعون وادع زینۃ و اموالا فی الحیوة الدنیا ربنا یدعنا لہ و نلوا عن سبیلک، ربنا اطمس علی اموالہم و اشد د علی قلوبہم فلا یؤمنوا حتی یردنا الحد اب الالید، ایک ایسے ہی ابن آدم ایسے ہی مثیل موسیٰؑ کی اب بھی ضرورت تھی،

اس کے بعد موسیٰؑ عسیح پلاطوس رومی گورنر کی عدالت میں پیش ہوئے تو اس نے آپ

مبشر۔ توریت (استثنا) کی مشہور پیشین گوئی کی کہ اللہ تعالیٰ موسیٰؑ علیہ السلام کا مثیل بنی اسرائیل کے بنائوں بنی اسمعیل ہیں پیدا کرے گا حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام نے تصدیق کی "واذ قال عیسیٰ بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصلدا لما بین یدی من التوراة و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (دیکھو یوحنا باب ۱۵ و ۱۶)

ممانعت کے اور پہلو ہی ہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام نے جن الفاظ میں ممانعت کی ہے وہ انبیاء میں سے جو صاحب شہادت گزرے ہیں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے مطابق ہے +

سے پوچھا کہ ”کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟“ آنحضرت نے جواب دیا کہ ”تو یہ بات آپ سے کہتا ہی یا کسی اور نے یہ حق میں تجھے کہا ہے؟“ پلاطوس نے چیں بیدیں ہو کر کہا کہ ”کیا میں یہودی ہوں؟“ میری ہی قوم اور سردار کاہنوں نے تجھ کو میرے حوالے کیا، تو نے کیا کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ ”میری بادشاہت اس جہان کی نہیں ہے، اگر میری بادشاہت اس جہان کی ہوتی تو میرے نوکر لڑائی کرتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالہ دیکھا جاتا پر میری بادشاہت یہاں کی نہیں ہے۔“ پلاطوس نے پھر پوچھا کہ ”کیا تو بادشاہ ہے؟“ آنحضرت نے جواب دیا کہ ”تو کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں میں تو اسی واسطے پیدا ہوا اور اسی لئے دنیا میں آیا کہ حق پر گواہی دوں پس جو کوئی حق سے ہے میری آواز سنتا ہے۔“

ایام جاہلیت (Dumia) میں یہ عام دستور تھا کہ ملزم کو طعہ طرح کی تکلیفیں اور ذلتیں دے کر اقبال جرم کرایا جاتا، اس لئے پلاطوس نے آنحضرت کو کوڑے لگوائے اور اس کے بعد موت کا فتویٰ صادر کیا،

آنحضرت کو صلیب پر لٹکانے کیسے لے چلے، سر پر کانٹوں کا تاج تھا، کم بخت سنگدلوں کو دل لگی کیا جیتی ہو جھٹتا تھا، یہ واقعہ جو جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور یہ دل خراش داستان مقدس سوانح نگاروں نے خون کے حرفوں سے لکھی ہے،

”ہمیں یہ کہ یہ فقرہ یاد آتا ہے کہ“ اگر میں نے سچ کہا تو تو مجھے کیوں مارتا ہے۔“ یہ تو ایک پیادہ تھا اس ظالم پلاطوس کو دیکھو کہ بار بار کہتا ہے کہ آپ بے گناہ ہیں، مگر کوڑے لگواتا ہے، اور آخر فتویٰ موت صادر کرتا ہے، افسوس آنحضرت کی بادشاہت اس جہان کی نہ تھی، ورنہ آپ کے نوکر لڑائی کرتے اور آپ یہودیوں کے ہاتھ نہ پڑتے، گرفتار ہو کر پلاطوس کی عدالت میں پیش نہ ہوتے، اور صلیب پر نہ لٹکائے جاتے،

غور کرو کہ یہ زمانہ کیسا تھا، کہ سچ کو کوئی نہیں پوچھتا بے گناہی کی سزا موت ہے، کیوں وجہ یہ کہ ایک طرف زبردست طاقت ہے جس کا مقابلہ ہو نہیں سکتا، اس وقت سردار کاہن اور پلاطوس ہٹل مجسم ہیں، قدرت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے، اُن کی بادشاہت اُس جہان کی ہے اور دوسری طرف صداقت بے چارگی اور بے بسی کی زندہ مثال ہے، اُسکی

اُس کی بادشاہت اس جہان کی نہیں ہے حضرت مسیحؑ نے یہ سب کچھ دیکھا اور فرمایا کہ وہ وقت آتا ہے کہ ابن آدم قدرت کے واسطے ہاتھ پر بیٹھا دکھائی دے گا جب حق غالب آئے گا اور باطل اُس کے مقابل میں فنا ہو جائے گا، وہ وقت آپ کی پیش گوئی کے مطابق آیا۔
 قل رب ادخل صدق واخرج حق صدق واجعل لی من لدنک سلطانا
 نصیرا وقل جا الحق وذهق الباطل ان الباطل کان ذھوقا (۱۵-۹)

تائید از روی ست حکومت کی مدغلبہ حق کے لئے لازمی تھی، یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہئے کہ عتق
 حق تلوار کے زور سے ہوئی ”ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارضون لیکن
 اللہ ذو فضل علی العالمین (۳-۱) لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اشاعت حق کا سہارا
 تلوار نے صاف کر دیا جو تلواریں جو باطل کے قبضہ میں تھیں زبردست طاقت نے چھین
 لیں تاکہ پھر وہ دل ہلا دینے والا نظارہ جو سوار کاہن اور پلاطوس کی برے نام عدالت میں
 آنکھوں کے سامنے تھا نظر نہ آئے، وہ وسیلہ یعنی تلوار جس کی بدولت باطل حق پر غالب آتا
 رہا قطع کر دیا گیا۔ لیکن حق نے غلبہ حاصل کرنے کے لئے اُن وسائل سے بھی کام نہیں لیا
 حق کے پاس جبکہ باطل کا غلبہ نہ رہا، ایک زبردست حربہ تھا، اس کا استعمال ہمیشہ کیا گیا
 یہ حربہ برہان قاطع تھا جو لا اکراہ فی الدین کے ساتھ اب تک اپنا کام کر رہا ہے۔

مسیحؑ اسی لئے مبعوث ہوئے کہ صداقت پر گواہی دیں اور صداقت پر گواہی دینے
 رہے، پھر کیوں مار کھائی اور ذلیل و رسوا ہوئے اگر آپ سوار کاہن یا پلاطوس کی جگہ
 طاقت کے دلہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوتے، اور اُس کے ساتھ صداقت پر گواہی دیتے تو معالہ

لہ آیات ذیل پر غور کرنا چاہئے۔

(۱) ولولا ان یرحمنا انکذرت الناس حتی ینکونوا من المومنین (یونس)

(۲) فان اعرضوا فاعراضنا لعلکم حیظا ان علیات الابلاغ والتمیز

(۳) یحییٰ اعراضنا یولون وما انت علیہم بحیث فلا کر بالقرآن من یحییٰ اعراضنا

(۴) قل الحق من ربکم عن شاء فلیتو من ومن شاء فلیکفر (البکہ ض)

(۵) فاعبدوا ما شئتم من دونہ (الزمر)

(۶) ولولنا اللہ ما اشرکوا وما جعلنا ان علیہم حیظا ما انت علیہم یوکیل

(الانعام)

دگرگوں ہوتا، کُل امر مہون باءِ قاتلہا“ آیت قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق تومج کے اس فقرہ کے ہم معنی ہے ”کہ میں صدق کے لئے پیدا ہوا اور صدق کے لئے دنیا میں آیا، اور آیت کے دوسرے جزو کا مفہوم ”والجعل لی من لدنک سلطناً نصیراً“ ابن آدم کا بروست طاقت اور رحمت الہی کی تائید کے ساتھ آتا ہے، اور آیت جالہق و زہق الباطل ان الباطل کان ذہوقاً“ ایک لازمی نتیجہ ہے جس کے متعلق مسیح نے پیش گوئی کی تھی،

ہجرت

ہجرت سنت انبیا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے ”اور کلدانیان“ سے ہجرت کی اور کنعان میں رہائش اختیار کی، حضرت موسیٰؑ مصر سے ہجرت کی اور اول بیٹن میں بعد ثہ توریت میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”تو دین کے کاہن کی بیٹیوں کی مدد کی اور ایک کنوین ان کے لئے کوہانی پلايا۔ وہ اپنے باپے عواش کے پاس آئیں۔ (خروج ۲-۲۱) ایک مقام پر حضرت موسیٰؑ کے سر کا نام ”عواش“ لکھا ہے جو ”مدین“ کا کما حقہ معنی ہے، ایک اور مقام پر حضرت موسیٰؑ کے سر کا نام جو اب ابن عواش دیا گیا ہے (تفسیر ۱۰-۱۱) توریت میں آنحضرتؐ کے سر کے تین نام رسول اور عواش ابن عواش اور ”عواش“ لکھے ہیں۔ قرآن شریف میں حضرت موسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی ہجرت کا تذکرہ ہے۔ ولما توجهت تلقاء مدین مدین جیسا کہ توریت میں مذکور ہے، ارض حجاز کے اُس حصہ کا نام تھا جو بحر فہم کے شمال مشرق میں واقع ہے اور اس حصہ میں ”مدینہ“ جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد رہائش اختیار کی واقع ہے۔ مدینہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اصل میں مدینہ النبی یا مدینۃ الرسول ہے، کثرت استعمال سے ”مدینہ“ ہی مشہور ہوا۔ اور یہ کہ اصل میں اس جگہ کا پرانا نام ”یثرب“ ہے۔ یا قوت حموی مجمع البلدان میں ”یثرب“ کی وجہ یہ اس طرح لکھا ہے:-

اسم للناحية التي منها المدينة وقيل للناحية منعا وقيل هي (مدینۃ النبی) سمیت باول من سکا الناحیة ولید سام بن نوح وقيل باسم رجل من العمالقۃ وقيل هو اسم ارضها۔ ہوا ہے اُن کے نام سے جو اس میں پہلے سام بن نوح کی نسل سے آیا۔ تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک شخص کے نام سے موسوم ہوا ہے جو عمالقہ سے تھا اور کہا گیا ہے کہ یہ نام اس سرزمین کا ہے۔

علامہ ابن خلدون بھی ”یثرب“ ایک شخص کا نام قرار دیتے ہیں۔ ”عمالقہ“ سے تھا۔ اسی نے اس جگہ رہائش اختیار کر لی اور اس کے نام پر یہ شہر مشہور ہوا۔

ازاں اپنی قوم کے ساتھ جزیرہ مناسینا میں رہے۔ ہجرت کی وجہ یہ ہے کہ بقول حضرت عیسیٰؑ "نبی کہیں بے عزت نہیں لیکن اپنے وطن میں" جو کچھ سلوک اہل وطن نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ سوار کھا وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ جب تک لوگوں نے ابن آدم کو جلال کے ساتھ اتارا جو انہ دیکھ لیا دشمنی سے باز نہ آئے۔

حضرت عیسیٰؑ کا باپ نہ تھا، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نہ تھے آنحضرتؐ یتیم تھے جب حکم الہی لوگوں کو دعوت اسلام دی تو دیکھا کہ ہر ایک شخص بلکہ اپنے اقربا مخالفت پر کمر بستہ ہیں یہ تو نا ممکن تھا کہ صداقت جس کی شہادت آنحضرت علی الاعلان دے سہے تھے دلوں پر اثر نہ کرے۔ اس لئے سب سے پہلے آپ کی بیوی خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ اور بعد ازاں ابو بکرؓ وزید بن حارثہ و بلال بن رباحؓ نے اسلام قبول کیا اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد کے ساتھ مخالفین کی عداوت بھی بڑھتی گئی۔ ان میں سے ابو بکرؓ صاحب اثر تھے اور قریش آپ کے حسن سلوک کے متوجہ تھے اس لئے مختلف قبائل کے ایک ایک دو دو آدمی آپ کے ذریعہ سے ایمان لائے ان میں سے عثمان بن عفان اور طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن عوف و

بقیہ حلیہ صفحہ ۳۲۔ اہل عرب کی خصال کی خصوصیت میں داخل ہے کہ وہ ناموں کا تکرار تبدیل پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ہزار سال کے نام موجود ہیں۔ لیکن روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے "یثرب" کا نام بدل کر "طیبہ" اور "طابہ" رکھا کیونکہ کلام العرب میں "یثرب" کا معنوم فساد سے جس کو آنحضرتؐ پسند نہ فرماتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ "یثرب" مدینہ کا نہایت ہی پرانا نام ہے، اور اگر علامہ ابن عساکر کی تحقیق صحیح ہے کہ یہ شہر یثرب بن قاضی بن عیسیٰ بن بلال بن حوص بن علی بن کاسا یا ہوا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ہی نام تھا۔ اور توریت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل آنحضرتؐ کے زمانہ میں عمالہ کے ساتھ عہدہ تک لڑتے رہے +

نیز عربی ابجد کا دوسرا حرف "س" (ح) اور دو دوں حروف با اور واہ کی علامت ہے، اور یہ لفظ "یثرب" لفظ "یثرب" دو نوں طس پر چھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہیں معلوم ہے کہ "یثرب" پرانا نام مدینہ کا ہے، اس لئے توریت کا "یثرب" "ہی" "یثرب" ہے جو اب مدینہ ہے اور یہ نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شہر کا نہیں۔ بلکہ سسرال کا ہے، اور قاتلہا جو باب ابن ریحیل مسیح نام سسر کہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مماثلت حیرت انگیز ہے +

زیر بن العوام بھی تھے اور پانچویں عشرہ مبشر میں سے ہیں،
مخالفین کا اس قدر خوف تھا کہ یہ چھوٹی سی جماعت جنگلوں اور پہاڑوں میں
اللہ تعالیٰ کی عبادت چٹکے چٹکے کرتے، اس پر بھی جہاں جہاں مخالفین غریب مسلمانوں
کو پاتے تھے ان سے مارے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے، جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ
اسلامیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور مخالفت ان کی تباہی پر آمادہ ہوئی تو اور فکر لاقی ہوا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات ہم اس سلسلہ کی تیسری جلد میں لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ،
حق بن عبد اللہ بن عثمان بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ آنجناب کی کینت ابو عمرؓ پر فرشتی تھی جس حضرت صدیق اکبر
کی توفیق سے اسلام قبول کیا، جب آنجناب مسلمان ہوئے تو آپ کے بھائی نے آپ کو ایسے وقت میں جبکہ آپ مدینہ
اکبرہ کے ساتھ نماز میں مشغول تھے پکڑا، اور مدینہ اکبرہ کے ساتھ ایک ہی تھی سے باندھا، غرض یہ تھی کہ نماز چھوڑ دیں
اور دین ترک کر دیں، اس لئے حضرت طلحہؓ کو ”قرنین“ کہتے تھے،

لیکن وہ ہی القاب جو خود آنحضرتؐ نے عطا فرمایا زیادہ مشہور ہے، چنانچہ ”احد“ کے دن آپ کو طلحۃ الجوادؓ فرمایا۔
حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ بعد از رسول کریمؐ سے طلحہؓ سے نیز جی کا کام لیا، اور آپ کی پشت پر پاؤں
رکھ کر بہاری پوچھے، اللہ فرمایا کہ طلحہؓ نے جنت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، حضرت علیؓ مد سے روایت ہے کہ فرمایا
کہ میں نے اپنے دو کانوں سے رسول کریمؐ کو قراتے سنا ہے طلحہؓ زبیرؓ میں سے ہر سے ہمایا ہوں گے
حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہید کو چلتا ہوا دیکھنے کی خواہش رکھتا
وہ طلحہ بن عبد اللہؓ کو دیکھے گا۔

خود حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی کے استفسار پر رسول کریمؐ نے آپ کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ
قتنی خجہ بر ہے ایسی جب ارشاد تو لے فہم من تخی فہمہ آپ اپنی نذر سے جو اللہ سے کر چکے تھے پوری کر چکا
انحصار حضرت طلحہؓ عشرہ مبشر میں سے ایک ہیں، اور اصحاب ہدیٰ یعنی ان چند لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو حضرت
عمرؓ نے اپنے بعد سختی خلافت سنبھالا،

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے درمیان رسول خداؐ نے ہجرت سے پیشتر مکہ میں موافقات کرادی تھیں۔ اس لئے ان
کو دونوں مصالحت میں مبتلا کمال مدد کی تھی۔ چنانچہ ہر ایک کام میں وہ ایک دوسرے کے دست و بازو نظر آتے ہیں۔
جو کچھ کے بعد مدینہ میں رسول کریمؐ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت ابوجاہؓ کے مصلحتی میں موافقات کرادی تھیں،
وہ اب اسے ہم تک پہنچی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ مد کے مخالفین میں سے طلحہؓ حضرت علیؓ بھی اس
مخالفت کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہے جو مایوس اسلام میں خون کے دروں میں لگی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت طلحہؓ نے اس مخالفت میں غیر معمولی حصہ لیا لیکن جب وہ عیوب جس کی انہیں امید تھی نمودار ہوئی تو آپ کو سخت
صدمہ ہوا۔ اپنی حکمت کا نشانہ آپ کو کھڑے تھے، اور مخالفت میں وہاں تک کہ قتل کی دھمکیاں ملنے لگیں، اس کا بدلہ ملنے لے

اس وقت تک قریش کے مختلف خاندانوں میں سے ایک ایک دو شخص اسلام قبول کر چکے تھے، اور اگر ان میں سے کوئی کسی مخالف کے ہاتھ سے مارا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ عرب میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھتی، کوئی عربی خاندان کسی حالت میں اپنے آدمی کو

بقیہ صفحہ ۳۴۔ جب حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے بات کسی کو یہ لوگ میرے اس حق کو طلب کرتے ہیں جس کو وہ خود چھوڑ چکے ہیں، اپنے حق (خلافت) اور اس خون کا قصاص اس سے مانگتے ہیں جس کو انہوں نے خود گریا، اگرچہ عثمان پورا حق کرنے میں ہیں مگر ان کے شریک تھا مگر قتل عثمان کا گناہ خود ان ہی لوگوں پر ہے۔
”جنگ جمل میں طلحہؓ نے یہ تقریر کر رہے تھے“

مذلة ندامة الکسعی لما شرب من خمر بنی جرم برخی
دیں دیسای نام ہوا جیسا کہ کسی جیکہ بیے قبیلہ بنی جرم (یعنی مخالفین عثمان) کے خوش رکھنے کی تدبیر کی کسی کی مذمت عرب میں ضرب البشلی تھی لاس نے ایک دخت جس سے تیرے بنائے جاتے ہیں پرورش کیا تھا۔ اور جب یہ دخت اس قابل ہو گیا تو اس نے تیرا درگاہ بنائی۔ انہری رات میں ایک شکار پر تیرے بھائی اور خیال یہ کیا کہ شکار شکار کچ کر محل میں حصہ میں لگنا تو ڈالی۔ صبح دیکھا کہ شکار ہرا پر ہے۔ اس نے بہت پشیمان ہوا۔ حضرت طلحہؓ اس مذمت کا انکار کرتے ہیں جو مخالفین عثمان کے باعث آپ کو بھولی۔ انہوں نے کرتے ہیں کہ میں نے کون مخالفین کا ساتھ دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عمرؓ کا زاریں مروان بن الحکم نے ایک تبر کا آپ کو نشانہ بنایا جو آپ کے گلے میں لگا۔ چنانچہ مروان نے فرزند عثمانؓ سے فخر کیا کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا کام تمام کر دیا۔

جب حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ طلحہؓ میدان کا زاریں خاک و خون میں غلطیاں ہے تو فورا موقع پر پہنچے۔ آپ کے چہرے سے مٹی پونچھنے لگے اور فرمایا اے ابو محمد یہ بات مجھ پر بہت شاق ہے کہ میں مجھ کو آسمان کے تاروں کے نیچے خاک آلودہ دیکھوں۔ پھر طلحہؓ کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور سونے لگے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے امید ہے کہ ہم اور طلحہؓ اور عثمانؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ کثرت نازل فرمائی۔ و نزعنا ما فی صدورہم من غل اخوانا علی سرور متقابلین (ہم ان کے دل سے تمام کینے نکال دیں گے وہ ایک دوسرے کے سامنے بھائی بھائی بن کے تنہا برپائیں گے)۔ حدیث طلحہؓ کا رنگ گندمی تھا۔ بہت خوبصورت تھے۔ سر میں بال بہت تھے۔ میا زاد تھے سیدنا و شائے جوڑے تھے؛ ساتھ سال سے کچھ عرصہ گزر گئی تھی جب میدان جمل میں کام آئے“

حضرت سعد بن مالک (ابی وقاص) بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قریشی نہری ہیں۔ کنیت ابو لخی ہے۔ والدہ حمزہ بنت سفیان بن امیہ بنت عبد شمس سے بی بی جابرہ سے۔ روایت ہے کہ ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں۔ سعد بن ابی وقاص سامنے سے آئے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا ”یہ میرے ماںوں ہیں کوئی شخص ایسا ہماروں کے

دشمن کے ہاتھ میں نہیں چکے سکتا تھا، اور اگر کوئی شخص مارا جاتا تو اس کا خاندان خن کا بدلہ لینے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا اور اس طرح دو خاندان اور ان کے حلقاء کے درمیان عرصہ تک تلوار چلتی۔

بقیہ صفحہ ۳۵ دکھائے تو میں جانوں، ماموں اس وجہ سے فرمایا کہ سید قبیلہ نہرہ سے ہیں اور رسول بنیاد کی والدہ آمنہ بھی اسی قبیلہ سے تھی، اور سعد آپ کی والدہ کے چچا کے ایک سے عرب میں اُن کی طرف الون کی ماموں تھیں حضرت سعد بن عمرو عشرہ مبشرہ اور اصحاب ثنوی میں سے ایک ہیں، حضرت سعد بن سابعین اولین میں سے ہیں اور غالباً پانچویں بزرگ ہیں جو زید بن عارضہ و ابو بکرؓ و حضرت علیؓ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے سراس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز فرض چوتھے سے پیشتر مسلمان ہوا تھا۔

یہ فیصلت سید بن ابی وقاصؓ کی ذات سے خاص ہے کہ رسول کریمؐ کی بعثت میں پہلا اثر جو مسلمانوں کی طرف سے کفار پر چھینکا گیا، وہ سعدؓ کے پرزور ماموں سے نکلا۔ چنانچہ بروز احدؓ رسول کریمؐ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”زور مند لوگ کے میرے اُن باپ چچہ پر خدا ہوں“ ”یر چلا“۔ بقول حضرت علیؓ عمر رسول کریمؐ کو آپ سے پہلی دفعہ اس طرح کہنے لگا کہ ”خدا کی الی وافی“

حضرت سعدؓ ہی نے قحط سیدہ کے یسدان میں کسری فارس کی عظیم الشان سلطنت کو خاک میں ملا دیا، اور آپ ہی کے ہاتھوں سے کونہ کی بنیاد پڑی، اور خلافت فاروقؓ عظمیٰ میں عراق کے والی مقرر ہوئے جب بنو اسد نے ان کے برخلاف شکاکت کی تو فاروقؓ دن سے سعدؓ کو معزول کر دیا، لیکن وصیت فرمائی کہ میں نے سعدؓ کو نالافتی اور خیانت کے باعث معزول نہیں کیا۔ اگر میرے بعد وہ خلیفہ منتخب ہو تو بہتر دن جو شخص خلیفہ ہو سعدؓ کو عامل مقرر کرے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو کونہ کا والی مقرر کیا، مگر پھر معزول کر دیا،

جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے اور فتنہ عظیم برپا ہوا تو سعدؓ اُن لوگوں سے تھے جو اُس وقت کسی فریق کے طرفدار نہ تھے۔ حضرت علیؓ دن اور امیر معاویہؓ نے بہت کہا کہ جہاں ساتھ دو مگر صاف انکار کر دیا،

سعدؓ کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی، جب والدہ کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو کہا کہ میں چھوڑ دے ورنہ میں کہا نا بیٹا چھوڑ دوں گی اور میری جانوں گی، اور لوگ بچے لعنہ دیں گے، چنانچہ ایک دن رات کھانا نہیں کھایا اور سخت تکلیف اٹھائی، سوسڑنے لگا کہ امان جان اگر گھڑی ہزار جاہیں ہوتیں، ایک ایک کر کے کل جاتیں تو یہی میں اس دین کو کسی وجہ سے نہیں چھوڑتا، ”مفسرین کی یہ رائے ہے کہ آیہ وَاِنْ جَاهِدَاكَ عَالِيَا فَاَنْتَ لَفِي الْوَسْطَىٰ اِنْ تَوَلَّيْتَا فَاِنَّكَ لَفِي السَّرْحَىٰ“ کے تحت ہے، اگر نہرہ سے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے تو تو اُن کا کسانہ ماننا،

مجاہدین میں سے سعدؓ کا انتقال سب سے آخر میں شہید ہوا، اُس کے بعد جو ہے، سعدؓ کا بیک گمدمی تھا۔ وہ اذیت اور طاقت و راند رکھتے تھے، مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر مقام عین آب کا انتقال ہوا، اُن سے مدینہ میں لئے گئے اور میں حسب وصیت اُس پر اپنے قبیلہ میں رکھ کر دفن ہوئے

ایک روز آنحضرتؐ کوہ صفا کی طرف جا رہے تھے کہ ابو جہل عمر بن ہشام دو چار ہوا، اور سخت نامناسب اور ناشائستہ کلمات کہے، رسول کریمؐ کی خاموشی نے اسکی زبان اور دراز کردی، گالیاں دینے لگا، عالی حوصلہ نبیؐ نے اس یاوہ گو، دریدہ دہن کی

بقیہ جو ہر کے بعد آپؐ نے پٹنا ہوا تھا

عبدالرحمن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ اقرشی زہری ہیں کینت ابو محمد ہے، واقعہ میل سے دس برس بعد پیدا ہوئے۔ ایام جاہلیت میں آپؐ کا نام عبد الملک تھا آنحضرتؐ نے بدل کر عبد الرحمن رکھا، آپؐ اُن آٹھ بزرگوں میں سے ہیں جو سب سے پیشتر رسولؐ کی مہم کی رسالت پر ایمان لائے اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، آپؐ نے حبش اور مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، غزوہ بدر اور احد اور مقام خندق میں رسول کریمؐ کے ساتھ شریک رہے، آنحضرتؐ نے آپؐ کو دوحۃ الجملہ میں کلب کی طرف بھیجا اور دست مبارک سے اُن کے سر پر غلام باندھا اور فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ تمہیں فتح دے تو وہاں کے امیر کی لڑائی سے بچ کر لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپؐ نے وہاں کے امیر کی لڑائی حاضر سے ٹھک کر لیا جس کے بطن سے بوسلہ پیدا ہوئے، آپؐ اصحاب بدر میں سے ایک ہیں، جب اصحاب شوریٰ جمع ہوئے، تو آپؐ ہی کے انتخاب پر خلافت کا فیصلہ ٹھہرا۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ ایک دفعہ رسول خداؐ نے آپؐ کے پیچھے سفر میں نماز پڑھی، آپؐ بہت دو قلم تھے، اور اپنی دولت بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے

ایک دفعہ ام المؤمنینؓ ہام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے ماں میں ڈرتا ہوں کہ مجھے میرے مال کی کثرت ہلک کر دے، ام المؤمنینؓ نے فرمایا، بیٹا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے

ایک دفعہ آپؐ روزہ سے تھے اور آپؐ کے اہل میں کھانا تھا، مصعبؓ بن عمیر کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجھ سے بہتر ہے، جب اُن کو اُن کی چادر کا کفن دیا گیا، تو وہ چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھکا جاتا تھا تو پیر کھل جاتے تھے، اور اگر پیر ڈھکا جاتا تھا، تو سر کھل جاتا تھا، اور اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا کہ وہ مجھ سے بہتر تھے، پھر اُن ایام میں شہداء کے لئے کفن بھی میسر نہ آتا تھا، اس کے بعد دنیا ہمارے لئے کشادہ کر دی گئی، ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا ابرو دنیا ہی میں مل گیا۔ پھر اتنا روئے کہ ہاتھ سے کھانا گر پڑا

آپؐ کا رنگ سرخ و سفید تھا، خوبصورت۔ تہ کہ اجسم تھا، بڑی بڑی آنکھیں، ٹیکوں کے بال گئے اور بڑے تھے، سر کے بال شانوں پر پھٹتے تھے، سستہ میں ہتھام مدینہ پہنچتے ہوئے سر کی عمر میں انتقال فرمایا، حضرت علیؓ فرمود بن ابی وقاص شہر یک جنازہ تھے،

آپؐ بڑے پارسا اور عریان، نواز تھے، آپؐ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا مگر یہ اتباع سنت زہری ایک ہی قسم کے کھانے پر اکتفا کرتے تھے، آپؐ تلاوت کا کام اللہ شریف کے بڑے ست کرتے تھے، چنانچہ آپؐ اکثر سورہ بروج بان یاوتیں۔ ضرب الامثال کے طور پر بھی آپؐ اکثر آیات قرآنی استعمال کیا کرتے تھے

کسی بات کا کچھ جواب نہ دیا اور سکوت اختیار کیا، اس پر ابوہریرہؓ جھلا اٹھا، اور ایک چٹا ٹھٹھا کر مارا۔ آنحضرتؐ کے سرمبارک سے خون بہنے لگا، اب ابوہریرہؓ کے بھی حواس باختہ ہو گئے۔ اسے مٹا خیال پیدا ہوا کہ ہوا شتم سے زندہ نہ چھوڑیں گے، آنحضرتؐ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس طرح دھول دھپتے تک نوبت پہنچی تو صلاح جو آنحضرتؐ کے تہ نظری فساد کی صورت میں تبدیل ہو جائیگی اس لئے صبر کیا اور پچھلے گھر کی طرف چلے گئے۔

حضرت حمزہؓ نے جو اس وقت بحالت کھڑے تھے حادثہ ہر روز شکار کے لئے باہر جایا کرتے اور گھر کی طرف لوٹنے سے پیشتر کعبہ کا طواف کرتے، اور پھر قریش کی مجلس میں آئے، آج شکار سے واپس آئے تھے کہ عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کی ایک لونڈی آپ سے دو چار ہوئی اور کہا کہ ”اے ابوعمارہ کاش تم اس مصیبت کو دیکھتے جو تمہارے بھتیجےؓ کو ابھی ابھی ابوالحکم (ابوہریرہؓ) کے ہاتھ سے پہنچی ہے۔ بعد اس کے تمہارے بھتیجے کو گالیاں دیں اور مارا، اور محمدؐ نے اسے کچھ نہیں کہا، حضرت حمزہؓ علیلش میں کعبہ کا طواف بھی بھول گئے، پھر قریش کی مجلس میں ابوہریرہؓ کی تلاش میں آئے، دیکھا کہ لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہیں کر رہا ہے، آپ کے ہاتھ میں اس وقت کمان تھی، اس زور سے ابوہریرہؓ کے سرمبارکی کھون بہنے لگا، اور کہا کہ سخت تو ہمیشہ محمدؐ کو سخت و ست کلمات سنایا کرتا ہے، جانتا نہیں کہ میں اس کا چچا ہوں، بھتیجےؓ کو ابوہریرہؓ کی حمایت کے لئے اٹھے، لیکن ابوہریرہؓ نے خود انہیں روک دیا اور کہا ابتدا میری طرف سے ہوئی ہے، اور میں نے اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دیں، اس کے بعد حمزہؓ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا کہ میرے بھتیجےؓ خوش ہو کہ آج میں نے تمہارے دشمن ابوہریرہؓ کو ابھی ابھی نہایت ذلیل کیا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا ”اے چچا میں تو اس وقت خوش ہو لگا جب آپؐ میں سلام قبول کر لیتے“ حضرت حمزہؓ نے کہا کہ ”میں نے دین اسلام قبول کیا، اور جب تک زندہ ہوں اسی دین پر رہوں گا“ +

آنحضرتؐ نہ صرف رسول کریمؐ کو بلکہ مخالفین کو بھی خانہ جنگی کے ساتھ پہ نظمی اور نظم کے ساتھ تباہی قوم کا خیال تھا، نہ تو رسول کریمؐ علی الاعلان دعوت اسلام سے باز رہ سکتے تھے اور نہ مخالفت کم ہو سکتی تھی، بلکہ غزنیری یقینی امر تھا، آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جوش کی طرف ہجرت کی ہدایت فرمائی، اپنا سچا دشمن بن عثمان بن عفان امدان کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہؐ کو

ابو حذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہیلہؓ اور زبیر بن العوامؓ اور مصعب بن عمیرؓ اور ابی بنیرؓ
 بن ابیہام اور سہیل بن بیضا اور عبد اللہ بن مسعود اور عامر بن ربیع غزری اور ان کی بیوی
 بنت ابی فیثمہ گیارہ زن و مرد جیشہ کی جانب ہجرت کر گئے انہما الفین نے تقاب کیا مگر ناکام ہے،
 اس کے بعد مسلمان یکے بعد دیگرے جیشہ کی طرف ہجرت کرتے رہے جن میں سے
 ایک جعفر بن ابی طالب بھی تھے، جیشہ میں مہاجرین کی تعداد رفتہ رفتہ تین سو تک پہنچی،
 جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں ترقی ہو رہی ہے، اور آج عہدہ اور کل عہدہ
 اس میں داخل ہو رہے ہیں تو کل قبائل عرب کے سر پر آوردہ اسکان جو اس وقت کہ اندلس کے
 قریب درجوار میں تھے ایک جگہ جمع ہوئے اور آپس میں مسلمانوں کی بیخ کنی کا عہدہ باندھا، ان
 میں تھوڈا شتم اور بنو مطلب بھی تھے، مدعا یہ تھا کہ کوئی قبیلہ دعویٰ دار نہ ہو، لیکن اس وقت تک
 آپ کے چچا ابوطالب زندہ تھے، اور کعبہ کے متولی اور آنحضرتؐ کے سر پرست تھے، اس لئے
 اکثر بنو شتم علانیہ اس سازش میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، اور بعض آنحضرتؐ کی حمایت دل سے
 کرتے تھے، لیکن اب تو ابوطالب کا سایہ ہی سر سے اٹھ گیا اس لئے آنحضرتؐ کی سازش کرنے لگے
 آنحضرتؐ قریش کی طرف سے کسی قدر مایوس ہو رہے تھے، لیکن دعوت
 اسلام کر رہے تھے، اب آنحضرتؐ کی توجہ زیادہ تر ان لوگوں کی طرف تھی جو باہر سے مکہ
 میں بفرش حج یا تجارت آتے، آنحضرتؐ ان لوگوں کے پاس جاتے اور انکو قرآن
 سناتے اور دعوت اسلام دیتے، اور ہر مخالفین ان لوگوں میں آنحضرتؐ کی نسبت
 طعہ کی خود ساختہ روایتیں شائع کر کے یہ شخص ساحر اور مجنون اور کاہن ہے،
 باہمی شکمش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ میں تو ہر ایک جگہ ہر ایک گھر اور ہر ایک مجلس میں
 آنحضرتؐ کا ذکر ہوتا تھا، لوگوں کو اچھا شغلہ ہاتھ آیا تھا، لیکن مکہ کے باہر بھی آنحضرتؐ
 کی شہرت پھیل رہی تھی، اور لوگ خود بخود کسی نہ کسی وجہ سے کھینچے چلے آتے تھے۔
 ہجرت کی مفصل تاریخ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بھول کریم کے حالات میں لکھیں گے جس سے
 واضح ہو جائے گا، کہ مسلمانوں کو کس قدر سخت مصائب برداشت کرنی پڑیں۔ اور
 بالخصوص آنحضرتؐ پر تو مصیبتوں کا ہمارا ٹوٹ پڑا تھا، مگر آپ کے استقلال کے قدم

مخالفین دوسرے روز نقش قدم پر آئے اور جبل توڑ تک پہنچ گئے، معلوم ہوتا ہے کہ سنگلاخ زمین پر نقش قدم مخالفین کی رہبری نہیں کر سکتے تھے مگر ان کو یقین ہو گیا کہ رسول کریمؐ اور ابو بکرؓ کیسی اسی پہاڑی میں روپوش ہیں اس لئے وہ ادھر ادھر تلاش میں منتشر ہو گئے، اور بعض اُس غارتگ آگئے جہاں آنحضرتؐ اور آنحضرتؐ کے بار غار پوشیدہ تھے، ابو بکرؓ نے دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر نزدیک آگئے ہیں کہ غار کے منہ پر کھڑے ہیں، اور اگر جھجک کر غایں جھانکیں تو منہ پر ہمیں بھانپ لیں گے، اس لئے ابو بکرؓ کو رسول کریمؐ کے متعلق یہ غم لاحق ہوا کہ کفار اب آنحضرتؐ پر قابو پالیں گے، رسول کریمؐ نے فرمایا ”لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ حضرت موسیٰؑ کو بھی بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ بصرفہ اللہ اذ اخرجہ الدین کفر واثانی اثین اذ هما فی الخاوالا۔۔۔۔۔ ہوتا ہے کہ کفار جلا وطنی پر ہی متفق تھے،

آیات و محاورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے جس کی تائید واقعات سے ہوتی ہے کہ اگرچہ کفار مختلف المذہب تھے لیکن آنحضرتؐ کا قتل کہہ آسان کام نہ تھا، یعنی کہ میں قتل کر سکتے تھے، اس لئے اخراج پر متفق ہو گئے۔ لیکن قتل کی سازش ہی درپردہ بخت ہو چکی تھی، اور تہہ بہ تہہ کی کہ جب آنحضرتؐ کی چوڑیں تو چپکے چپکے گمانہ بہ گمانہ لے آئیں اور دستہ میں قتل کئے جائیں، اگر اس سازش کا حال مکمل کیا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ منہ المطلب کو خوں بہا دیا جائے گا، اس سازش کا حال آنحضرتؐ نے برہنہ کر دیا، اس لئے آنحضرتؐ کی وفات کے وقت صدیق اکبرؓ کے ہمراہ گھر سے نکلے اور چونکہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ جب تک قریش یہ سمجھتے رہیں گے کہ آنحضرتؐ ابھی گم ہیں یا ہر تلاش میں نہ نکلیں گے، اور اس طرح عفو و تلذذ پر پہنچنے کا موقع مل جائے گا، اس لئے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ کج شب تم میرے بستر پر رہو گے، قریش مجھ کو تلاش نہ کریں گے، چنانچہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، اور صبح کے وقت جب معلوم ہوا کہ جس کو آنحضرتؐ نے سمجھنے تھے وہ علیؓ رضی اللہ عنہ ہے تو تعاقب میں نکلے۔

۱۔ اگرچہ احادیث سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ صدیق اکبرؓ پر غم محض رسول کریمؐ کے لئے تھا، مگر یہاں اسے میں قرآن شریف کی یہی آیت ”لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ ہی کافی ہے، لفظ ”تَحْزَنْ“ قرآن شریف میں حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے۔

۱۱۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِ“ (۱۴۲ - ۱۶۱) ”اور دین کی طرف سے اُمی بے پروائی دیکھ کر غم نہ کرو“

۱۲۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِ“ (۱۴۲ - ۱۶۱) ”اور (مخالفوں) کے حال پر غم نہ کرنا“

۱۳۔ فِرْعَوْنُكَ إِلَىٰ انَّا كُنَّا نَقْرَعُ فِيهَا وَلَا تَحْزَنْ“ (۱۶۱ - ۱۶۲) ہم نے تم کو بہت تباہی مانا، اس کے پاس

پہنچا یا تاکہ ان کی آنکھیں ششدر نہ رہیں اور انتہاری جدائی کا بیج نہ کریں“

۱۴۔ ”وَلَا تَحْزَنْ وَلَا تَحْزَنْ“ (۱۶۲ - ۱۶۳) ”پھر خوف نہ کرنا بیچ کرنا ہم انکو بہت تباہی مانا“

یہی واقعہ پیش آیا تھا جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ لشکر فرعون نے انہیں آیا تو قال اصحاب موسیٰ انا لمدد کون قال کلّا ان عسیٰ لی سجدین (۱۹-۲۰) فرق صرف اتنا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور کہا کہ اب ہرے لگے، اور یار غار کو اپنا تو نہیں بلکہ رسول کریم کا غم تھا، رسول کریم کا صاحب اصحاب موسیٰ سے بڑھ کر عالی حوصلہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے معیت رب صرف اپنی ذات کے ساتھ، لیکن رسول کریم نے ہمیت الہی اپنے اور اپنے یار غار دونوں کے ساتھ ظاہر فرمائی، حضرت موسیٰ نے اپنی ذات کو اپنے رب پر مگر رسول کریم نے اللہ کو مقدم رکھا، لفظ "رب" اور "اللہ" کے مفہوم میں جو کچھ فرق ہے وہی دونوں پیمبروں کے درجات میں ہے اور جس طرح اللہ جامع جمیع اسماء ہے، اسی طرح رسول کریم تمام رسولوں کے برابر اور بہتر تھے اور اسی طرح رسول کریم کے صاحب تمام بنی اسرائیل کے برابر اور بہتر تھے،

(بقیہ صفحہ ۴۱) خداوند تعالیٰ اس کی تقریر عینہا ولا تحزن (۲۰-۲۱) غرض موسیٰ کو ان کی والدہ پنچا یا تاک (دزدہ کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹپکنی ہوں اور کسی طرح) آرمہ خاطر نہ ہوں، من آیات سے واضح ہوتا ہے کہ "حزن" محض غیر کے واسطے ہوتا ہے، اور یہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا خلق ہے اور اس میں محبت بلکہ عشق کی دلیل ہے جو رسول کریم کو اپنی امت کے ساتھ تھا جو والدہ کو اپنے بیٹے کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وزن انما وجہ کا غم ہے جو کسی عیب کی ہلاکت سے پیدا ہوتا ہے اور رسول کریم کو کفار و مشرکین کی ہلاکت کا غم تھا، حضرت موسیٰ کی والدہ کو اپنے بیٹے کی ہلاکت ختم تھا، اور حضرت لوط کو اپنے سمانوں کی ہلاکت کا غم تھا، اور اس کے ساتھ رسول کریم اور والدہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہود کو اپنی ذات کے متعلق کچھ نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا، اس لیے صحیح صدیق اکبر رحمہ اللہ حضرت نسبت کچھ فسکو، مگر ان کو نہ کفار نہ کفر کو ان کی ذات سے کچھ پر خاش دیتی، کئی دفعہ مکہ میں ہجرت سے پیشتر کفار و مشرکوں سے آنحضرت پر ہجوم کیا تو صدیق اکبر رحمہ اللہ درمیان میں آگئے اور کہا کہ کیا نہ کہتے تھے کہ مارنا چاہتے ہو جو لا اذ لا اللہ کہتا ہے،

جب رسول کریم نے اپنے اصحاب کو جہنم کی طرف ہجرت کی ہدایت فرمائی، اور اصحاب یہے بہر دیگر سے مکہ کو پھوڑ رہے تھے تو ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت وطن مکتہ سے نکلا، برک النقاد پھر ابن وغنہ "مل گیا یہ شخص اپنے قبیلہ کا رہ کا سردار تھا، دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے آپ نے جواب دیا کہ میری قوم میرے خون کا باعث ہوئی اب میرا ارادہ ہے کہ زمین پر سیر کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں" ابن وغنہ نے کہا کہ تیرے جیسا کہ تو وطن سے باہر نکلتا ہے اور نہ نکالا

اسی ایک روایت سے صدیق اکبرؓ کا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 اَلَا تَنْصَوْرُہٗ فَقَدْ نَصَرْنَا اللّٰہَ اِذَا خَرَجَہُ الدِّینُ کَعَدُوٍّ اِثْنِیْنِ اِذَا هُمَا فِی الْغَارِ
 اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا“ (۲-۱۱)

اور تم رسول اللہؐ کی نہ بھی مدد کرو تو (کچھ پرواہ کی بات نہیں) اللہ تعالیٰ اُسکا مددگار
 ہے۔ اسی نے اپنے رسولؐ کی اُس وقت بھی مدد کی تھی جب کافروں نے اُن کو
 (ایسا بے سرو سامان گھر سے نکال باہر کیا جب صرف دو آدمی) اور دو میں دوسرے
 پر پیغمبر اُس وقت یہ دونوں غار (ثور) میں تھے (اور اُس وقت (پیغمبر) اپنے
 ساتھی کو کہہ رہے تھے کہ کچھ غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) ۴

یہ کیسا نازک وقت تھا کہ رسول کریمؐ غار میں ہیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ
 صرف ایک آدمی ہے اور اُسے بھی یہ غم کھائے جاتا ہے کہ کافر سر پر موجود
 ہیں، لیکن اُس وقت جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اللہ تعالیٰ ہی
 کی نصرت سے بال بال نجات پائے گئے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ صدیق اکبرؓ کو بطور شاہد
 پیش کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہد ہو وہ صدیق اکبر ہی ہو سکتا ہے

(بقیہ صفحہ ۳۴) جاتا ہے، کیونکہ جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے، اور لوگوں کے بوجھ کا تحمل چوتا
 ہے جس کے بوجھ کو کوئی دوسرا اٹھانے میں سکتا، اور عیبوں کی حیثیت کرتا ہے اور حق کی حمایت کرتا ہے، اگر
 تجھے منظور ہو تو میں تجھے امان دیتا ہوں، اپنے شر کی طرف واپس جا، اور اپنے رب کی عبادت کو تیار کرنا چھوڑ
 اور بکرمہ ابن دغنے کے ہمراہ واپس آئے، اور قریش نے کہہ کر عرض نہ کیا کہ
 واقعات اور حالات سے سبھی کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کو آنحضرتؐ کا زیادہ تر فکر حق پر رہتا تھا، لیکن
 اس کے ساتھ تقاضائے بشریت کو نظر انداز کرنا ہوتا ہے کہ یہ مدح و تحسین، فی الحقیقت صدیق اکبرؓ کا حصہ
 پسند کر دیا تھا، اور صدیق اکبرؓ پر یہ کیا موقوف ہے ایسی حالت میں رسولوں پر بھی یاس طاری ہو جاتی ہے
 جیسا کہ آج سے ظاہر ہوتا ہے:-

(۱) اِذَا سَمِعْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْمَجْمَعَةَ دَلِّیْہَا تَکْمُرُ مِثْلَ الدِّیْنِ خُلُوْا مِنْ قَبْلِہُمْ مَّسْتَمِیْنِ الْہِمَامِ وَالْمُضْرَءِ
 وَتَزَلُّوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَدِّیْ نَصْرَ اللّٰہِ ۙ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ“ (۲-۱۱۰) ۴
 (۲) حَتّٰی اِذَا سَمِعْتُمُ الرَّسُوْلَ وَقُلُوْا اَلْحَمْدُ فَقَدْ کَانَ بِوَاٰجِہِہُمْ نَصْرُ اللّٰہِ (۱۳-۶) ۴

ایسی حالت میں جبکہ رسولوں کے ایمان سے زلزل ہو جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت کی نسبت یہ خیال
 ہو جاتا ہے کہ جو شہداء، صدیق اکبرؓ کو کُتُوبِ بَرِّہِ تَقَاذُرُ سے محبت خواہ کتنا ہی وصلہ شکن پرواہ یہ تقاضائے بشریت
 خواہ دلی گزری ہی چھوٹ گیا جائے اُس فیضیت کو کہ نہیں کرتا جو آنجناب کا حصہ ہے، البتہ رسول کریمؐ اس حالت میں

غار ثور میں رسول کریمؐ کی معیت نے صدیق اکبرؓ کو معیت اللہ کی سند
ذیہی اور نصرت الہی کا شاہد بنا دیا، یہ ایسی فضیلت تھی کہ حضرت عمرؓ کو اکثر کہا کرتے
کہ غار ثور میں ایک ہی رات کی معیت رسولؐ کے عوض ابو بکرؓ کو میں اپنے تمام عمر
کی کمائی دینے کے لئے تیار ہوں، صدیق اکبرؓ کا لقب ثانی الشہداء اذہما فی الفاء
مشہور ہو گیا، اور ”یار غار“ نے زبان پر قبضہ جالیا، *

آنحضرتؐ غار ثور میں تین راتیں رہے، صدیق اکبرؓ کا لڑکا عبداللہ اس وقت
جوان اور محاسن تھا، مکہ سے رات کے وقت کھانا لے کر آتا، اور تمام حالات سے
جودن کو معلوم ہوتے آگاہ کرتا، اور پچھلے پہر مکہ کو واپس جاتا، مخالفین کو معلوم ہوا
کہ ان کے حالات سے عبد اللہ آنحضرتؐ کو آگاہ کر رہا ہے، عامر بن نفیرہ حضرت
ابو بکرؓ کا غلام صدیق اکبرؓ کی بکریاں دوسرے چرواہوں کے ساتھ اُسی جگہ کے قریب
چراتا، رات کو تازہ دودھ بہم پہنچاتا، المختصر رسول کریمؐ اور آنحضرتؐ کا یار غار تین دن
کے بعد غار ثور سے نکلے اور بغیر کسی حادثہ کے مدینہ منورہ میں پہنچ گئے، *

غزوات

”ہجرت“ تاریخ اسلام میں ایک ایسا واقعہ ہے جس کی عظمت کو بلحاظ نتائج
کوئی اور واقعہ پیشکش نہیں کر سکتا ہے، اگر اس پر ہر ایک اخلاقی، تمدنی، اقتصادی،
سیاسی ہمارے بحث کی جائے تو ذکر درکار ہے، لیکن تعلق خلافت یہ ہم نے وضع
بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کو ہر ایک مصیبت کا سامنا تھا، اور اس جماعت اور اسلام
کی اتنی معریشہ خطر میں تھی، اس لئے رسول کریمؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کی ہدایت فرمائی
اور خود بھی بعد ابو بکرؓ مدینہ کی طرف ہجرت کی،

اسلام نے بغاوت جرم قرار دیا ہے رسول کریمؐ دینا میں سب سے بڑے مصلح
ہیں، اس لئے اپنے قول و فعل سے یہی ثابت کیا کہ بغاوت جو فساد اور بد نظمی اور
نفسانہ ہی استہمال کی ایسی باندی پر نظر آتے ہیں جہاں تک رسائی ممکن ہو سکتی ہے۔

جہاں کا موجب ہوتی ہے، نہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اخلاقاً اور عقلاً جائز ہے، مخالفین کے ظلم و ستم سبھا اور ہر ایک سختی برداشت کی، لیکن کبھی تلوار سے مقابلہ نہ کیا، مسلمانوں کو ہجرت کی ہدایت فرماتے رہے تاکہ دشمنان دین کے ظلم سے محفوظ رہیں اور عبادت الہی بلا خوف و خطر بجالائیں، *

ہجرت نے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر دیا، لیکن مخالفت نے اُن کا بچھا اُس جگہ بھی نہ چھوڑا، اور مدینہ سے بھی نکالنا چاہا، اس جگہ اہل مکہ کی حکومت نہ تھی اس لئے آنحضرتؐ مسلمانوں کی متفقہ طاقت کے ساتھ مدافعت کے لئے اُٹھے، * ہجرت نے یار و اغیار میں نمایاں امتیاز پیدا کر دیا، وطن مالوت کو چھوڑنا اور خویش و اقارب سے جدا ہونا قدرتنا شاق گزرتا ہے، لیکن جب رسول کریمؐ نے اعلان فرمادیا کہ ہجرت کے بغیر کسی شخص کا اسلام قبول نہ کیا جائیگا، تو مسلمانوں میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو پیچھے رہ جاتا، فی الحقیقت اُس وقت ہجرت ہی ایسی کوئی تھی جس پر ہر ایک شخص کا اسلام پر کھایا گیا، اس واقعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین اسلام اور رسول کریمؐ کے سچے عاشق تھے، اور آئندہ واقعات نے اُن کی سچی ایمانداری اور اخلاص اور ایثار پر شہادت کی مہر لگا دی، آیات ذیل پر غور کرنا چاہئے۔

(۱) ان الذين آمنوا والذين هاجروا جاهدوا في سبيل الله اولئك يرجون رحمة الله والله غفور رحيم“ (۲-۱۱)

(۲) ”فاستجاب لهم دعواهم وافي لا اضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضهم بعض فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم ووافي سبيلي وقتلوا فاعفوا ولا كفرنا عنهم سيئاتهم ولا دخلهم جنت تجرى من تحتها الا فاعفوا با من عند الله، والله عفو غفور“ حسن الثواب (۲-۱۱) *

(۳) ان الذين آمنوا وهاجروا جاهدوا باموالهم وانفسهم في سبيل الله والذين

لہ آیات مذکورہ مخالفین اسلام اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے مکمل دستور العمل ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح ہجرت نے بین الاقوامی اقتصادی اور معاشرتی حقوق کی مخالفت کی، اور فقہ و فناء کہ بیخ کنی کا سنگ بنیاد رکھ دیا، مخالفین اسلام اگرچہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے مگر کسی

اُوُواْ وَانصُرُواْ اُولَئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ اٰمَنُواْ لَوْ يَخَاجِرُواْ مَا لَكُمْ مِنْ وِلَايَتِهِمْ شَيْءٌ حَتّٰى يَخَاجِرُواْ اِنْ اِسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ اِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اَلَا تَعْلَمُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ فِىْ سَفَادٍ كَبِيْرٍ وَالَّذِينَ اٰمَنُواْ هَاجِرُواْ وَاجَاهِدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ اُوُواْ وَانصُرُواْ اُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ وَالَّذِينَ اٰمَنُواْ مِنْ بَعْدُ هَاجِرُواْ وَاجَاهِدُواْ وَانكُرُواْ فَلَوْلَئِكَ مَعَكُمْ (۱۰-۱۱)

(حاشیہ صفحہ ۴۴) ۱۰، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کی اور جہاد ہی کئے۔ یہی ہیں جو نہ ان کی رحمت کی اس لگائے بیٹھے ہیں، اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے، ۱۱، "قرآنہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا، کہ ہم تم سے کسی دیکھ عمل کرنے والے کے عمل کو انکار نہیں جانتے دیتے مرد ہو یا عورت (اس بارے میں مرد و عورت میں کچھ فرق نہیں کو کہہ) تم سب ایک جیسے ہو، جن لوگوں نے ہمارے لئے اپنے ویس چھوڑے اور ہماری وجہ سے چھڑ گئے ہیں جس سے نکالے گئے تھے، اور لڑے اور مارے گئے ہم ان کی خطاؤں کو ان سے معذور محسوس کرتے ہیں اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اللہ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اچھا بدلہ اللہ ہی کے ہاں ہے، ۱۲

۱۲، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اللہ کے راستہ میں جان و مال سے جہاد کئے، اور جن لوگوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور مدد دی، یہی لوگ ایک کے وارث ایک اور جو لوگ ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو ہم مسلمانوں کو ان کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے ہم میں شامل ہوں، ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر اس قسم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور ان میں علیحدگی ہو، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو افشاء کو دیکھ رہا ہے، اور کافر ایک کے وارث ایک راہن کو ایک دوست کی پراٹ لینے دو، اگر ایمان کریں گے تو ملک میں فتنہ برپا ہوگا، اور بڑا فساد مچے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد ہی کئے، اور جن لوگوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور مدد کی یہی نیچے مسلمان ہیں ان کے لئے مغفرت اور عزت و آبرو کی رودی، اور جو لوگ بدد کو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد ہی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں" (۱۰-۱۱)

مخالف نے کبھی ایسی شکایت نہیں کی کہ اس کے ساتھ ساتھ ناواقب سلوک ہوا ہو اور وہ دفعہ نہ کوئی گئی ہو، ۱۰، جبکہ مسلمان اور نامسلمان ایک جگہ رہ کر امن سے رہیں کر سکتے تھے تو ہجرت ہی انسان کی بغیر ہو سکتی تھی اس لئے ہجرت سے مقصود محض امن قائم کرنا تھا، یہی امن ان ہدایات کا مشابہ جو آیات مولد بالا میں مذکور ہیں، اَلَا تَعْلَمُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَضَعُاْ كَبِيْرٌ

ایام جاہلیت میں کوئی مختصر حکومت نہ تھی، اس لئے ہر ایک شخص کا ملکہ دوسرے پر روا تھا، ہر ایک جنگ و جدل و قتل و غارت کا بازار ہر جگہ گرم رہتا، اور چونکہ ایسی بد نظمی باہمی معاشرت کے سخت مخالف تھی، اور

۸۰) للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون ذرئاً من الله
ورضواناً وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون (۲۸-۲۹) +

۸۰) لا ینہکم اللہ عن الذین لہم قاتلوکم فی الدین ولہم یمخرجوکم من دیارکم ان تبتزوہم
وتقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین انما ینہکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین
واخرجوکم من دیارکم وظاہروا علی اخراجکم ان قولوہم من یتلوہم فلو لئک ہم الظالمون
یا ایہا الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنت مہجرات فامتنھن واللہ اعلم بماھن فان
علمتھن مؤمنت فلا ترجعھن الی الکفار لاھن حل لھن ولا لھن یحلون لھن واتوہم
ما انفقوا ولا جناح علیکم ان تنکھنھن اذا ینقھن اجورھن ولا تمسکوا بھم الکوافر
واستلوا ما انفقتم ولا یسئلوا ما انفقوا ذلکم حکم اللہ بکم بینکم واللہ علیم حکیم (۲۸-۲۹)

۸۱) وہ مال جو بے لڑے مفت میں ہاں لگا ہے منجھ اور حق داروں کے محتاج مہاجرین کا یہی حق ہے
جو کافروں کے ظلم سے اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دئے گئے اور اب وہ خدا کے فضل اور اسکی
خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں یہی تو ہے
مسلمان ہیں (۲۸-۲۹) +

۸۱) جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا
ان کے ساتھ احسان کرنے اور مصطفیانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تم کو منع نہیں کرتا، اللہ مصطفیانہ برتاؤ کرنے
والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تم کو ان ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع فرماتا ہے جو تم سے دین کے
بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اور تمہارے نکالنے میں دین سے مخالفت
کی مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا (تو سمجھا جائیگا) یہی لوگ مسلمانوں پر ظلم کرتے
ہیں مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آیا کریں تو تم ان کے ایمان کی جانچ کر لیا
کر دیں تو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب چھننا ہے تو اگر تم ان کو سمجھو کہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کی قید
واپس نہ کرو، نہ تو یہ عورتیں کافروں کو حلال اور نہ کافران عورتوں کو حلال اور جو کچھ کافروں سے (ان پر،
خنچ کر لیا ہے وہ لکن کافروں) کو اور کرو اور (اس میں) یہی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو ان کے گھر
سے کر دو تم خود ان سے نکاح کر لو اور (ان) کافر عورتوں کے ناموس پر قبضہ نہ رکھو جو تمہارے نکاح میں ہیں
اور جو تم نے (ان پر) خنچ کر لیا ہے وہ (کافروں سے) الگ ہو اور جو انہوں نے (اپنی عورتوں پر) خنچ کر لیا ہے وہ
راہنہ خنچ کر لیا ہوا ہے (تم سے) الگ نہیں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تم کو گور (کے ایسے جگہوں کے بارے) میں
صاف فرماتا ہے اور اللہ جانتے والا حکمت والا ہے (۱۸-۱۹) +

منجھ اور رضوانا، چونکہ غریبی و جذبات خواہ وہ ایک خدا پرست کے دل سے تعلق رکھتے ہوں یا بت پرست کے

والشبقون الاولون من المجتہدین فلا تضاروا للین اتبعوہم باحسان رحمۃ اللہ
 عنہم ورضوانہ واعذ لہم جنتہ بخیر فتحتمہا الا تفرخ لہم فیہا ابدان ذلک الفوز العظیم
 آیات محمولہ بالانے ہجرت کی مکمل حقیقت بیان کی ہے اور مہاجرین کے اعلیٰ
 مراتب اور حقوق کی ضمانت میں ہجرت ہی نے مسلمانوں کے ایمان کا جائزہ لیا،
 ان کو وطن اور اپنی جائیدادیں اسلام و ایمان کی محبت میں چھوڑنی پڑیں، وہ اللہ تعالیٰ
 کے راستہ میں جاں فروش ثابت ہوئے اور اپنی ہستی کو ایمان کی محبت میں فدا کر دیا،
 آیات محمولہ بالاسے واضح ہوتا ہے کہ مہاجرین و انصار میں سے ان لوگوں کا مرتبہ
 بلند تر ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس کے ساتھ اپنے جانوں اور مالوں کو
 اسلام کی حمایت کی ہجرت کے ضمن میں ہم لکھ چکے ہیں کہ صدیق اکبر کا مرتبہ سب سے
 بلند تر ہے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر تمام بنی اسرائیل کا ایمان ایک طرف اور
 صدیق اکبر کا ایمان دوسری طرف رکھ دیں پھر بھی صدیق اکبر کا بل بھاری رہیگا، احباب
 رسول کریمؐ میں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی مثال مشکل ملے گی، اگر آٹھسے وقت پر فقرو
 جو گئے اور بر ملا لعنت سے بھی دریغ نہ کیا، ایک انصاف پسند عیسائی اور سب گنہگار

۱۰۱۔ اور سب پر بیعت و انصاف میں ستمین گزریں گے، اسلام قبول کرنے میں سبقت کی رو سے سب سے پہلے ایمان
 لائے، اور اسی میں جو یکے بعد دیگرے طمس دل سے داخل ایمان ہیں خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش
 خدا ان کے لئے ایسے مانگ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہیں ہتی ہوں گی، ان میں سے نہیں گئے اور سب بڑی کامیابی
 ہے (۱۱ - ۲) ۴

نہایت

کہ ان میں اس لئے حکم و نہایت لا تقبلوا الدین یہ عین من دون انہ فاستولوا اللہ عبد اللہ بن مسعود کہ انہ
 زینا لکل امۃ علیہم ذلک ای بعدہم و جمعہم فیہم ہم بیک انہ یسارون (۱۱ - ۱۰) اور یوشک کہ انہ کے سوا
 میں صبر و دوں، الکی پوچھ کرتے ہیں ان کو نہ تو کوئی یہ لوگ ہی براہ ناواہی خدا سے، احمد کو بڑا کہہ نہیں گئے۔ یہ سبط ہم
 جو فریق کے اعلیٰ عمدہ کر دکھائے ہیں، پھر آخر کار ان سب کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے، اس کے ساتھ
 لا اکفانی الذین نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا، صرف یہی نہیں بلکہ جزاء سیدۃ سیئۃ مشاہیر دنی کا
 بدلہ دینی ہی ایک برائی ہے کوئی تکلی نہیں ہے، اگرچہ انتقام شروع ہے، لیکن اس کی نیت میں کب شہید ہیں؟
 "فہو احد میں آنحضرتؐ کے حکم کم حمزہ رحمہم جو محالیت کسری آپ کی حمایت کرتے تھے شہید ہوئے آپ
 کی لاش کے ساتھ جو کچھ وحیاً نہ ساوگ کیا گیا قدر نما آنحضرتؐ کے دل پر سخت صدمہ کا باعث ہوا، آپ نے

کیسوع کے شاگردوں کا مجھ کے اصحاب سے مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے، اس شخص کے ایمان پر وہی شخص شک و شبہ کر سکتا ہے جو حق کے لہجہ کی جرات نہیں کر سکتا، خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ایمان اور اخلاص اور ایثار کی گواہی دیتا ہے، جیسا کہ آیات ماحولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے،

نہلہ فرمایا کہ اگر مجھے کفار پر قابو ملا تو کافروں کے ساتھ کیا سلوک کروں گا، اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی "فان عاقبتہم فاعقابہم" ماعوقبہم بہ داہ صمدیہ و خیر الصمدین فاصبر و ما صبرک الا باللہ " یعنی انتقام کی ہی ایک حد ہے، اگر کسی کو تکلیف دہ و اتنی ہی جتنے نہیں آگئے ہاتھ سے پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ سب سے بہتر ہے مگر صبر کی توفیق ہی اللہ ہی دے تو ہو سکتا ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل یعنی وحشی جب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ السلام ہوا تو آنحضرتؐ نے کٹاؤہ پستانی سے فیروزہ دم کیا، وحشی ہنسا کرتے تھے کہ میں نے بحالت کفر بہترین خلافت یعنی مسند کذاب کو قتل کیا،

چھ سال بعد ہجرت آنحضرتؐ نے مع صحابہ مکہ منکر کا قصد بنیت عمرہ کیا، مقام حدیبیہ پر مکہ کے متصل غیرہ ایستادہ گئے اور قربانی کے جانوروں کو آگے کیا، اہل مکہ کے جاسوس آئے اور اٹھنا لگا کہ اسلام دے دی کہ آنحضرتؐ عمرہ کے لئے آئے ہیں، مگر قریش جنگ پر آمادہ ہو گئے، آنحضرتؐ نے مکہ لا بھا کر بھاڑیا، میں جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا صرف مکہ کا طواف کر کے واپس چلا جاؤں گا، جواب ملا کہ تم تمہیں ہرگز مکہ کا طواف نہ کرنے دیں گے اور نہ مکہ میں آنے دیں گے، آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو روانہ کیا کہ اسے قریش کے پاس بھیجا کہ مزاحمت نہ کریں، قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک رکھا، مسلمانوں میں یہ خبر آنا فافا مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا ہے، اور اس کے ساتھ قتل کی افواہ بھی گرم تھی، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تک میں اس قوم سے معاہدہ نہ لوں گا، یہ لوگ یہاں سے حرکت نہ کروں گا، اس لئے آنحضرتؐ کے اصحاب بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے اب قریش کے پاس فخرہ درست پہنچا اور سہیل بن عمروؓ کو آنحضرتؐ کے پاس بغرض صلح بھیجا، ایک عہد نامہ لکھا گیا "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ شرائط صلح طے ہو چکیں تو آنحضرتؐ نے علیؓ کو عہد نامہ تحریر کرنے کے لئے فرمایا اور کہا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم سہیل نے اعتراض کیا کہ اور کہا کہ یہ ام میں نہیں جانتا باسم اللہ لکھو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا یہی لکھو، اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لکھو بھدا اما صلح علیہ عہد رسول اللہ و سہیل بن عمروؓ، یہ وہ شرائط صلح ہیں جن میں محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمروؓ نے مواخعت کی، سہیل نے اعتراض کیا کہ اگر ہم تجھے رسول اللہ جانتے تو کیوں رہتے، اپنے اور اپنے باپ کا نام لکھو، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا یوں ہی ہو، لیکن علیؓ محمد رسول اللہ لکھ چکے تھے اور اب رسول اللہ کو مٹانے سے انکار کر دیا، آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے شاکر محمد بن عبد اللہ لکھ دیا، اگرچہ آنحضرتؐ انہی نے لکھا

ہم لکھ چکے ہیں کہ ہجرت کا منشا امن قائم کرنا تھا، آنحضرتؐ جانتے تھے کہ اگر امن قائم ہوا اور لوگ ٹھنڈے دل سے آنحضرتؐ کی تبلیغ کی طرف متوجہ ہوں تو ناممکن ہے کہ مشرف بہ اسلام نہ ہوں، اس لئے وہ صرف قریش سے بلکہ ہر ایک قوم و مذہب و ملت کے لوگوں سے جو اس وقت عرب میں آباد تھے امن کا عہد باندھا، صلح حدیبیہ میں عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ ہر ایک شرط پر صلح کے لئے تیار تھے، بحالت امن اسلام فی الحقیقت سرعت کے ساتھ ترقی کرتا رہا، اور یہ امر مخالفت کو طغیان میں لانے کے لئے قدرتنا کافی تھا، اور یہی وجہ تھی کہ مخالفین نے ہر ایک دفعہ عہد توڑا قسمیں کھا کھا کر عہد باندھتے اور جب کسی سہمتے کہ اب موقع ہے فوراً توڑ دیتے، چنانچہ اس کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے:

نَبَلَّهٖ اِنْ كُنَّا لَجِدُوكُمْ بِذِي طُوًى وَمِنْ ثَمُودَ وَمِنْ اَنْصَارِ بْنِ تَمِيْمٍ اِنْ كُنَّا لَنَجِدُكُمْ اَعْدَاءَ بَعْضٍ اِلٰى بَعْضٍ لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ
 پائیں کہ اس سال آنحضرتؐ قرآنی کر کے واپس جائیں، آئندہ سال آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ مکہ میں نظر آ جاسکتے ہیں، لیکن کوئی ہتھیار سوا سے نہ لے کر آئے۔ اگلے اپنے ساتھ نہ کریں اور وہ بھی بنیام میں ہو اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، جو مسلمان قریش کی جانب سے بلا اجازت دلی مسلمانوں کی جماعت میں آئیں گے قریش کو واپس دیا جائے گا، اور جو مسلمان قریش کی طرف جائے گا واپس نہ ہوگا۔

اس عہد نامہ کی غرض یہی تھی کہ وہ اصل ماحولی وضع المحرب من الناس عشی سلعین یا من بین الناس ویکف بعنہم عن بعض یعنی دس برس تک اس لئے صلح کی گئی کہ لوگ آپس میں امن سے رہیں اور ایک دوسرے پر ہاتھ دراز نہ کریں۔

اٹھائے عہد نامہ میں سہیل بن عمرو کا لڑکا ابوجندل جو پیغمبر مسلمان ہو چکا تھا مسلمانوں میں گردش کر گیا سہیل نے اپنے لڑکے کو کہا "ہذا اول منافقین علیہ" یہ پہلا شخص ہے جس پر ہمارا تھرا فیصلہ ہوتا ہے، آنحضرتؐ نے ابوجندل کو سہیل کے جوڑے کر دیا، اور تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کی کوئی چیز یہہ کر دے گا، مگر عام مسلمانوں کو یہ امر شاق گذرا، اس کے بعد سواران اسلام قریش کے میں چاہتے آدھی گرفتار کر لائے، ان کا ارادہ شیخون کا تھا، مگر آنحضرتؐ نے ان کو بھی آزاد کر دیا، چ

عام مسلمانوں کو یہ صلح بہت شاق گذری اور وہ مسلمان جو اس وقت تکہ مکہ میں رہے ہوئے تھے ہجرت سے باز ہو گئے، لیکن بعض بہاگ کر مدینہ کو آئے اور واپس آئے، ان میں سے ایک ابونصر عتبہ بن اسید بن جابر تھے، ان کو زیادہ تر یہ امر شاق گذر کہ مخالفین نے ان کو کہتے تھے کہ ان کی زیارت سے روکا، حالانکہ کہتے تھے کہ ان کا کوئی خاص حق نہ تھا، ابونصر مدینہ میں آئے تو یہو جب شراط عہد نامہ مکہ کی طرف واپس آئے، مکہ میں وہ اپنا رہنا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے ساحل کی طرف

اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ لوگ جو ملک بگئے
سودہ ایمان ہی نہیں لائے، وہ لوگ کہ جس سے نونہ
عہد کیا پہر ہی وہ ہر بار عہد توڑ ڈالتے ہیں اور ڈرتے
ہیں، پہر جو کہی ان کو لڑائی میں پادیں تو ایسی سزا
دیں کہ جس سے ان کے پچھلے دیکھ کر ہانگیں تاکہ
وہ عبرت حاصل کریں اور اگر کسی قوم کی دغا کا اندیشہ
ہو تو اس کے عہد کو ان کے پاس پھینک دو برابر
ہو کر کہو کہ اللہ کو دغا باز نہیں بھائے، اور کا فر
لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے قابو سے نکل گئے، وہ
ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور ان کے مقابلہ پر ایک
مکمل قوت ہم پہنچاؤ، بخدا اس کے گھوڑے باندھنا ہے
جس سے اللہ کے دشمنوں اور ہمارے دشمنوں پر
خوف پیدا ہو، اور ان کے حوٹان لوگوں پر بھی کہ میں
تم نہیں جانتے اللہ ہی انکو جانتا ہے اور جو کہ تم اللہ
کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ تمہیں ملے گا، اور تمہارا کوئی حق نہ رہ جائے گا، اور اگر وہ صلح
کی طرف مائل ہوں تو تو بھی اس طرف بھٹک اور اللہ پر توکل کر کہو کہ وہ سننا جانتا ہے، اگر وہ
فریب کا ارادہ کریں تو میرا ہی اللہ کار ساز ہے جس نے تمکو فتح اور مسلمانوں سے قوت دی

(سورہ انفال)

نبیؐ چلے گئے، اور اس رہستہ پر جو شام اور مکہ میں آمد رفت کا تھا بیٹھ گئے، رشتہ رفتہ اور
مسلمان بھی ان کے ساتھ آئے کہ ان لوگوں نے مخالفین کا ناطقہ بند کر دیا، چنانچہ خود اہل مکہ
نے ہستہ عالی کہ ان لوگوں کو مدینہ بولایا جائے، اگرچہ یہ لوگ خود مختار تھے، اور عہد نامہ میں کوئی
فریق نہ تھے۔ لیکن بحیثیت مسلمان اس سلامی جماعت کی سازش کا گمان ہو سکتا تھا، اور جو
کچھ جبر کا مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا، اس لئے نہایت سختی سے تمام مسلمانوں کو روکا گیا،
”وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدَدَكُمْ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ يَبْتَغُوا وَاقْعَا وَاقْعَا
عَلَى الْبُرْدِ وَالنَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاذُوا عَلَى الْاَشْرَ وَالْعَدُوَّانَ وَاَتَقُوا اللَّهَ اِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ“ +

اور کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تم کو زیارتی پر آمادہ نہ کرے، اور
ایک دوسرے کے نیک کام اور پرہیزگاری میں مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی چھو نہ دو، اور اللہ
سے ڈرو، بیشک اللہ کا سخت عذاب ہے +

اِنَّ تَسْرُدَ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ
كَفَرُوا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ عَاهَدَتْ
مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِی كُلِّ مَرَّةٍ وَ
هُمْ لَا یَتَّقُوْنَ اَمَّا
مَنْ خَلَفَهُمُ لَعَلَّهِمْ یَكْفُرُوْنَ وَاَمَّا خِفَافٌ مِنْ
قَوْمٍ خِیَانَةٌ فَانْتَظِرِ الْیَوْمَ عَلٰی سَوَاعِیْنِ اللّٰهِ
لَا یُحِبُّ الْخَافِیْنَ ۝ وَلَا یُحْسِبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا
سَبَقُوا الْیَوْمَ لَیْسَ بِتَعْدٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ
مَنْ قُوَّةٍ وَمَنْ رَّبَّاطٌ لِّیَحْمِلُ ثَرَاهِیْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ
وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِیْنَ مِنْ دُونِهِمْ لَعَلَّهُمْ
اللّٰهُ یَعْلَمُہُمْ وَمَا تَنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
یُوفِّیْ الْاَیْمَہُ رَآءَکُمْ لَا تَظْلُمُوْنَ دَانَ جَنُّوْا
الْمَسْلُومَ فَاَصْحَبْہُمْ اِنَّ قَوْلَکُمْ عَلٰی اللّٰهِ اِنَّہٗ ہُوَ
الْمُسْمِعُ الْعَلِیْمُ ۝ وَاِنْ یَحْذَرَکَ فَاَنْ عِنْدَ اللّٰهِ

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ مخالفین نے کئی بار عہد باندھا مگر سہرا
توڑ جس کی وجہ یہ تھی کہ فتنہ و شر میں کمال حاصل کر چکے تھے، ایسے بد عہد تو ایسی ہی سزا
کے مستحق تھے جو عبرت انگیز ہو اور آئندہ کسی کو نقض عہد کی جرأت نہ ہو، ان لوگوں کی
متواتر بد عہدی کے باعث مسلمانوں کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہمیں خاص
خاص قبائل ایسے وقت پر جب مسلمان ان کے شر کی ممانعت نہ کر سکیں بد عہدی
کریں، تو سخت مشکل کا سامنا ہوگا، ایسی حالت میں یہ ارشاد الہی ہے کہ عہد نامہ
فسخ کر دو، مگر اس سے پیشتر اس کا اعلان صاف صاف لفظوں میں کر دو تاکہ
کوئی فریق کسی قسم کا ناجائز فائدہ ایک دوسرے پر حاصل نہ کر سکے، اور دونوں
برابر کی جوڑ ہوں، اللہ تعالیٰ دغا اور فریب اور بد عہدی کو پسند نہیں کرتا، کفار کے
مقابلہ کے لئے مظاہرے کیا کر دو تاکہ وہ تمہاری طاقت سے خائف رہیں، اور
بد عہدی پر جرأت نہ کر سکیں اور وہ لوگ بھی دبے رہیں جن کے حالات کا تمہیں علم
نہیں، اگر دیکھو کہ مخالف صلح پر جھکے ہیں تو صلح کرنی چاہئے، اگر مخالف اندازہ فریب
صلح کرتا ہے تو اللہ پر توکل کرنا چاہئے جو بہر حال بہتر کار ساز ہے، *

غزوہ خندق جس کو غزوۃ الاحزاب بھی کہتے ہیں مکہ میں ہوا، اہل مکہ اور دیگر
قبائل عرب نے اس وقت مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا، بنو قریظہ جن کے ساتھ مسلمانوں
کا عہد و پیمان تھا مخالفین سے مل گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دفعہ تمام عرب
حملہ آور ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ کی بد عہدی اور غداری کا سخت صدمہ ہوا، بہت
کچھ ان لوگوں کو سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا، ایک ماہ تک محاصرہ قائم رہا، مسلمان چاروں طرف
سے نزع میں تھے، اللہ ہی نے کار سازی فرمائی کہ قریش کو یہ خیال پیدا ہوا کہ بنو قریظہ مسلمانوں
کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے ہیں کہیں وقت پر ہم پر نہ ٹوٹ پڑیں، اس لئے قریش نے
بنو قریظہ کو کہا کہ تم لوگ مسلمانوں کے قریب میں رہتے ہو اور ان کے حالات سے خوب
واقف ہو مناسب ہے کہ پہلے خود تم لڑو، بنو قریظہ سمجھ گئے کہ قریش ہمیں قربانی کا بکر بنانا
چاہتے ہیں، آپس میں پھوٹ پڑ گئی، قریش مکہ کو لوٹے اور بنو قریظہ بھی واپس ہوئے لیکن

اب کہاں جا سکتے تھے، ان لوگوں کو بد عہدی کی تہرا دوقمی سزا دی گئی، بنو قریظہ نے دو دفعہ بد عہدی کی پہلی دفعہ کفار کو جنگ بدر میں امدادی اور دوسری مرتبہ جنگ خندق میں آخر ان کا نام و نشان ہی ششہ ہستی سے مٹ گیا،

اگرچہ رسول کریمؐ مخالفین کی متواتر بد عہدی سے تنگ آ گئے تھے، اور عام مسلمانوں کو صرف اجازت چاہتے تھے کہ تمام مشرکین کی صفائی کریں، مگر ارشاد الہی یہی تھا کہ
 اَلَا الدِّينُ عَاهِدٌ تَمْرَمَنَ الْمَشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُضُوْهُ كَوْشِيْنَا وَلَمْ يَظَاهِرُوْا عَلَيْهِمْ اَحَدًا فَاَتَمَّوْا
 اِلَهِكُمْ عَهْدَ هِمَّا لِيْ مَدْعُوْمٌ، یعنی ایسے مشرکین جو عہد و پیمان کر چکے ہیں اور ان کی طرف سے کوئی خلاف ورزی شرائط عہد نہیں ہوئی، جہاں تک اور جس مدت تک چاہیں اور بنا سکیں عہد کر سکتے ہیں، اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ عہد باندھیں، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ +

اُن وہ لوگ جو متواتر عہد توڑتے ہیں اور نہ تو عہد ناموں کا اور نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں ”اِنَّكَ هُمَا الْمَفْسِدُوْنَ“ نہایت ہی حد سے گزرنے والے ہیں،
 ”وَاِنْ نَّكَثُوْا اِيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اِنَّهُ الْكُفْرُ“ اور ایسے لوگ جنہوں نے قسمیں توڑ ڈالیں اور ہتھوڑا باخراج الرسولؐ و ہمد و کوا دل سے جن کی ہمت رسول اللہؐ کے اخراج پر ہی صرف ہوتی رہی اور چھیڑ کی ابتدا بھی اُن کی طرف سے ہوئی، ”قَاتِلُوْهُمُ بَعْدَ اِلْمِ اللّٰهِ بِاللّٰهِ بَايَدُ لَهُمْ“ بنصرہ علیہم، اُن سے جنگ کرو اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے غذب دیگا، اور سوا کریگا، اور تم کو اُن پر غالب کریگا، اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ انشاء اللہ ہم رسول کریمؐ کے حالات میں بیان کریں گے، +

قیاس ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو کس کس مصیبت کا سامنا تھا، بد عہد قبائل کی متواتر عہد شکنی، حوصلہ شکنی، ہمسایہ اقوام اکثر یہودی تھے جن کی غداری ضرب المثل تھی، سب کچھ تھا، مگر آنحضرتؐ کے مد نظر یہی تھا کہ فتنہ و فساد اور شر اٹھ جائے، لیکن قانون قدرت یہی ہے کہ طاقت ہی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، ابن آدم کا قدرت کے سامنے

ہاتھ پر بیٹھنا ضرور تھا، تاکہ بائسل مٹ جائے، اور ایسا ہی ہوا۔
 اگرچہ آخر کار مسلمان کفار و مشرکین پر غالب آئے، لیکن ابتدائیں بالخصوص اور
 ہجرت کے بعد آٹھ سال تک ان پر ایسا زمانہ گذرا کہ اگر وہ سچے مومن نہ ہوتے تو کبھی
 ثابت قدم نہیں رہ سکتے تھے، ”اولئک ہمد المؤمنون حقاً لھم مغفرة ودرزق کریم“
 اصحاب رسول اللہ کی مثال ہمیں کسی پیغمبر کی امت میں نہیں ملتی، آئندہ نسلوں
 کے لئے اسوہ حسنہ ہیں، ان ہی لوگوں نے اسلام کے صحیح معنی سمجھے، ان ہی کے قلب
 سلیم میں ایمان کا گھر تھا، ان ہی کے اعمال صالح ان کے سچے ایمان کا پھل تھے وہ
 نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے میں ہمیشہ کوشش کرتے، حالانکہ
 دوسری امتیں مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا ہی نیکی سمجھتی تھیں ”ولکل وجهة ودرزق لھما
 فاستبقوا الخیرات“ یعنی اے مسلمانوں تم اختلاف سمت کی چنداں پروا نہ کر کے نیکیوں
 کی طرف پلکوں کو اوروں سے بڑھ جاؤ یہی لوگ ”خیرات“ تھے، اور ان ہی کے حق میں
 یہ ارشاد الہی ہے۔

”لکن خیر امة اخرجت للناس تاحدون بالمعروف وناہون عن المنکر وقومون باللہ“
 یعنی لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم سب سے بہتر جو کہ
 اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو
 جبکہ دوسری امتیں ایک دوسرے کو گمراہ کہتی ہیں حالانکہ توریت و انجیل ہدایت اور نور
 تھیں لیکن یہ لوگ اختلاف میں پڑ گئے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ اختلاف کے پیچھے
 نہ پڑو اور ”فاستبقوا الخیرات“ (۱۱-۴) نیک کاموں میں سبقت لے جاؤ،

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کوئی موقع نہ تو صدیق اکبرؓ سے
 سبقت لے جاؤں، ایک دفعہ ایک مہم کے لئے مالی امداد کی ضرورت تھی، مہر ایک
 حسب توفیق رسول کریمؐ کی خدمت میں مال لایا، حضرت عمرؓ نے جلدی کی اور جب
 رسول کریمؐ کی خدمت میں اپنا مال پیش کیا تو آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ ”اے عمر
 اپنے اہلیت کے لئے کتنا چھوڑا ہے“ ہو عرض کی کہ نصف“ اسی طرح صدیق اکبرؓ بھی

آئے اور ان سے بھی سوال ہوا کہ اپنے لئے کیا رکھا ہے، عرض کی کہ ”استاد اور اس کا رسول“ آنجناب کے پاس جو کچھ تھا سب لا کر حاضر کر دیا، عمر مر بول اٹھے کہ اے ابوبکر نیکی میں تم سے کوئی سبقت نہیں لے جاسکتا،

ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا کہ ”اے نیک استاد میں کوشی نیکی کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟“ فرمایا کہ ”تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے، لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر، دریافت کیا سکون سے حکموں پر“ فرمایا خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جہوٹی گواہی نہ دے، والدین کی عزت کر، اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کر، اس شخص نے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے، اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے فرمایا ”اگر تو کامل بننا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دیدے،“

نبیؐ حضرت بائزید بسطامیؒ رح دینا سے اسلام میں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں ان کی نسبت شیخ سہمی رح لکھتے ہیں :-

زگر ماہ آمد بروں بائزید	شندیم کہ وقتے سحر گاہ عید
فرد بختند از سداے بہر سر	یکے طشت خاک ترش بے خبر
گفت دست شکرانہ ملاں بروں	بے گفت و ذولید و دستار و موچ
بغا گترے روے در ہم کشم	کہ اے نفس من در خو آتشم
خدا بینی از خویش تن ہیں عواء	بزرگان نکرند در خود نگاہ
بلندی بدعوے دہند از نیست	بزرگی بنا موس و گفتار نیست
بلندیٹ باید بلند ہی مجھے	بگردن فتنہ سرکش تند خوے

ایک نیک یہودی ان کے پڑوس میں رہتا تھا کسی مسلمان نے اس سے دریافت کیا کہ ایسی نیک ہمسائیت کا اثنا اثر ہی تجھ پر نہ ہوا کہ تو مشرف بہ اسلام ہوتا جواب دیا کہ تیرے جیسا مسلمان ہونا میں پسند نہیں کرتا اور بائزید جیسا مسلمان میں ہونیں سکتا۔

حضرت بائزیدؒ رح سے کسی نے زکوٰۃ کے تعلق سوال کیا جواب دیا کہ علماء کے مذہب کے مطابق چھتے ہو یا میرے“ سائل نے تجر ہو کر پوچھا کہ کیا علماء آپ کے مذہب میں اختلاف ہے، کہا نہیں صرف مراتب میں فرق ہے، کہا کہ اپنے اور علماء کے مذہب کے مطابق بتاؤں، جواب دیا کہ علماء تو مال کا چالیسواں حصہ کہتے ہیں اور میں تمام مال جو موجود ہو“ سائل نے دریافت کیا کہ آپ کے مذہب کا کون نام ہے؟ جواب دیا ”صدیق اکبرؓ رح (کشف المحجوب)“

آسمان پر خزانہ ملے گا، اور اگر میرے پیچھے ہو لے، مگر وہ شخص یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا، †

حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دو تہندہ کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے، اونٹ کا سونے کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دو تہندہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہو، حواری یہ سن کر حیران ہوئے اور بولے پھر کون نجات پاسکتا ہے فرمایا کہ ”یہ آدمیوں سے تو نہیں ہو سکتا، لیکن خدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے، اس پر پطرس نے کہا کہ ”دیکھ ہم تو سب کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہوئے ہیں پس ہم کو کیا ملے گا،“ فرمایا کہ ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تحت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کر دے گے، اور جس کسی نے گروں یا باہائیوں یا بیٹوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اُس کو سو گنا ملے گا، اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا، لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول، (مقدس متی باب ۱۹ - آیت ۱۶ انانیت ۳۰) †

عزراۃ ۱۸ - آیت ۲۸) گھر بار چھوڑ کر
پے مقدس مرقس (۱۰ - ۲۰) ”اس میں سو گنا“ اور ”آئے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی،
مقدس لوقا (۱۰ - ۳۰) اس زمانہ میں کئی گنا زیادہ اور آئیں والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی،
بے ”السابقون الاولون“

جو حضرت عیسیٰ کو رسولِ کریم سے سمجھتا ہے وہی پطرس کو صلیبِ اکبر سے ہے ایسی حضرت
عیسائی کے بعد حلیفہ ہوا (مقدس یوحنا باب ۲۱ - آیت ۵ انانیت ۲۰)
مقدس مرقس (باب ۱۰ - آیت ۳۰) ”گھر اور بہائی اور سہیلیں اور بیٹے اور گھریلو
مگر علم کے ساتھ“ یہ آیت قرآن شریف کی آیت ”والذین ہاجروا فی اللہ من بعد
ما ظلموا للذین احسنوا ولا جوا لافسارہ اکبر“ ابن مسعودؓ نے کو ظلم ہونے پر
مفسرہ کے ساتھ ہجرت اُن کو فرمایا میں چھوٹے سے بڑے اور غریب سے غنی اور غنی سے غنی
انہیں کچھ ہے

مہاجرین نے اپنا گہرا بار اپنے والدین اپنے اقربا اپنے اہل اپنی جائیداد سب کچھ چھوڑ دیا۔۔۔ وہ انجیل کے مطابق اور قرآن کے موافق والدین ہاجروانی اللہ من بعد ما ظلموا للنبوتھم فی الدینا حسنة ولاجر الاخرة اکبر“ (۱۲-۱۳) دینا اور آخرت میں جزا کے مستحق ہیں +

گہرا بار اور اقربا اور مال و اسباب کو چھوڑنا بے شک جو انہروی سے لیکن ”حق“ کی حمایت میں اقربا سے لڑنا اور قتل ہونا یا کرنا اصحاب رسول اللہ ہی کے لئے خاص ہے، صدیق اکبرؐ تو اپنے لڑکے عبدالرحمن کے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے، مگر رسول کریمؐ کے خلق عظیم نے اس کی اجازت نہ دی، جنگ بدر کے اسیران کے متعلق رسول اللہؐ نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو فاروق اعظمؓ نے کہا کہ سب کو قتل کرنا چاہئے، ایسی لوگ ائمہ کفر ہیں، میرا عزیز مجھے سپرد ہو اور عقیل علیؓ اور عباس حمزہؓ کے حوالہ کیا جائے، ہم لوگ ان سب کو قتل کریں گے، تاکہ سب کو معلوم ہو کہ اللہ اور رسول کی محبت میں ہم نے سب سے قطع تعلق کر لیا ہے، اور دشمنان اسلام کو خواہ وہ ہمارے عزیز ہی کیوں نہ ہوں ہم بے دریغ قتل کرینگے، اگرچہ اس کی نوبت نہیں آئی لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ قریباً تمام غزوات میں مسلمانوں کا مقابلہ اپنے ہی بہائی بندوں سے تھا، انہیں قتل کیا، یا ان کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہاں تک کہ فتنہ کا استیصال خاطر خواہ ہو کر تمام عرب نور ہدایت سے معمور ہو گیا +

آسمان کی بادشاہت

”توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت آگئی، یحییٰ (متی ۲-۲۰)

(مترجم) ”ان اللہ اشتدلی من المؤمنین انفسہم واسوال الصہبان لہم الجنة، یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقاً فی التورۃ والا انجیل و القرآن“ (۱۱-۳)

”تو بہ کرو۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی، عیسے (مسیح) نے
حضرت یحییٰ بقول مقدس متی یہ منادی کرتے تھے کہ تو بہ کرو آسمان کی
بادشاہت نزدیک آگئی ہے“ غلط فہمی سے یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ ایک پیش گوئی
حضرت عیسیٰ کے حق میں ہے، یعنی حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتے
تھے، اگر یہ صحیح ہو تو بقول مقدس متی یہی منادی حضرت عیسیٰ ہی کرتے تھے،
یہ آسمانی بادشاہت کسی اور کی ہوگی، *

حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ بڑے تھے، دونوں حضرات ایک
ہی زمانہ میں پیدا ہوئے، اگر دونوں کی منادی ایک ہی شخص کی نسبت ہو تو
نزدیک آگئی ہے ایک بے معنی فقوہے اگر اس سے ان حضرات کا زمانہ
مراد لیا جائے،

”نزدیک آگئی ہے“ سے زمانہ قریب مراد لینا بھی غلط فہمی اور مقدس
کتب کے محاورہ سے ناواقفیت کے باعث ہے، اس گھڑی، یعنی الساعۃ
کو ہی یہی کہا گیا ہے کہ نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر ہے مگر دو ہزار برس کے قریب
گزر چکے ہیں اور ابھی تک انتظار باقی ہے، *

ہمارا مدعا یہ نہیں کہ پیش گوئیوں سے خلافت راشدہ کو آسمانی بادشاہت
ثابت کریں، فی زمانہ ایسا استدلال معقول نہیں سمجھا جاتا، لیکن اس میں کچھ
شک نہیں کہ تاریخ کلیسا کے مسیحی سے یہ وضع ہوتا ہے کہ مسیحی دنیا ابتداء سے آسمان
کی بادشاہت سے ایسی سلطنت مراد لیتا ہے جو خلافت راشدہ ہی ہو سکتی ہے
توریت و زبور و انجیل اور دیگر صحف انبیاء کچھ مسلمانوں کی بنائی ہوئی کتابیں
نہیں ہیں، ان کا جو مطالبہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ایک
ایسی ہی بادشاہت کا انتظار تھا اور انبیاء متواتر منادی کرتے چلے آتے کہ
اس بادشاہت کے لئے دنیا کو تیار کرو، حضرت یحییٰ فرماتے ہیں کہ خداوند کی راہ
جستہ۔ زبور۔ ۴۳۔ ۲ پطرس پہلا خداوند کے نزدیک ایک سو ہزار برس کے برابر ہے،

تیار کرو، اس کے راستے سیدھے بناؤ، (متی ۳-۳) یہ منادی صد ہا سال پیشتر یسعیاہ نبی بھی کرتے تھے (یسعیاہ ۴۰-۳) قرآن شریف میں قوریت و انجیل و زبور کا حوالہ دیا گیا ہے جو واقعات کے بالکل مطابق ہے، حالانکہ حوالہ پیش از وقت دیا گیا ہے، ذیل میں ہم چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

”وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ بَعْدَ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَمْرَ لِلَّهِ يَرْثُهُ عِبَادِي الصَّالِحُونَ (۱۷۱)“

اس آیت میں زبور کا حوالہ دیا گیا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے جس کو سانند ہب میں ”سنت اللہ“ کہتے ہیں کہ زمین کے وارث اللہ تعالیٰ کے صالح بندے ہوتے ہیں، اس میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں جو مشاہدہ کے مخالف ہو، اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسے ہی بندوں کو زمین کا وارث بناتا ہے جن میں صلاحیت ہو،

زبور ۳ میں بدکاروں اور غداروں کی چند روزہ عارضی کامیابی کے ذکر کے بعد اس طرح مذکور ہے کہ ”اس شخص کے سببے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا ہے اور بڑے بڑے منصوبے باندھتا ہے تو غم نہ کھا،

بدکار کاٹ ڈالے جائینگے لیکن وہ جو خداوند کے منتظر ہیں زمین کو میراث میں لیں گے، تھوڑی سی مدت کے بعد شریر نہ ہوگا، تو غور کرے گا اس کا مکان بھونکے گا اور وہ نہ ہوگا، لیکن وہ جو علیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے“ +

اس کے بعد شریروں کی سازشوں کا ذکر ہے جو صادق کے برخلاف کرتے ہیں اور اس طاقت کا ذکر ہے جو باطل حق کی مخالفت میں صرف کرتا ہے تاکہ اُن کو جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں جان سے اریں اُن کی تلوار اُن ہی کے دلوں میں پیشگی، اُن کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی۔“

اس کے بعد اس طرح مذکور ہے کہ صادق کا قھوڑا سماں شریروں کے بشما مال و اسباب سے بہتر ہے کیونکہ وہ شریروں کے بازو توڑنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ صادقوں کو تھا منے والا ہے۔“

اس کے بعد اس طرح لکھا کہ ”شریر ہلاک ہوں گے، دشمن تروں کی چربی

کی مانند فنا ہوں گے، اُن کے دہوئیں اُٹھائیں گے، شریر اُدھار لیتا ہے اور پھر ادا نہیں کرتا، صادق رحم کرتا ہے اور انعام دیتا ہے جن پر ان کی برکت ہے زمین کے وارث ہوں گے اور جن پر اُس کی لعنت ہے کٹ جائیں گے،

اس کے بعد اس طرح مذکور ہے کہ صادق کو اللہ تعالیٰ کبھی ترک نہیں کرتا، صادق ثابت قدم رہتا ہے، اگرچہ وہ گر جائے پر پڑا نہیں رہیگا، کیونکہ خداوند اسکا ہاتھ تھامتا ہے، وہ سدا رحم کرتا رہتا ہے اور قرض (حسنہ) دیا کرتا ہے، اُس کی نسل مبارک ہے، بدی سے گریز کرنا چاہیے اور نیکی میں مصروف رہنا چاہیے، ہمیشہ کی زندگی یہی ہے، اللہ تعالیٰ عدالت کو پسند کرتا ہے، اپنے مقدس لوگوں کو ترک نہیں کرتا، وہ ابد تک محفوظ رہیں گے، شریروں کی نسل کاٹی جائے گی، صادق زمین کے وارث ہوں گے،

اس زبور میں نیک بندوں کی مفصل تعریف کی گئی ہے کہ وہ توکل کرتے ہیں ویاست دار ہیں، اللہ کے ذکر میں مسرور رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی صداقت کو فوراً کی طرح ظاہر کرتا ہے، اور اُن کی عدالت کو دوسرے کی روشنی بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف چپکے جمع کرتے ہیں اور اُس کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں، وہ صادق اور حلیم اور جہم اور کریم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال صرف کرتے ہیں، خواہ شریروں کے مقابلہ میں وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اُن پر علم ہوتا ہے، وہ ستائے جاتے ہیں اس پر بھی وہ صبر کرتے ہیں اور نصرت الہی کے منتظر رہتے ہیں وہ صادق ہے جس کے منہ سے دانائی کی بات نکلتی ہے، اُس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شریعت اُس کے دل میں ہے، وہ ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے، یہ نیک بندے ہیں جن کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے، اور اُس کے برخلاف شریروں کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے، اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں،

نیک بندوں کی یہی تعریف قرآن شریف میں ہے، اور اصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہی تھے، وہ زمین کے وارث ہوئے، وہ صادق، عادل، رحیم و حلیم، اور کریم تھے

وہ کوئی صفت ہے جو زبور اور مقدس کتب میں خدا کے مقدسوں کے متعلق مذکور ہے جو اصحاب رسول اللہ میں نہ تھے،

ہم یقین کرتے ہیں کہ زمین کے وارث نیک بندے ہی ہوتے ہیں اور ہوتے چلے آئے ہیں، اور ہوتے رہیں گے، اور حسب آیات زبور و توریت و انجیل فرقان شریروں کا غلبہ عارضی ہوتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں اور ہمارے پاس تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ جب کسی سلطنت سے صداقت اور عدالت اور رحم اٹھ جاتا ہے تو ظلم و ستم کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے جو اس سلطنت کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس لئے جیسا کہ زبور کی آیات محولہ بالا میں بار بار تکرار کیا گیا ہے جو شریروں کی تلواروں اور کمانوں سے خائف نہ ہو یہی آلات ان کی ہلاکت کا باعث ہوں گے، ظلم و ستم کو صبر سے برداشت کرو اور نیکی کو کسی حال میں نہ چھوڑو، اور اللہ کی نصرت کے منتظر رہو، وہ کبھی راستبازوں کو نہیں چھوڑتا۔

خلافت راشدہ راستبازوں کی منتخب جماعت کی سرپرستی میں قائم ہوئی، اسے مبالغہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ خلافت راشدہ ایک ایسا نمونہ ہے جو حکمران قوموں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر قائم کیا تھا ایسی سلطنت ہے جو حریت و مساوات و عدالت و رحم و کرم و امن اور ترقی کی مثال ہے، یہی آسمانی بادشاہت ہے جس کے متعلق حضرت عیسیٰ اس طرح فرماتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہو، اور مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔

چونکہ ایسی ہی بادشاہت میں غمگین خوشی کا منہ دیکھ سکتا ہے اس لئے فرمایا کہ ”مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ تسلی پائیں گے“، اور ایسی ہی بادشاہت میں حق کا غلبہ ہوتا ہے، اور مثلاً شیان حق نہایت امن سے حق کو پالتے ہیں، اور باطل کی تلواروں کا انہیں ڈرنے سے ڈرتا، وہ مجموعی سے تحقیق کرتے ہیں، وہ زندہ نگ میں نہیں

نہیں جلائے جاتے، طالبان حق ایسی ہی بادشاہت میں سیر ہو کر علم حاصل کر سکتے ہیں جہاں حریت اور مساوات ہو اور ترقی کی راہیں کھلی ہوں اور عدالت اور رحم اُس کا تاج اور تخت ہو اس لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ،
مبارک ہیں وہ جو استبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔

”مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائیگا“ اور یہ عدالت کی صفت ہے کہ ہر ایک شخص کو اُس کی نیت اور اعمال کے موافق بدلہ دے،
رحم دل رحم کا ہی متحق ہو سکتا ہے،
”مبارک ہیں وہ چمپاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے“
”مبارک ہیں وہ جو صلہ کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے“ روحانی کمالات ایسی ہی بادشاہت میں حاصل ہو سکتے ہیں

ایک اور مقام پر قرآن شریف میں تورات اور انجیل کا اس طرح حوالہ دیا گیا ہے،
”هوآلذی ارسل رسولہ بالہدیٰ ودين الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔ وکفی باللہ شہیداً محمد رسول اللہ والذین معہ اشہد علی الکفار صرہ بینہم ترہم نکاحاً محلاً بینہم فلعنہ اللہ وصرعوا انما یملہم فی رجس مہم من اثر السجود ذلک مثلہم فی التورۃ و مثلہم فی الانجیل کذہب اخرج شطاہ فآزرہ فاستنظ فاستری علی سورۃ یعجب الزمراء لیغیظ بہما الکفار، وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت منہم مغفرۃ و اجراً عظیماً“
توریت اور انجیل میں بے شمار آیات قرآن شریف کی آیات متذکرہ کے مطابق ہیں کس کس کا حوالہ دیا جائے، کتاب استنشا (باب ۱) تو آیات متذکرہ لبتاب ہے جب کہ خداوند تیرا خداتجہ کو اس سرزمین میں جس کا تو وارث ہونے جاتا ہے دخل کرے اور تیرے آگے سے اُن بہت سی قوموں کو دفع کرے، اور جب کہ خداوند تیرا خدائیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں مایہ وادرحم کیج، نہ تو اُن سے کوئی عہد کرنا اور نہ اُن پر رحم کرنا، سو تم اُن سے یہ سلوک کرو، تم اُن کے مذبحوں کو ڈھا دو، اُن کے

اُن کے بتوں کو توڑو، اُن کے کھنے باغوں کو کاٹ دو، اُن کی تراشی ہوئی موتیں ملک میں جلا دو، کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کے لئے پاک قوم ہے، خداوند تیرے خدا نے تجھے چُن لیا، کہ تُو سب گروہوں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں اس کی خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں برگزیدہ کیا، نہ اس لئے کہ تم اور گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے، کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے، بلکہ اس لئے کہ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور اس نے اس قسم کا جو متدارے باپ دادوں سے کہا، اُن کی پاس کیا اور خداوند تم کو اپنے زور اور ہاتھ سے غلام خانہ سے نکال لایا اور مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے چھڑایا، ۱۲

پس تو جان رکھ کہ خداوند تیرا خدا وہی خدا ہے وہ (اپنے وعدوں کو پورا کرے والا) وفادار خدا ہے اور ہزار پشت تک ان پر جو اس کے دوست ہیں اور اُس کے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہے، سوان شہزادوں اور حقوق اور احکام کی جو میں آج کے دن تجھ پر جتنا ہوں محافظت کرنا کہ عمل کرے، سو اگر تم ان حکموں کو سنو گے اور یاد رکھو گے اور اُن پر عمل کرو گے تو خداوند تیرا خدا اس عہد اور رحمت کو جس کی بابت اُس نے تیرے باپ دادا سے قسم کھائی ہے تیرے لئے یاد رکھیں گا، اور تجھے پیار کرے گا، اور تجھے برکت بخشنے گا، اور تجھے زیادہ کرے گا، وہ تیرے رحم کے پھل اور تیری زمین کے پھل میں تیرے غلے اور تیری میوے اور تیرے تیل اور تیری گائیوں کی بڑھتی اور تیری بھیڑوں کے گلوں میں اس زمین پر جس کی بابت اس نے تیرے باپ دادوں سے قسم کر کے کہا کہ تجھ کو دوں گا برکت بخشنے گا، تجھے ساری قوموں سے زیادہ برکت بجا لے گی اور جنہیں خداوند تیرا خدا تیرے حوالے کرے گا، ان پر مطلق تیری شفقت کی نظر نہ ہوگی، (باب ۱۰-۱۲) اب اے بنی اسرائیل خداوند تیرا خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے مگر یہ کہ تو خداوند اپنے خدا سے ڈر کرے اور اُس کی سب راہوں پر چلے اور اُس سے محبت رکھے، اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے اور اُس کے احکام اور حقوق کو جو میں آج کے دن تجھے فرماتا ہوں حفظ کرے تاکہ تیرا بھلا ہو۔

اور خداوند قہر خدا ہی خداؤں کا خدا اور خداوندوں کا خداوند ہے وہ بڑگوار اور قادر اور ہیبت ناک خدا ہے جو ظاہر پر نہیں کرتا، وہ رشوت نہیں لیتا، وہ حیوں اور بیوؤں کا انصاف کرتا ہے، اور پرویسی ایسی محبت کرتا ہے کہ اسے کھانا کپڑا دیتا ہے سو تم بھی پرویسی کو پیار کرو، کہ تم بھی زمین مصر میں پرویسی تھے، اور تو خداوند اپنے خداوند سے ڈرتا ہے، اسی کی بندگی کر اور اسی سے پشاور، اور اسی کے نام کی قسم کھا، وہی تیرا مخیر ہے، تیرے باپ وادے جب مصر میں آئے تو بستر آدمی تھے اور اب خداوند تیرے خدا کے بجائے آسمان کے ستاروں کی مانند بڑھایا، (باب ۱۸-۱۶)

اور خداوند نے مجھے کہا کہ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سے ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا، اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنمیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ میں نے کہا تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔

ان آیات کے مخاطب صرف بنی اسرائیل ہیں، اگر ان سے کسی خاص قوم یا شخص کی نسبت پیشگوئی سمجھی جائے تو غلط فہمی ہے، ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل دیگر اقوام پر اس لئے غالب آئے اور اس لئے ارض موعود کے وارث ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ فرمایا تھا کہ ارض موعود تیری اولاد کو دوں گا، اور اسی وعدہ کی تجدید حضرت اسمعیلؑ و حضرت یعقوبؑ و حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کی خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ فرمایا تھا کہ ارض موعود تیری اولاد کو دوں گا، اور وہ خدا کا فرمانبردار تھا، اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے ہیں زمین کے وارث ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے

۱۷۔ پرویسی سے مراد بنی اسرائیل ہیں کیونکہ مصر میں وہ پرویسی تھے ان کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ آپس میں محبت رکھیں کیونکہ خدا تعالیٰ پرویسی سے محبت رکھتا ہے۔

۱۸۔ سو میں اللہ تعالیٰ ہی انہیں رب بنی اسرائیل، اس سے جو کہ وہ نہیں (جو قومی امتیاز نہیں رکھتے) مسلمان، غیرت میں ڈالوں گا۔ اور ایک بے عقل داعی، قوم سے انہیں خفا کروں گا۔

استغفار ۳۰-۳۱۔ ایت لیلیٰ ہم انکفار کے ہم سفر ہیں، مقدس پولوسیک خطہ میاں باب ۱۰۔

ان کو خواہ وہ ابتدا میں تھوڑے ہوں آسمان کے ستاروں کی طرح بناؤں گا، اگرچہ وہ حقیر ہوں ان کو دنیا کی سب قوموں میں سرفراز فرمائے گا، وہ خدا کے دشمنوں، شریروں، بدکاروں، غداروں پر ہرگز رحم نہیں کرتے لیکن وہ مومنین کے ساتھ محبت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ محبت کرتا ہے، ان تمام آیات میں نیکی اور نیک کرداری اور نیکی کے اعلیٰ نتائج کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ رسولِ کیم م حضرت موسیٰ کی مانند نبی تھے، درجات میں فرق ضرور ہے اور یہی فرق بنی اسرائیل اور اُن کی مثل اصحاب رسول اللہ میں ہے، مثلہم فی التودۃ کے یہی معنی ہیں، کہ ان کی مثل توریت میں ملتی ہے۔ یعنی یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ رسول اللہ اور اس حضرت کے اصحاب غالب آئیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور ہمیشہ غالب رہیں گے، اور خدا کے پیارے زمین کے وارث ہو کر رہیں گے،

ان آیات میں ارض موعود کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا جہاں وہ اور "کلدانیوں" سے ہجرت کر کے آئے تھے، یہ وہ زمین تھی جہاں دودھ اور شہد سوچ مارتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کیا بنی اسرائیل ہی اُس کے وارث ہوئے اور بنی اسمعیل بھی ان واقعات کو مفصل بیان کریں گے،

”ومثلہم فی الانجیل اس طرح ہے :-

”اور اُس نے اُن سے بہت سی باتیں شیعلوں میں کہیں کہ دیکھو کہ ایک بیج بونے والا بیج بونے نکلا اور سوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارہ پر گرے اور بڑھنے لگا، اگر انہیں چنگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے جہاں نہیں بڑھتی نہ ملی، اور گہری مٹی نہ ملنے کے باعث جلد آگ آئے اور جب سوچ نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہو سکے سبب سوکھ گئے اور کچھ جھاڑیوں میں گرے، اور جھاڑیوں نے بڑھ کر انہیں دبا لیا اور کچھ اچھی زمین پر گرے اور بھل لائے، کچھ سوکنا کچھ ساتھ لگنا کچھ تین گنا دسی بات م نجات

اس کی تفسیر خود اسجناب نے آسمان کی بادشاہت فرمائی ہے (آیت ۱۱)
اور اس طرح تفسیر کی ہے۔

”جب کوئی بادشاہت کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو اس کے دل
میں بویا گیا اسے وہ شریر (شیطان) اُن کو چھین لے جاتا ہے یہ وہ ہے جو راہ
کے کنارے بویا گیا اور جو پتھر پلے زمین میں بویا گیا ہو وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور
اُسے فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے لیکن اپنے اندر جڑھ نہیں رکھتا، بلکہ چند روز
ہے اور جب کلام کے سبب مصیبت یا سلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھا جاتا ہے
اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ کلام ہے جو کلام کو سنتا ہے اور دنیا کا فک اور دولت
کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے اور جو بھی زمین میں بویا
کیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے کوئی سو گنا پھلنا ہے
کوئی ساٹھ گنا کوئی تیس گنا“ (۱۹ نغایت ۲۴)

”اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت
اُس آدمی کی مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا، مگر لوگوں کے سوتے
میں اُس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی بو کر چلا گیا، پس جب پتیاں نکلیں
اور ہائیں آئیں تو وہ کڑوے دانے بھی دکھائی دیے کہ گھر کے مالک کے نوکروں
نے اگر اُس سے کہا کہ اے خداوند کیا تو نے اپنے کھیت میں اچھا بیج نہ بویا تھا، پھر
اُس میں کڑوے دانے کہاں سے آگئے، اُس نے اُن سے کہا یہ کسی دشمن نے
کیا ہے، نوکروں نے اُسے کہا، کیا تو جا چلتا ہے کہ ہم جا کر اُسے جمع کریں، اُس نے
کہا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑوے دانوں کے جمع کرنے میں تم ان کے ساتھ گیہوں
بھی اکھاڑو فصل تب تک تو دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو۔ اور فصل کے وقت میں کاٹنے
والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے کڑوے دانے جمع کر لو اور جملانے کے واسطے اُن کے
گٹھے بانڈھ لو اور گیہوں میرے کھتے میں جمع کرو“ (۲۴ - ۳۱)

”اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت

اُس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بویا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوائے پرندے اگر اُس کی ڈالیوں پر سیر کرتے ہیں تو ریت اور انجیل میں جو صفات مقدسوں اور خدا کے فسرزندوں کے بیان کئے گئے ہیں وہ سب اصحاب رسول اللہ کی ذات میں جمع تھے، یہ ایسی نذر عقی جس کی جڑ مضبوط تھی اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی تھیں، ابتداء میں ایک رائی کے دانے کے برابر تھا، مگر پورا پھلا اور پھولا، اس کا پھل کسی جگہ سوگنا اور کسی جگہ ساٹھ گنا اور کسی جگہ تیس گنا استعداد و قابلیت کے مطابق ہوا، پیشتر اس کے کہ ہم آسمان کی بادشاہت کے مفصل حالات لکھیں قرآن شریف کی ایک اور روایت کو بھی تائید امتحان کرتے ہیں۔

”ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بآن لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويقتلون وعدا عليه حقا في التوراة والانجيل والفران ومن اوفى بعهده من الله يبيعكم الذي بايعتم به وذلك الفوز العظيم التاهون الغيدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الامرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون بحدود الله وبشر المؤمنين“ (توبہ ۱۱۷)

استثنا، باب ۳۲ - آیت ۶ میں اس طرح مذکور ہے۔
”اے جاہل اور بے شعور لوگو! کیا تم خداوند کو عوض میں ایسا کچھ دیتے ہو، کیا وہ تیرا باپ نہیں ہے جس نے تجھے مول لیا؟“

اس کی تفسیر زبور (۷۴ - اغنایت ۱۳) میں اس طرح ہے۔
”اے خدا تو نے کیوں ہم کو ہمیشہ کے لئے رو کر دیا، تیری چراگاہ کی بیٹیوں پر تیرے قہر کا دہواں کیوں اٹھ رہا ہے، ابھی اس جماعت کو جس کی تو نے قدیم سے خریداری کی اپنے میراثی فرقہ کو جسے تو نے خلاصی بخشی اس کو جیہوں کو جس میں تو نے سکونت کی یا دفن“
”زبور ۱۱۶ - ۱۲ میں اس طرح ہے۔“

”میں خداوند کو اُس کی ساری نعمتوں کے عوض میں جو مجھے ملیں میں کیا دوں، میں نجات کا پیالہ اُٹاؤں گا، اور خداوند کا نام پکاروں گا، میں ابھی اُس کے سارے لوگوں کے سامنے خداوند کے نذیر ادا کروں گا، خداوند کی نگاہ میں اُس کے مقدس لوگوں کا مرنا گراں قدر ہے، اے خداوند میں منت کرتا ہوں کیونکہ میں تیرا بندہ ہوں۔ اے خداوند میں منت کرتا ہوں کیونکہ میں تیرا بندہ ہوں، میں تیرا بندہ تیری لونڈی کا بیٹا، تو نے میرے بندھن کھولے، میں تیرے حضور شکریہ گزارنے کے ذریعے چڑھاؤں گا، اور خداوند کا نام پکاروں گا، میں ابھی اس کے سارے لوگوں کے آگے نذیر خداوند کے لئے ادا کروں گا، میں خداوند کے گھر (بیت اللہ) کی بارگاہوں (مکہ منظمہ) میں اور تیرے درمیان اے یروشلیم۔ خداوند کی ستائش کرو“

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زبور حضرت داؤد علیہ السلام نے روح کی ہدایت سے لکھی (مقدس متی باب ۲۳-۲۴) ”ان آیات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے جان و مال کی خریداری فرمائی تھی، اور کچھ شک نہیں کہ مقدس لوگوں کا قتل ہونا گراں قدر ہے اس لئے ان کو وہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کا تذکرہ قرآن اور توریت میں مفصل ہے۔“ انجیل متی باب ۵ کا ہم حوالہ دے چکے ہیں اور غالباً باب ۱۳-۱۴ آیت ۲۵ کی طرف بھی اشارہ ہے،

”پھر آسمان کی بادشاہت اُس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ عمدہ موقعوں کی تلاش میں تھا جب اُسے ایک بیش قیمت موتی ملا تو جا کر جو کچھ اُس کا تھا سب بیچ ڈالا اور اُسے مول لیا“

قرآن شریف کی آیات مجملہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے توریت اور انجیل میں فرمایا جس کا مفصل تذکرہ ہم کر چکے ہیں وہ اصحاب رسول کریم کے حق میں پورا کریں گے، اس لئے مومنیں کو ترجیح دے کر دنیا میں تھیں ارض موعود اور عاقبت میں جنت عطا کریں گے،

”ایک اور روایت جس سے ہم استدلال کرنا چاہتے ہیں اس طرح ہے:-

”قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان تولا فانما عليه ما حل وان تطيعوا

تقتدوا وما على الرسول الا البلاغ المبين وعد الله الذين امنوا وعملوا الصالحات
ليستغفرنهم في الارض كما استغفر الذين من قبلهم وليمكن لهم ويقتصر الذي
ارتضى لهم وليبدلهم من بعد خوفاً منا يعبدونني لا يشركون بي شيئاً و
من كفر بعد ذلك فاو لئلا هم لفاسقون ۝

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے محمدؐ کہدو کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت
کرو اگر لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے روگردانی کریں گے تو ہر ایک شخص کی
ذمہ داری اپنی اپنی ذات تک محدود ہے، رسولؐ کا کام تو صرف تبلیغ ہے اور اُسکی
ذمہ داری کی حد ہی یہیں تک ہے کہ اُس نے احکام الہی اور ارشادات خداوندی کو
علی الاعلان لوگوں تک پہنچا دیا، اب اگر لوگ نہ مانیں تو اس کے جواب وہ وہ خود
ہیں، ان میں سے جو آدمی اللہ اور رسولؐ کے مطیع ہیں یعنی مومن اور صالح ہیں اللہ
کا وعدہ ہے کہ جس طرح ان سے پہلے لوگ خلیفہ ہوئے اسی طرح ان کو بھی دنیا میں خلیفہ
بنایا جائے گا، اور جب ان کو خلافت ملے گی تو یہ دین والا سلام جو ان کے لئے پسند
کیا گیا ہے اس طرح قائم کر دیا جائیگا کہ اس کی بنیاد مضبوط ہو جائے گی اور موجودہ خوف
و خطر جو انہیں بوجہ ہٹل لاحق ہو رہا ہے زائل ہو جائے گا وہ ”امن“ میں بہ کرینگے
اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر اللہ کو شریک نہ کریں گے، اس کے بعد اگر
کسی نے کفر کیا تو وہ فاسق ہے ۝

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہجرت سے پیشتر مسلمانوں پر جو کچھ ظلم و ستم بوجہ غلبہ باطل ہوتا
تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق اُس وقت گوشہ نشین تھا، اور مسلمانوں کی سستی معرض خطر میں تھی
ہجرت کے بعد یہ کیفیت تھی کہ مسلمان ہر وقت مسلح رہتے اور دھڑکا لگا رہتا کہ مخالفین
بے خبری میں حملہ آور نہ ہوں، مکہ میں تو صرف اہل قریش کا خوف تھا، اس جگہ ان کے
علاوہ ہمسائیگی میں بدعہد و غدار یہودیوں کے قبائل آباد تھے، جو مخالفین کو مسلمانوں
کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے، اور وقت پر جان و مال سے اُن کی امداد کرتے

تمام مسلمان ہی کہا کرتے تھے کہ کیا کوئی ایسا دن بھی ہوگا کہ ہم بلا خوف و خطر جہاں چاہیں جاویں اور کوئی ایسی رات بھی ہوگی کہ ہم بے فکر ہو کر سوئیں، یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پھر اس وعدہ کی تجدید فرمائی جو حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا اور مسلمانوں کی تسلی ہو گئی کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جب اسلام کا بول بالا ہوگا اور مسلمان امن میں ہوں گے، شرک نیست و نابود ہو جائے گا، اور کافروں کی جرگٹ جائے گی،

”یہ وہ وقت تھا جبکہ مسلمان سخت پریشانی کی حالت میں تھے، جبکہ غزوہ خندق یا احزاب نے ان کو ایک ماہ کامل مدینہ سے باہر نکلنے نہ دیا، اور ہر طرف سے نرغہ میں تھے، جبکہ انہیں چاروں طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے، اور منافقین کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا، جو گھر کے بھیدی تھے اور دوستی کے لباس میں خطرناک دشمن تھے،“

”خلافت نے دنیا میں پہلی دفعہ ”امن“ کا مژدہ سنایا، اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک حکومت ”امن“ کی ذمہ دار ہوتی ہے، اور مخالفت کی بیج کنی خاطر خواہ کرتی ہے تاکہ فتنہ و فساد کا تسلسلہ و قلع و معرعہ ہو جائے، ہم بھی اس پر صاف کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اصولاً خلافت ایسی ہی ایک حکومت تھی جیسا کہ پہلی حکومتیں تھیں، لیکن فسق ہے تو اتنا کہ پہلی حکومتیں قوموں کے اور خلافت اسلام کے غلبہ سے تعلق رکھتی ہے، جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے،“

”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَىٰ كُلِّ بَلَدٍ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا“

قوموں کے غلبہ کا یہ مفہوم ہے کہ مغلوب قوموں کی ایسی سرکوبی کی جائے کہ پھر سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں، اسلام کے غلبہ کے یہی معنی ہیں کہ کفر و شرک کی جڑ کٹ جائے، دیگر ادیان ہمیشہ مغلوب رہیں، اسلام کا قوموں کے عروج و نزول سے کچھ تعلق نہیں، خواہ عرب ہوں یا عجم قوموں کا غلبہ اس جہان کی چند روزہ بادشاہت ہے، اسلام کا غلبہ آسمانی بادشاہت ہے جو ابد الابد تک قائم رہے گی،

لیکن چونکہ کوئی ترقی امن کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے آیات مجربہ بالاسے صفا

صاف لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقی کے لئے امن لازمی امر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے ساتھ مژدہ امن سنایا تاکہ اس دین کو جو دین الہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے قائم کر دے، ہم اس موضوع پر اس مقام پر مفصل بحث نہیں کر سکتے، انشاء اللہ تعالیٰ رسول کریم کے حالات میں ”اسلام کی حقیقت واضح بیان کریں گے“

”دینا“ اخوت“ کی متلاشی ہے، لیکن ”توحید“ کے بغیر ناممکن ہے ”اخوت“ اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب ہر ایک قومی امتیاز دینا سے اٹھ جائے، جبکہ حریت کا نفع ہر ایک دماغ میں جبکہ مساوات کے جذبات ہر ایک دل میں موج مارتے ہوں، جبکہ عدالت قوموں کا شعار ہوگا، اُس کا سنگ بنیاد خلافت راشدہ نے مقدسوں کے ہاتھوں سے اس چٹان پر رکھ دیا، جس پر ہزار آئندہ جیاں چلیں مگر اسے جنبش تک نہیں ہو سکتی، اور دنیا کی تمام طاقتیں جمع ہو کر اُسے ہلانا چاہیں تو نہ ہلا سکیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اصولاً خلافت ایسی ہی ایک حکومت تھی جیسے پہلے تھیں اور اب بھی ہیں، قوموں کا عروج و زوال لوح کائنات پر حلی حروف سے لکھا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قومیں ایک ہی خون اور دنیوی نفع و نقصان کے احساس سے بنی ہیں اور بنتی ہیں، رومیوں اور ایرانیوں اور یونانیوں اور مصریوں اور ہندوؤں کی قوموں کی تواریخ ہمارے سامنے ہے، یہ ایسی قومیں تھیں جن کی قومیت کی بنیاد ایک خون پر تھی اور اس حیثیت سے ان کا نفع و نقصان بھی مشترک تھا، مگر جو جن قربابت میں بعد ہوتا گیا اور گزشتہ تعلقات کی یاد ہمدردی کے ولولوں سے خالی ہو گئی۔ ذلتی اغراض نے قربابت کا کچھ پاس نہ کیا، اسلام نے قوموں اور ذاتوں کے امتیاز کو بھی مٹا دیا، فتح مکہ کے دن جب ابن آدم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور جلال کے تحت پر طاقت کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا، آنحضرتؐ نے قریش کو جمع کیا، یہ لوگ آنحضرتؐ کے اقربا تھے، ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:-

”یا معشر قریش ان اللہ قد اذہب عنکم اے جماعت قریش بے شک اللہ تم سے

نحوۃ المجاہلیۃ و تعظمہا بالاباء الناس
 من آدم و آدم خلق من تراب قال اللہ
 تعالیٰ یا ایہا الناس انا خلقکم من ذکر
 و انثی و جعلکم شعوبا و قبائل لتعارفوا
 ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ
 علیم خبیرہ
 جاہلیت کا تکبر اور آبا پر فخر کرنا لے لیا۔
 نخل آدمی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے
 پیدا ہوئے (یعنی سب ایک ہیں اور مٹی سے
 پیدائش قابلِ فخر بات نہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 کہ بیشک ہم نے تم کو پیدا کیا ہے نرمادہ سے
 اور بنایا تم کو توئیں اور ذاتیں تاکہ تم ایک دوسرے
 کو پہچان سکو نہ کہ ایک دوسرے پر فخر کرو بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ
 ہے جو زیادہ شقی ہے۔

اس کے بعد قریش سے پوچھا کہ اب تمہیں کس سلوک کی توقع ہے یہ وہی قوم
 قریش تھے جو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کر چکے تھے، ان لوگوں نے کہا کہ "خیر! اخ
 کریم و ابن اخ کریم" یعنی نبی کی تو کریم بھائی ہے اور کریم بھائی کا بیٹا ہے، یعنی نبی
 کی تو کریم بھائی ہے اور کریم بھائی کا بیٹا ہے۔ فرمایا "فانی اقول کما قال یوسف لا خولہ
 لا تشریب علیکم الیوم اذ ہوا فانتہم الطلقاء" یعنی بے شک میں وہی کتابوں
 جو یوسف نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا کہ آج تمہارے کوئی بڑائی نہیں ہے، جاؤ تم آزاد ہو۔
 آنحضرتؐ کی آخری وصیت اب زر سے لکھنے کے قابل ہے:-

او صیکم بتقوی اللہ و اوصی اللہ بکم و استخلفہ علیکم و اودعکم الیہ انی لکم
 نذیر و بشار لا تعلوا علی اللہ فی بلادہ و عبادہ فافسہ قال لی و لکم ثلاث الدار
 الاخرۃ فجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا و العاقبۃ للمتقین
 وقال الیس فی حملہ منہی للمتکبرین ۛ یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی
 ہے میں بھی تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں اللہ ہی کو تمہارا
 نگہبان چھوڑتا ہوں اور تمہیں اس کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک میں تمکو دوزخ
 سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا ہوں، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے
 ملکوں اور بندوں میں برتری نہ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں مخاطب کر کے

فرماتا ہے کہ یہ مکان آخرت اُن لوگوں کے لئے ہے جو زمین پر برتری کا قصد کرتے ہیں اور نہ فساد کا اور آخرت کی نکوئی متقین کے لئے ہے اور فرماتا ہے کہ کیا نہیں ہے جنہم ٹھکانا غرور والوں کا۔

”اس لئے آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے دین اسلام ہی ایک حقیقی رشتہ ہے اور مسلمان خواہ کسی حیثیت کسی قوم کسی ملک کے ہوں ایک ”امت“ ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں، اسلام کسی خاص قوم کی میراث نہیں ہر ایک شخص اس کا وارث ہو سکتا ہے خواہ عربی ہو یا عجمی اور اس لئے بغلتی اسلام خلافت ہر ایک شخص کی میراث ہے ”بشرطیکہ وہ اُس کا حاصل ہو جب تک قریش اُس کے اہل تھے خلافت کے مستحق وہی تھے جب وہ اُس کے اہل نہ رہے خلافت اُن سے لی گئی، یہی سنت اللہ ہے اور اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، ہم اس دعویٰ کے قائل نہیں کہ فلاں قوم یا فلاں قبیلہ یا فلاں شخص خلافت کا مستحق ہے یا تھا اور یہ لوگوں نے ان سے غصب کر لی خلافت مستحق ہی کو پہنچتی ہے اور جیسا کہ ہم نے مسلسل بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے، کوئی شخص خلیفہ کسی کے بنائے سے نہیں بنتا جس شخص نے خلیفہ ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے خواہ کسی طرح کسی ذریعہ سے ہو، وصیت و شوریٰ وغیرہ استحقاق خلافت ثابت نہیں کرتے یہ خلیفہ کے انتخاب کی صورتیں ہیں اور حسب ضرورت وقت ان صورتوں میں بھی اختلاف موجود ہے۔“

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلافت ایک ایسی ہی حکومت ہے جیسے پہلی حکومتیں تھیں اور یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ فی الحقیقت خلافت کا تعلق قوموں کے عروج و نزول سے کچھ نہیں خواہ یہ عربی ہوں یا عجمی، خلافت کا تعلق اسلام سے ہے تاکہ اس کا غلبہ تمام دیگر ادیان پر رہے، اور اسلام امن کے ساتھ ترقی کرتا رہے۔

”لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عنان خلافت خلفائے ہاشمیہ میں رہی ہے اور خلافت حکومت کی مختلف صورتوں میں تبدیل ہوتی رہی ہے، اگرچہ صورتوں میں تبدیلی خلافت

کی نوعیت کو نہیں بدل سکتی مگر قیاس ہو سکتا ہے کہ خلافت کی کوئی صورت معین ہی نہیں یہ صحیح ہے اور ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ حکومت خواہ کوئی صورت اختیار کرے بذاتہ برہمی نہیں بشرطیکہ عنان حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو بہترین خلائق ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ خلافت نے بہترین خلائق کے انتخاب کی کیا صورت پیش کی ہو؟ ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلافت یا حکومت کی کوئی صورت معین نہیں ہے اور نہ ہو سکتی

ہے، تعین صورت ارتقا کے مخالف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ رسول کریم نے نہایت کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا، اگر آنحضرتؐ ایسا کرتے تو آئندہ منسلوک کو ایک سند ہاتھ آجاتی، چونکہ قانون قدرت کسی چیز کو ہمیشہ ایک صورت پر قائم نہیں رہنے دیتا، اس لئے وصیت و بارہ خلافت ہزار ہا خرایوں کا باعث ہو گئی، اور علاوہ انہیں ایسی صورت ہی ہوتی کہ خلیفہ کو وصیت کرنے کا موقع ہی نہ ملتا جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے واضح ہوتا ہے اس لئے وصیت بھی کوئی ایسی صورت معینہ نہیں ہو سکتی جس پر انتخاب کا اکتفا ہو، اور سب سے بڑھ کر اس میں یہ خرابی ہے کہ خلافت نے تکلف شخصی حکومت بن سکتی ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ انتخاب کی کوئی صورت معین کرنا خلافت کے منشا کے مخالف ہے،

آنحضرتؐ کی وفات کے قریب جب حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ
 « انت والله بعد ثلاث عند العصا و
 اذهب بنا الى رسول الله صلى الله عليه
 وسلم فلتستأله فيمن هذا الامر ان كان
 فينا علمنا ذلك وان كان في غيرنا علمناه
 فاوصني بنا فقال علي انما الله لا ينزلنا
 رسول الله صلى الله عليه وسلم فمناها
 الناس بعد واني والله لا اسأله رسول الله
 صلى الله عليه وسلم »
 آنحضرتؐ سے خلافت نہیں مانگوں گا،
 (فیض الباری پارہ ہفتم)

» آیت استخلاف سے بھی ہو، ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد خلافت ہوگی اور

ایسی ہوگی جیسے پیشتر تھی، اس میں کسی قبیلہ کسی شخص کو نامزد نہیں کیا گیا، حضرت علیؓ کا خیال بالکل صحیح تھا کہ اگر آنحضرتؐ باوجود طلب خلافت کسی بلور کو خلیفہ بناتے تو آئندہ لوگ جھٹ پکڑتے اور بنو ہاشم ہمیشہ خلافت سے محروم رہتے، ماضی دہانے ۱۰۰ ائمہ من قریش“ (کل امام قریش سے ہوں گے) کس حد تک صحیح ہے، لیکن واقعات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے شامان مغلیہ بھی بنو عباس سے سند خلافت حاصل کرتے رہے، اقیاس ہو سکتا ہے کہ تصویر کے بے شمار رخ ہوتے ہیں اور کوئی صورت معین نہیں ہو سکتی، بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت عرب میں صرف قریش ہی خلافت کے اہل تھے، اور جب وہ اہل ہند سے تو خلافت ایسے لوگوں میں منتقل ہو گئی جو اس کے اہل تھے، مگر قریش اور کچھ نہیں تو ”الْأُمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ“ کی سند سے فائدہ اٹھاتے رہے ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ کے معنی صاف ہیں کہ ملی الامر کی اطاعت لاگروہ مخالف اطاعت اللہ رسول نہ ہو، فرض ہے اور یہی وجہ ہے کہ انتظامی امور میں خلیفہ مطلق العنان بادشاہ ہے اور خلفاء کے کارناموں سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور اسی لئے خلیفہ کی وصیت کا پاس ہمیشہ مسلمان کرتے رہے، البتہ ”شَاوَرَهُمْ فِي الْأَمْرِ“ نے خلفا کا تو کیا مذکور ہے رسول کے اختیارات کو بھی قیود کے بغیر نہیں چھوڑا اور آنحضرتؐ ہر ایک امر میں اصحاب سے مشورہ لیتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے، غزوہ احزاب کے موقع پر جب مخالفین نے چاروں طرف سے مدینہ پرورش کی اور ایک ماہ تک مسلمانوں کا خاطر خواہ قافیہ تنگ کر دیا تو رسول کریمؐ کا ارادہ ہوا کہ عقبہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ مدینہ کے باغات کے تنہائی پھل دے کر مصالحت کی جائے، سعد بن معاذؓ اور سجد بن عبادہؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا کفار سے ہے کہ آپ اس طرح صلح کر لیں، اگر ایسا ہے تو چون و چرا کی گنجائش نہیں اور اگر آپ کو یہ طریقہ صلح مرغوب و محبوب ہے تو بھی آپ ایسا کر سکتے ہیں یا یہ کہ اس میں آپ نے ہماری بہتری تصور فرمائی ہے اور ہمارے فائدہ کے لئے اس طرح صلح کا ارادہ

ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے ہی فائدہ کیلئے صلح کیا چاہتا ہوں، مینے اس مرتبہ یہ خیال کیا ہے کہ عرب نے متفق ہو کر تم پر ایک کسان سے تیر باری کی ہے، "سعد بن معاذؓ نے عرض کی کہ "جب ہم سرک والحادوتوں کی نجاست میں مبتلا تھے، اُس وقت تو یہ لوگ ہم سے ایک خرمابہی، بجز خریداری حاصل نہیں کر سکتے تھے اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نور اسلام سے منور فرمایا اور آپؐ کی بدولت ہماری عزت افزائی ہوئی تو ہم ان کو اپنا مال اور پیداوار یوں ہی دیدیں؟ واللہ ہم ان کو ایک خرما بھی سوا سے توار کے نہ دیں گے، آپؐ مطمئن رہیں جب تک ہم ہیں سے ایک جان بھی باقی ہے کفار کا ٹڈی دل مدینہ کے پاس نہیں آسکتا، اس پر آنحضرتؐ نے ارادہ صلح فرمایا۔

اگرچہ رسول کریمؐ نے کسی شخص کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا لیکن خلافت کے متعلق مفصل ہدایات چھوڑیں کہ قرآن شریف کی آیات بینات ہیں اور جن کا حوالہ ہم دیکھے ہیں اور ان کی موجودگی میں کسی شخص کو نامزد کرنا اور کچھ نہیں تو "وصیت" جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سنت رسول اللہؐ ہوتی جس سے کبھی کوئی مسلمان انحراف نہ کرتا، مگر آنحضرتؐ کی دورانہ پیشی نے اتنا بھی نہ کیا اور انتخاب خلفاء کو واقعات اور حالات اور تقاضا کے وقت پر چھوڑا، اور سچ تو یہ ہے کہ انتخاب محض ایک سبب سے جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے خلیفہ بنا دیتا ہے اور اُس کی خلافت کے لئے راستہ صاف کر دیتا ہے، ہر حال اَلَاٰیۃٌ مِّنْ قُرْآنِہِ لَی تَصْدِیْقُ ۤاٰقِعَاتِہِ مِنْہِمْ ہر ایک زمانہ میں نہیں ہوئی، لیکن

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اَسْتَخْلَفْنَا

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ہر ایک پہلو سے پورا ہوتا چلا آیا ہے، ہم نے اپنی کتاب و شق اور "بغداد" میں خلفاء، بنو امیہ اور عباسیہ اور خلافت کے حالات لکھے ہیں اب خلافت راشدہ کے حالات اس جہاں کی بادشاہت اور آسمانی بادشاہت میں موازنہ کرینگے، خلافت راشدہ حکومت کی کونسی صورت ہے خلفاء راشدین کے حالات سے معلوم ہو سکتی ہے یعنی نہ کوئی شخصی نہ جمہوری ہے بلکہ ہر ایک صورت کا جلوہ اُس میں نظر آتا ہے جس طرح

اسلام وہی پرانا اور فطری دین آئی ہے اُسی طرح خلافت بھی وہی ازلی ارشاد الہی "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" ہے، دیکھنا یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ نے کہاں تک حق نیابت ادا کیا؟

فتنہ امثالی

جب آنحضرت "رفیق اعلیٰ" سے جملے صحابہ کے ہوش و حواس بجا نہ رہے، تو لوگوں کا ہجوم مسجد نبوی میں ہو رہا تھا، عالم تخیل میں جو جس کے منہ پڑا کیا کہا، ان میں سے حضرت عمرؓ شمشیر برہنہ کھڑے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ:-

”اِنَّ رِجَالَ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ عَجَبُوا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مَاتَ وَانْہ لَیْسَ بِتِیْمَۃٍ وَانْہ ذَہَبَ اِلٰی رَبِّہٖ کَمَا ذَہَبَ مَوْلٰی وَاِلٰی جَعْنٍ فِی قِطْعَنِ اَیْدِیْ رِجَالٍ وَاِیْجَلِہُمْ“

منافق گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ انتقال کر گئے وہ ہرگز نہ مرے، وہ بیشک اپنے رب کے پاس گئے ہیں جیسا کہ موسیٰ گئے تھے، اور واپس آکر ان منافقین کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے،

اتنے میں صدیق اکبرؓ اُٹھ گئے اور حجرہ عائشہ صدیقہ میں داخل ہوئے، رسول کریم ص کے چہرہ مبارک کو غور سے دیکھا اور پھر بوسہ دیا۔ اور کہا،

”بَاۤی اَنْتَ وَاَقْبٰی طَبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا وَاَلَّذِیْ نَفْسِیْ بَیْدٌ لَا تَنْتَفِیْکَ اللّٰہُ الْمَوْتِیْنَ اَبَدًا اِنَّ اللّٰہَ وَاَنَا لِیْہِ رَاجِعُوْنَ“

میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں آپ حیات و ممات دونوں میں خوش حال ہیں قسم ہے اس کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اللہ آپ کو دوبارہ موت کا مزار نہ پکھائے گا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

صدیق اکبرؓ حجرہ سے باہر نکلے تو لوگوں کے ہجوم پر نظر کی اور عمرؓ کو شمشیر برہنہ قسمیں کھاتے ہوئے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہؐ نہیں مرے جو شخص لے گا کہ آنحضرتؐ مر گئے میں اُس کا سر اڑا دوں گا، صدیق اکبرؓ نے عمرؓ کو آواز دی ”اے قسمیں کھانے والے ٹھہر جا، جلدی دکر عمرؓ اُس وقت ایک جوش کے عالم میں

میں تھے۔ صدیق اکبرؓ کی آواز پر توجہ نہ کی، آپ منبر پر چڑھ گئے، اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور جمع ہونے لگے، صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے نہایت مؤثر الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر کہا،

ابھا الناس من یعبد محمد افان محمدا | اے لوگو جو شخص محمدؐ کی پرستش کر لیا ہوتا
قد مات ومن کان یعبد الله فان الله | ہو جان لے کہ محمدؐ مگر کیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ
حقی لایوت، | کی عبادت کرتا ہو پس بے شک اللہ تعالیٰ

زندہ ہے اور نہیں مرے گا،

اس کے بعد قرآن شریف کی اس آیت سے استدلال کیا کہ "انک میت و انھم میتون" اور دما محمد الارسل قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضرہ واللہ شعیثا وسنبزی الشاکرین" محمد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پیشتر اور بھی رسول گزرے ہیں، پس کیا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم لوگ اپنی پچھلی عادت کی طرف لوٹ جاؤ گے، اور جو شخص اپنی پچھلی عادت پر لوٹ جائے گا پس وہ ہرگز اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائے گا، اور قریب سے کہ اللہ تعالیٰ شاکرین کو جزا دے گا، "رسول کریمؐ کی وفات پر یہ فتنہ اگر صدیق اکبرؓ نہ ہوتے ایسا برپا ہوتا کہ مسیحی دنیا کی طرح رسول کریمؐ کی آمد ثانی کا انتظار مسلمانوں کو قیامت رہتا، اور رسول اللہ ایک ایسے ہی اوتار سمجھے جاتے جیسا کہ ہندوستان میں جوئیں بدل بدل کر آتے رہتے ہیں، اور خدا پرستی جس کی اشاعت رسول کریمؐ تمام عمر فرماتے رہے نبوت پرستی کی صورت اختیار کر لیتی، روایتیں اور حکایتیں ہر ایک زبان پر ہوتیں اور آج ہمارے پاس ضخیم جلدوں میں ان کا ایک مجموعہ ہوتا، اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ ہوتی جو ان ہی روایتوں اور حکایوں سے الہامی روح اخذ کرتے اور پیش گوئیوں کے الفاظ صدی مدعیان محمدیت کھڑے کر دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اریان مسیح میں بھی کوئی صدیق اکبرؓ کے پایہ کا شخص نہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ مسیحی دنیا اس وقت تک فتنہ مسیح میں مبتلا ہے،

اس موضوع پر ہمارا مضمون ”مسح کی آمد ثانی“ مشاہیر اسلام کے سلسلہ میں قابل توجہ ہے) +

صدیق اکبرؓ کی تقریر کا اثر لوگوں پر ایسا ہوا کہ گویا ایک پردہ آنکھوں کے آگے تہا جو اٹھ گیا، عمرؓ کے بدن پر عرشہ طاری تھا، لوگوں نے سمجھ لیا کہ فی الحقیقت عمل کریمؐ وفات پا چکے ہیں، بیقرانیوں کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی، تسلی کے عمرؓ کے دل لہانے والے الفاظ تھے کہ رسول اللہؐ نہیں مرے بلکہ حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا کے پاس گئے ہیں اور پھر آئیں گے لوگ ہمیشہ دل کو ایسے ہی خیالات سے دیا کرتے ہیں، یہ تقاضاے محبت ہے کہ محبوب کی فرقت کوئی شخص گوارا نہیں کرتا اس کا غلبہ انسان کو رب پرست بنا دیتا ہے، صدیق اکبرؓ نے اُس وقت آیات بیّنات سے نہ صرف رسول کریمؐ کی وفات پر استدلال فرمایا بلکہ ہر ایک رسول ہر ایک نفس کے لئے واللہ موت ناگزیر ہے، اور یہ نکتہ کہ رسول اللہؐ کی اگر کوئی پرستش کرنا چاہتا ہے تو سمجھے کہ آنحضرتؐ وفات پا چکے ہیں لطیف ہے، لوگوں نے اپنے اپنے قومی دیوتاؤں اور اوتاروں کو اسی پرستش کے لئے زندہ رکھا ہے، اور جب وہ آنکھوں کے سامنے نہیں ہوتے تو ان کی پتھر کی صورتوں کی پوجا ہوتی ہے، اور صدیق اکبرؓ کا یہ ارشاد کہ ”ومن کان یعبدا اللہ فان اللہ حی لا یموت“ موحّدین کے دلوں پر نقش ہونا چاہئے، نکتہ یہ ہے کہ ”عبادت اور حیات“ لازم و ملزوم ہیں اگر رب پرست یہ سمجھے لیں کہ ان کا محبوب نہ بھیج رہا ہے نہ سب سے حکیم تو بتوں کو کون پوجے گا، زندہ مردوں کی پرستش کیوں کر لگے گا،

”اسلام“ جس پر مفصل بحث ہم رسول کریمؐ کے حالات میں کرینگے دو موقوفی الا باللہ) بزرگوں کو ان کی مرث کے بعد خاک میں نہیں ملاتا، ان کو خاک میں تو نادان بت پرست ہی ملائے ہیں جو ان کی خاک کی پوجا کرتے ہیں اسلام تمہیں ان کی اسوۂ حسنہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

”قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ اذ قالوا لقومہم انابرء و

منکم و متابعین من دون الله) (تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی عمر چال چلتی چاہئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کھدیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں)

”لقد کان لکفھم اُسوة حسنة لمن کان یرجو الله والیوم الآخر ومن یتول فان الله هو الغنی الحمید“

والبتہ تحقیق تم کو ان ہی کے طریقہ پر چلنا چاہئے، اس پر وہی چلے گا جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہے اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پرواہ غویوں والا ہے،

”لقد کان لکم فی رسول الله اُسوة حسنة لمن کان یرجو الله والیوم الآخر و ذکر الله کثیرا“

والبتہ تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے،

”یہ ہمیشہ کی زندگی ہے“ بُت پرستی مردوں کو پوجنا ہے، خدا پرستی حی لا یموت کی عبادت ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ معبود کے اوصاف عابد میں جلوہ شکن ہوں اور وہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کرے،

”اس اُسوہ حسنہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انتہائے ترقی تک پہنچ جاتا ہے، جو شخص کسی کے نقش قدم پر چلتا ہے اسی قیام پر پہنچے گا جہاں اُس کا رہنا پہنچا ہے اور اُس میں وہی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اُس کے ہادی میں ہوتی ہیں، صدیق اکبر کے متعلق رسول کریمؐ کا ارشاد کہ

”جو کچھ میرے سینے میں تھا وہ میں نے ابو بکر کے سینہ میں بھر دیا، بالکل بچا ہے اور امام اور مقتدا کی سب سے زیادہ یہی تعریف ہے کہ مقتدی کو امامت و اقتدار حاصل اور اُس میں امامت اور اقتدار کی صلاحیت پیدا کر دے، اسی واقعہ نے جو رسول کریمؐ کی حیات و ممات کے متعلق ٹھکانا ثبت کر دیا کہ صدیق اکبر رسول کریمؐ کے بعد مسترین

خلاتی تھے، اور چونکہ صحابہ میں مصداقیت کم و بیش موجود تھی اس لئے وہ آپ کی طرف جھکے اور نہ عمرؓ کا جو شمسِ محبت جو کم و بیش ہر ایک دل میں موجزن تھا ایسا نہ تھا کہ ان کو کسی اور طرف متوجہ ہونے دیتا، بہر حال "فتنہ آمد ثانی" کا تسلیعِ قمع صدیق اکبرؓ ہی کے ذریعہ ہوا، اور اسی لئے ظاہر ہوتا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے اپنے بعد مسرت کو ایسی سرپرستی میں چھوڑا جس نے حقِ نیابت کما حقہ ادا کیا۔

بیعتِ سقیفہ

۔ فتنہ آمد ثانی کے بعد ایک اور فتنہ اٹھا، اول الذکر اگر برابر تھا، اسلام کے لئے مضر تھا، مؤخر الذکر نے خلافت کو خطرہ میں ڈال دیا، صحابہ رسولِ کریمؐ کی تجویز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ طلاع ملی کہ انصار بنی ساعدہ کے سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں تاکہ سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں، یہ سننا تھا کہ صحابہ مجاہدین مزاحمت کے لئے تیار ہوئے، صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کو آنحضرتؐ کے پاس چھوڑا اور آپ مع حضرت عمرؓ و ابو عبیدہ بن جراح سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے، دیکھا کہ انصار کا جوم ہو رہا ہے، حضرت عمرؓ رستہ میں سوچ بچار کر کے گئے تھے کہ انصار کو اس طرح اور اس طرح سمجھاؤں گا، جس وقت سقیفہ پر پہنچے تو انصار کو

خط سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ ساعدی ہیں اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے، صاحبِ وجاہت اور ریاست تھے، بعض اقوال کے مطابق بدر میں شامل ہوئے، دیگر تمام مشاہد میں انصار کا علم آپ کے ہاتھ میں رہتا، فتح مکہ کے دن رسولِ کریمؐ کا نشان آپ کے ہاتھ میں تھا، جب ابوسفیانؓ کے پاس گئے تو جوش میں آکر کہہ کہ الیوم یوم المصطفیٰ الیوم یوم یحل الحکمۃ یعنی آج کا دن الٰہی کا دن ہے آج کا دن حجت و کبریا حلال ہے، ابوسفیانؓ نے کہا کہ آج آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے، سعد ابوسفیانؓ خیال کرتا ہے کہ رسولِ کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رحم کرنے کا دن ہے، آج خدا تعالیٰ نے قریش کو عزت دی ہے، اس کے بعد بایات سعد رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ غمور اور پر جوش، دلیر اور بہادر و فیاض تھے، آپ کا مزار شریف واقع دمشق میں ہے۔

مخاطب کر کے کہا کہ تم کو خوب یاد ہو گا کہ رسول اللہؐ نے ہم کو تمہارے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے اور یہ ہر نہیں سکتا اگر امارت مہاجرین قریش کی نہ ہو، اگر تم کو استحقاق امارت پہنچتا تو آنحضرتؐ تم کو ہمارے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتے عمرؓ نے اتنا کہا تھا کہ جناب بن المنذرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عمرؓ اور جناب ہمیں گفتگو بڑھ گئی، جنابؓ کہتے تھے کہ اسلام کی اشاعت ہمارے ذریعہ سے ہوئی ہے، یہ وہی قریش ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کو وطن سے نکالا، اور ہم نے پناہ دی، اور ہر ایک موقع پر جان و مال سے مدد دی ہم لوگ خلافت رسول اللہؐ کے مستحق ہیں لیکن بخیال نزاع یہ کہتے ہیں کہ ایک ان میں سے امیر ہو اور ایک ہم میں سے اس کے بعد عمرؓ سے کہا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو تلوار سے فیصلہ ہو سکتا ہے ابو عبیدہ بن جراح جنابؓ اور عمرؓ کے درمیان آگئے کیونکہ دونوں جوش سے بھرے ہوئے تھے، اور خوف تھا کہ اگر بات بڑھ گئی تو تلوار تک نوبت پہنچ جائے گی، ابو عبیدہ کہتے تھے کہ اے گروہ انصار! اللہ سے ڈرو تم لوگ وہ ہو جنہوں نے سب پہلے آنحضرتؐ کی مدد کی، اب تم سب سے پہلے نزاع کا باعث نہ بنو، مگر اس وقت نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سننا تھا، صدیقؓ بڑھے اور عمرؓ کو کہا کہ چلے کہو، اس کے ساتھ ہی تمام حاضرین پر خاموشی چھا گئی اور آپؐ کی طرف توجہ ہو گئی، آپؐ نے انصار کو مخاطب کر کے برجستہ تقریر فرمائی جس کا لب لباب ہم تک اس طرح پہنچا ہے۔

مے گروہ انصار! ہم لوگ سابقین اولین ہیں، رسول اللہؐ کے ساتھ رہے اور کفار کے ہاتھوں سے ایذا میں اٹھائیں، آنحضرتؐ کے ہمراہ وطن بالوت کو چھوڑا، خویش و اقارب سے منہ موڑا، املاک کو ترک کیا اور اپنے بھائی بندوں سے لڑے، اس میں کچھ شک نہیں کہ تم کو حق نصرت پہنچتا ہے اور تم سابق الاسلام بھی ہو، لیکن امارت کے بارہ میں ہم سے مت جھگڑو، یہ نزاع خادرجلی کا باعث ہوگی، یقیناً قریش تمہاری امارت کو پسند نہ کریں گے، لیکن قریش کی امارت کے ساتھ تمہاری وزارت دہستہ ہے۔

جنابؓ بن المنذرؓ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ بشیرؓ بن سعدؓ نے کھڑے ہو کر حضرت ابو بکرؓ

کی تائید کی، جناب نے برہم ہو کر بشیر کو کہا کہ "اے بشیر تو نے بڑی بُزدلی کی" بشیر نے جواب دیا "بھائی تو جانتا ہے کہ میں بُزدل نہیں ہوں لیکن تو نے ابو بکرؓ کی بات کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جو کچھ وہ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔"

صدیق اکبرؓ نے عمرؓ اور ابو عبیدہ رضی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے گروہ انصار میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت کرو، دونوں نے انکار کیا کہ آپ کی موجودگی میں ایسا ہو نہیں سکتا، بشیر رضی نے ہاتھ بڑھا کر صدیق اکبرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور تمام حاضرین کو صدیق اکبرؓ کی بیعت کے لئے کہا، عمرؓ نے سہقت کی اس کے بعد ابو عبیدہ رضی اور اس کے بعد ہر کہ وہمہ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاتا تھا، دیکھتے دیکھتے ہر طرف سے مجاہدین اور انصار کا ہجوم ہو گیا، ہر ایک شخص خوشی خوشی صدیق اکبرؓ کے دست حق پرست پر بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا، سعد بن عبادہ ابھی تک ایک طرف خاموش بیٹھے تھے لوگ اشتیاق بیعت میں ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے ازراہ مزاح کہا کہ دیکھنا کہیں دب کر نہ مر جائے عمرؓ بولے (نقلہ اللہ) خدا کی مائیں پر! سعد بگڑ گئے اور عمرؓ سے دست و گریبان ہونے کو کہتے کہ صدیق اکبرؓ نے روک دیا، اس کے بعد سعد نے بھی ہاتھ بڑھایا اور بیعت کی۔

افسوس ہے کہ ہم تک بیعت سقیفہ کے مفصل حالات نہیں پہنچے اور بالخصوص وہ تقریر جو صدیق اکبرؓ نے مجاہدین اور انصار کے روبرو کی، لیکن واقعات اور حالات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت تقریروں کا وہ اثر نہیں ہوا جو صدیق اکبرؓ کی شخصیت کا تھا، امارت کا سوال تقریروں سے خواہ کیسے ہی معقول ہوں حل نہیں ہو سکتا، لیکن شخصیت کا اثر ہو سکتا ہے، اور بالخصوص صدیق اکبرؓ کی شخصیت کا اثر تھا کہ انصار کے خیالات فوراً بدل گئے اور اسی وقت بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، ایسے وقت میں جبکہ خلافت کا فیصلہ تلوار پر آٹھیرا تھا جبکہ مدینہ میں ابھی تک منافقین کی کثرت تھی اور اس ہنگامہ کو برپا کرنا چاہتے تھے۔ کوئی صورت امن کی ہو سکتی تھی، اور اگر ایک دفعہ تلوار چل جاتی تو معلوم نہیں کہ کس طرح

یہ سب روایت طبری سونے ہی بیعت کر لی مگر بعض روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ سونے بیعت نہیں کی لیکن چونکہ مدینہ میں اقامت دشوار تھی اس لئے شام کی طرف چلے گئے، اور وہاں ایک جن نے انہیں قتل کر دیا اس کو مائی پرہم اعتبار نہیں کرتے +

نیام میں ہوتی اور اسلام اور خلافت کا کیا حشر ہوتا، آئندہ واقعات نے جنہیں ہم مفصل بیان کریں گے ثابت کر دیا ہے کہ اگر اس وقت مہاجرین اور انصار میں تلوار چل جاتی تو مہاجرین کو مکہ کی طرف ہجرت کرنی پڑتی اور مہلوم نہیں کہ وہاں اُن کی کیسی آؤ بھگت ہوتی اور اگر مہاجرین انصار پر کسی وجہ سے غالب آجاتے تو یہ بھی مدینہ نہیں بجا لیتا اس میں روکتے تھے نتیجہ خواہ کچھ ہی ہوتا خلافت قائم نہ ہو سکتی بلکہ کچھ اور ہی صورت ہوتی، اور خدا ہی کو معلوم ہے کہ کیا صورت ہوتی، اور غالباً استحقاق خلافت کی مذموم بحث جو آج کل کے مسلمانوں میں اول، داسخہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی ہوتی، حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے درمیان بھی سوال خلافت زیر بحث تھا، برائے قاطع یعنی تلوار نے بھی اُس کا قطعی فیصلہ نہ کیا، نتیجہ پر

نمبر ۱۹ بیان کیا جاتا ہے کہ سید بن عبادہ کی طرح حضرت علیؑ ہی عہدِ خلافت سے گریا ہوا تو کعبہ کی بات نہیں لہجہ ہی سے ہے ہر ایک مومن صالح کو حق خلافت پہنچتا ہے حضرت علیؑ تو بدرجہ اولیٰ اس کے تھے لیکن جب جمہور نے صدیق اکبرؑ کی بیعت پر اتفاق کر لیا تھا تو کیا وہ ہے کہ حضرت علیؑ ابھی تک مذہب کی حالت میں تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نہ صرف حضرت علیؑ بلکہ زبیرؓ و طلحہؓ نے بھی بیعت سے تخلص کیا، یہ بھی روایت ہے کہ ابوسفیانؓ نے حضرت علیؑ کو ابھارا اور کہا کہ تمہاری موجودگی میں امدت کا کوئی اور شخص مستحق نہیں، یہ عجیب بات ہے کہ حکومت سلطنت و قیام کے سب سے اوّل اور حقیر قید میں چلی جائے، اس کے بعد حضرت علیؑ دم کو کہا کہ نہ اٹھ نہ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں اور اگر تم چاہو تو ابھی ابھی میں ابوبکرؓ پر اس میدان کو تنگ کر دوں اور اس کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں، حضرت علیؑ دم سے نہ فرمایا کہ اسے ابوسفیانؓ بحالت کفر کو آخر دم تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنا رہا اور جب تک مایوس نہ ہو اختیار نہ ڈالے، اب برفتنہ کا ارادہ رکھتا ہے؟ اور اسلام میں آتش فساد ہشت تلک کرنا چاہتا ہے، مجھے تیری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں؟۔

ابوسفیانؓ تو اپنا سامنا ملے کرہ آپس ہوا، غالباً کہ کو اور وہاں سے اسی ارادہ سے گیا تھا۔ اور حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور انوس کے ساتھ کہا کہ آپ نے سقیفہ میں بیعت کے متعلق مجھ سے مشورہ کیوں نہ لیا؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں میرا جانا بیعت کی غرض سے نہ تھا بلکہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے جو انصار و مہاجرین میں دربارہ خلافت برپا ہو رہا تھا، اور اگر لوگ اُس وقت میرے نتیجہ پر بیعت نہ کرتے تو ایسا فتنہ برپا ہوتا جس کا فرو کرنا ناممکن ہو جاتا، حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی اس سے تشبیہ ہو گئی اور بیعت کر لی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو واقعات کا علم نہ تھا اختلاف بیعت کے متعلق تمام روایتیں کم و بیش ناقابل اعتبار ہیں،

مہاجرین اور انصار میں سے کسی شخص نے بیعت سے انکار نہیں کیا، اسی طرح حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو جب صحیح مسجع واقعات کی اطلاع ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بطیب خاطر بیعت کی، اور مجاہدین غور سے اس نہایت فرائض صحتی سے امیر المؤمنین و طیفہ المسلمین کے تحت بازو بنے رہے۔

دنیا و اسلام صد سال سے خون کے آنسو رو رہی ہے، افسوس صفین میں ایسی ہی شخصیت کی ضرورت تھی جیسے سقیفہ میں

بیعت عامہ

”صدیق اکبرؓ نے دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ لی اور حاضرین کو مخاطب کر کے اس طرح تقریر کی :-

”ایہا الناس قد ولبت علیکم ولست
بمخیرکم فان احسنت فأعینونی وان
اسأت فقومونی الصدق امانة والکذب
ضیانة والضعیف فیکم قوی عندی
حتی اخذ له حقه والقوی ضعیف عندی
حق اخذ منه الحق ان شاء الله تعالیٰ
ہے جب تک اُس سے کم زور کا حق نہ لے لوں، انشاء اللہ تعالیٰ۔

”لا بد ۶ منکم الجهاد فانه لا یدعه قوم
الا ضرر یجهد الله بالذل اطیعونی ما
اطعت الله ورسوله فاذا عصیت الله
ورسوله فلا طاعة لی علیکم قوموا لی
صلاتکم رحمکم الله“

تم پر واجب نہیں، اٹھو، نماز پڑھو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔
”اس مختصر تقریر میں صدیق اکبرؓ نے حریت و مساوات و صداقت و عدالت کو
ایک ہی فقرہ میں بیان فرمایا ہے، اور دوسرے فقرہ میں واضح بیان فرمایا ہے کہ
خلافت صرف اسلام سے وابستہ ہے، اگر خلیفہ اللہ اور رسول کے احکام سے نافرمانی
کرے تو اُس کی اطاعت واجب نہیں۔ اس تقریر میں صدیق اکبرؓ نے

خلافت کو ولایت سے تعبیر کیا ہے، اور ان تمام ذمہ داریوں کو اسی ایک لفظ کے ذریعہ واضح کر دیا جو آپ پر عائد ہوتی ہیں، ان ہی ذمہ داریوں کے احساس نے آپ کے منہ سے یہ فقرہ نکل آیا کہ نیک کاموں میں میری امداد کرو اور اگر کچھ خطا ہو تو مجھے دلیری کے ساتھ روکو، اس فقرہ میں حریت کی روح بول رہی ہے، اس کی تشریح میں دفتر لکھے جاسکتے ہیں، کسی شخص کا ولی اُس شخص کی بہتری اور بہبودی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس لئے اس کا سچا دوست اور کارساز ہوتا ہے، اگر ولی ولایت کو ذاتی منفعت اور مفاد کا ذریعہ بناتا ہے تو خائن ہے، اور ولایت کی صلاحیت نہیں رکھتا، صدیق اکبرؑ کا یہ ارشاد کہ نیک کاموں میں میری امداد کرو اور برائی سے روکو جمہور کی بہتری کے لئے ہے اور اس کے ساتھ اُس ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے جو جمہور پر عائد ہوتی ہے، لیکن اُس کا احساس حریت کے احساس کے بغیر ناممکن ہے اور اس کے ساتھ ”مساوات“ کا احساس بھی لازم ہے، یہ ذمہ داری جو جمہور پر عائد ہوتی ہے صدیق اکبرؑ کے فقرہ سے واضح تر ہم نہیں بیان کر سکتے کہ ”صدق امانت ہے“ اور کذب خیانت ہے“ ”المستشار معون“ (مستشار مشورہ کا امانت دار ہوتا ہے) اس لئے مشورہ صدق کو لئے ہوئے ہوا نہ کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ اور صداقت کا اظہار خصلاتی جرأت کے بغیر ناممکن ہے، اور کذب حریت کی روح کے لئے فنا کا عذاب ہے اگر اظہار صداقت میں جان کا خطرہ ہو، اور اگر کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو تو خیانت ہے۔

”مساوات اور عدالت“ کی تعریف اس سے بہتر مثال میں نہیں ہو سکتی کہ زبردست میرے نزدیک زبردست ہے جب تک کہ زبردست کا ہاتھ ظلم سے کوتاہ نہ کر دوں اور زبردست زبردست ہے جب تک اُس کے حقوق محفوظ ہیں یعنی کوئی شخص کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتا، اور کوئی شخص کسی شخص کا حق غصب نہیں کر سکتا، اسی ایک فقرہ سے ولایت کی ضرورت اور ولی کے فرائض منصبی کا ذکر فرمایا کہ عدالت کے ذریعہ مساوات کو قائم رکھنا چاہیے۔

” اطاعت کے متعلق فرمایا کہ ”جب تک خلیفہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے لوگوں پر اس کی اطاعت فرض ہے“ اور جب اللہ اور رسول کی نافرمانی کرتا ہے لوگوں پر اطاعت واجب نہیں ہے

نہیں۔ قرآن شریف کی حسب ذیل آیات پر عمل کرنا چاہئے :-

ان الله يأمركم ان تؤدوا الامارات الى اهلهما واذ حكمكم بين الناس ان تحكموا بالعدل ان الله نعنا يعظكم به ان الله كان سميعا بصيرا يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم قومون بالله واليوم الآخر ذلك خير واحسن تاويله

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانتیں اہل باطن و اذن حکم بین الناس ان تحكموا با عدل ان اللہ تعالیٰ عطا کرے فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ جو نصیحت کرتا ہے تمہارے حق میں بہت اچھی ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سنتا اور سب کو دیکھتا ہے، مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور حکم مانو رسول اللہ کا اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں اور اگر کسی امر میں تم راہ راہی الامر آپس میں جھگڑ

پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی پرستش ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف ہوجو کہ ” اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم “ میں اطاعت کا حکم ایک تو اللہ کے ساتھ اور دوسرے رسول اور اولی الامر کے ساتھ آیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اور اولی الامر کا حکم ایک ہی ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ ”من اطع الرسول فقد اطاع الله“ جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ ہی کا حکم مانا اس لئے اللہ ہی کا حکم مانا (۵-۷)

” دھا اور سلطان رسول الایطاع باذن اللہ “ راہ جو رسول ہم نے بھیجا اس کے پیچھے سے ہمارا مقصود یہی رہا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کا کمانا مانا جائے (۵-۷)

اس لئے اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت ایک ہی ہے، رسول اور اولی الامر صرف اللہ کے حکم کے اعلان کرنے کا ذریعہ ہیں اس لئے حکم ایک ہی ہے، اطاعت اولی الامر بشرطیکہ اس کا حکم اللہ و رسول کا حکم ہو، اللہ و رسول کے حکم کا مخالف نہ ہو فرض ہے،

” یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں اولی الامر سے مراد خلیفہ نہیں ہے جو بعد وفات رسول کریم پر بر حکومت ہو، بلکہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کی زندگی میں مختلف مقامات کی طرف روانہ کئے گئے تھے مثلاً یمن، عمان وغیرہ خلفاء رسول اللہ ص کی جگہ ہیں، اور اولی الامر عمال خلافت ہیں آیات مجملہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ اگر اولی الامر عدل کے ساتھ کسی امر میں فیصلہ نہ کریں تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس لئے اگر عدل خلافت کوئی ایسا ہی غلط فیصلہ نہ کرے تو خلیفہ کی عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور خلیفہ کو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہئے، مگر چونکہ یہی سب سے اعلیٰ اور آخری عدالت ہے اور اسی لئے خلفاء شورش کے بعد اسے ص

اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت صرف اسلام سے وابستہ ہی اور خلیفہ رسول کی عدم موجودگی میں وہی کام کرتا ہے جس کے لئے رسول مامور ہوتا ہے، اس کی حیثیت اولی الامر سے اعلیٰ ہوتی ہے، بلکہ اس کا تفسر خلیفہ کے ماتھے میں ہوتا ہے، جب اولی الامر کی اطاعت قرض ہے تو خلیفہ کی بدرجہ اولیٰ فرض ہوئی اولی الامر کا فیصلہ اگر عدل پر مبنی نہ ہو تو خلیفہ کی عدالت اس کو رد کر سکتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر خلیفہ ایسا ہی غلط فیصلہ کرے تو چارہ کیا ہے؟ یہ ایسا ہی سوال ہے کہ اگر رسول کسی امر غلط فیصلہ کرے تو چارہ کار کیا ہے؟

اس میں کچھ کلام نہیں کہ ”إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ (۱۳-۱۲) رسول ہو یا خلیفہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے گا، اور ان کو ایسا ہی کرنا چاہئے ورنہ وہ اپنے فرائض منصبی کو ادا نہیں کرتے، اگر وہ بددعا و دانستہ احکام الہی کو نظر انداز کرتے ہیں، صحیح احکام کی موجودگی میں رسول یا خلیفہ کو کسی شدت کی ضرورت نہیں، لیکن امور میں ہے جن کی کوئی انتہائی نہیں، اور یہ اس لئے کہ احکام محدود ہوتے ہیں اور ہر ایک امر کے عین مطابق نہیں ہوتے، اس لئے استنباط اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے، جن میں غلطی کا احتمال ہے، لیکن یہ احتمال بالکل خفیف رہ جاتا ہے اگر کسی امر کا فیصلہ شولے کے ذریعہ ہو، رسول کی غلطی کا ازالہ تو بذریعہ وحی ہو سکتا ہے اور ہونا کرنا، لیکن خلیفہ کی غلطی کا ازالہ اس طرح نہیں ہو سکتا، اور اسی لئے علمائے کرام نے اجتہادی غلطی کو تو اس پر قرار دیا ہے جو نیک نبی پر مبنی رہتی ہے۔

لیکن بظاہر مسدق الکبریٰ کا اشارہ و بارہ اطاعت ان دامو کی طرف نہیں ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی طرف۔
بقیہ نمبر ۲ ہر ایک امر کا فیصلہ کرتے تھے تاکہ غلطی کا احتمال کم ہو، اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہو گا وہ عدل سے کبھی تجاوز نہ کرے گا۔

یعنی خلیفہ اگر اللہ و رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس لئے اُس کی اطاعت فرض نہیں ہے۔

”صدیق اکبرؓ کی تقریر میں آسمانی بادشاہت“ کی روح بول رہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت فرض ہے خواہ بذریعہ رسول ہو یا خلیفہ یا اولی الامرؓ اور احکام الہی کی تعمیل کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے خواہ بذریعہ رسول صادر ہو یا بذریعہ خلیفہ یہی ”اسلام“ ہے اور یہی خلافت کی روح ہے۔

زمین ہی اللہ کی ہے اور جو کچھ زمین پر ہے وہ ہی اللہ کا ہے، بندے بھی اللہ کے ہیں اور ان پر حکومت بھی اللہ کی ہے، یہی آسمانی بادشاہت ہے، اگر ہمیں یقین ہو کہ جو کچھ موجود ہے سب اللہ کی مخلوق ہے اور یہ کہ ہم کو اپنے اعمال کی سزا و جزا ملیگی اور ملتی ہے، تو اللہ اور آخرت پر ایمان، توحید و اتحوت کے ساتھ حریت و مساوات و صداقت اور عدالت اور اُس کے ساتھ آسمانی بادشاہت قائم کر دیگا، ایسی صورت میں ”اطاعت“ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کی ہے، اسلام کی یہی تعریف ہے اور صدیق اکبرؓ کی تقریر کا یہی مفہوم ہے۔

رقت

”وکیہو ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بونے وقت دانے کچھ پھریلی زمین پر گر گئے

جان انہیں بہت مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اُگ آئے اور جب سورج نکلا تو جل

گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گئے“ (بخاری ص ۱۳۰ - ۱۳۱)

”فتح مکہ کے بعد جب قریش کی مخالفت کا زور ٹوٹ گیا اور کوئی طاقت ایسی

سنگ راہ نہ رہی جو لوگوں کو اسلام سے روکتی تو لوگ دین حق میں فوج فوج داخل ہونے لگے، قبیلہ قریش عرب میں بوجہ تولیت کعبۃ اللہ خاص اقتدار رکھتا تھا تمام قبائل

نہیں ”وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (۱۰۵-۱۰۶)“

”وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۱۰۶-۱۰۷)“

”وَإِنَّا لَنَاصِرُ الْكَتَّابَ الْبَاطِلِ فَا حْكُمُ بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ (۱۰۷-۱۰۸)“

عرب کی نگاہ اسی پر تھی۔ جب اس نے اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو کچھ کسی کو سراٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا، اس لئے فتح مکہ کے بعد قبائل خود بخود آنحضرتؐ کی خدمت میں آنے لگے۔

قبیلہ بنو تمیم کا وفد غزوہ تبوک کے بعد حاضر ہوا، مسجد نبویؐ میں یہ لوگ جہل ہونے پر بلند آواز سے رسول کریمؐ کو پکارا کہ ”اُخْبِیْ یَا مُحَمَّدٌ“ (اے محمدؐ باہر آؤ) آنحضرتؐ نے گھر سے باہر تشریف لائے تو کہا کہ ہم اپنے خلیب اور شاعر کے ساتھ فخر کرنے کو آئے ہیں۔ عرب کا یہ قدیم دستور تھا کہ جب ان کے رؤسا کسی جگہ جاتے تو ان کے ہمراہ خطیب اور شاعر بھی ہوتے جو ان رؤسا کے اوصاف و فخریہ نظم و نثر میں بیان کرتے اور یہاں تک مبالغہ کرتے کہ خدا کی خدائی میں کوئی ان کا مثل نہیں، یہی کچھ بنو تمیم خطیب اور شاعر نے کیا، رسول کریمؐ بتقاضائے خلق عظیم عزت و احترام سے پیش آئے اور فرمایا ”اَقْبِلُوا الْبَشَرِیَّ یَا بَنِیْ تَمِیمِ“ (اے بنی تمیم، بہشت کی) بشارت کو قبول کرو) (کہا کہ ”بَشَرُکُنَّا فَاطَیْطًا“ (بشارت تو دی مال بھی دلو، اور جب یہ لوگ حُضرت ہونے لگے تو انعام و اکرام سے تالیف بھی فرمائی۔

”عامر بن مضعہ کا وفد آیا تو عامر نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ”اے محمدؐ اپنے بندے کے لئے حکومت کی وصیت کرنا“ فرمایا یہ نہ تیرے لئے ہے اور نہ تیری قوم کے لئے اور جبکہ جاہل و بے پھر عامر نے کہا کہ اچھا تم مجھے جہل اور میدان دید و اور اپنے لئے آبادی اور شہر اختیار کر لو، یہ شخص مدینہ سے نکلنے سے پہلے یہ دھمکی دے گیا کہ میں اس میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا، لیکن اسے اس کا موقع نہ ملا کیونکہ رہستہ میں بغاوت مٹا دی گئی۔

بنو معتب کا وفد آیا تو بیعت اور اسلام کے ساتھ یہ شرط پیش کی کہ ان کا بت ”لاست“ تین برس تک نہ توڑا جائے، اس عرصہ میں ان کی ضعیف الاعتقاد عورتیں اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گی، رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف انکار کیا تو یہ ترمیم پیش کی کہ ان کا بت خود ان کے

ہاتھ سے نہ توڑ دیا جائے، آنحضرتؐ نے یہ استدعا منظور فرمائی رچنا پچھ
مغیر بن شعبہؓ نے لاف کو توڑا معتب دور کھڑے حیرت انگیز خوف کے ساتھ
یہ نثارہ دیکھتی رہے، اس کے بعد وفد نے یہ شرط پیش کی کہ نماز معاف کر دی جائے
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لاخیر فی دین لا صلوة فیہ، (اُس دین میں کوئی بہتری نہیں
جس میں نماز نہیں ہے)

بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ ایک شخص میلہ بن حبیب بھی تھا آنحضرتؐ نے
اُن لوگوں کو عزت و احترام سے جگہ دی، میلہ نے آنحضرتؐ کی روز افزوں طاقت کا
راز معلوم کرنا چاہا تو خیال کیا کہ آنحضرتؐ ایک نئے دین کے مخترع ہیں اور ہر ایک
جدید شے لذیذ ہوتی ہے، قرآن سنا اور ارکان اسلام کی طرف توجہ کی، اور ایک
دو روز میں جو کچھ ہو سکا نیا سبق حاصل کیا، واپس لوٹا تو دعویٰ نبوت کیا۔

الغرض یہ اور اسی قسم کے وفود اکثر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کم نمبر
ایک زبردست طاقت کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے اور طاقت و مال و دولت
کی طمع پراتے تھے، اسلام سے ہر ایک کم و بیش بے خبر تھا، اور جب خواہشات پوری
ہوتی نظر نہ آئیں بلکہ نماز کی تاکید کے ساتھ روزے بھی گلے پڑے اور اس پر طرہ یہ کہ
زکوٰۃ و صدقات کا حکم ہوا تو خیال کیا کہ بیٹھے بٹھائے تکلیف میں مبتلا ہو گئے اور قریش
تمام عرب کو باج گزار بنانا چاہتا ہے، اسلام اور اسلام کی برکتوں سے کچھ ہی لوگ
واہم تھے جو آنحضرتؐ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے، جو اپنی جان اور مال اسلام پر
فہان کر چکے تھے، جو اپنے وطن اور املاک کو چھوڑ بیٹھے تھے، جو ایمان کسی انسانی یا
فیزیکی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض اسلام کی خاطر لائے، لیکن ایسے لوگ جو اسلام
کی حقیقت سے بے خبر تھے صرف اسلامی روز افزوں طاقت سے خائف تھے،
ادھر رسول کریمؐ کے انتقال کی خبر شہرِ یمنی اور ادھر کل قبائلِ عرب مرتد ہو گئے،
اگر صرف امداد پر کفایت کرتے تو ممکن تھا کہ رفتہ رفتہ پھر لاواست پر آتے، لیکن
ان قبائل نے صرف عمالِ رسول کریمؐ کا قبالہ کیا بلکہ مدینہ پر خطہ کی تیاری میں مصروف

ہو گئے۔

”صدیق اکبرؓ عنانِ خلافتِ ہاتھ میں لے کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسامہ بن زیدؓ کو اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا جس پر ان کو آنحضرتؐ چند روز پیشتر مامور فرما چکے تھے انصار نے یہ مشورہ دیا کہ یہ وقت ایسی اہم مہم کا نہیں ہے، پہلے گھر کی خبر لو، مرتدین سے فارغ ہو کر یہ بھی سرانجام ہو سکتی ہے۔“ صدیق اکبرؓ غصہ میں اٹھل پڑے اور کہا کہ کون ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ رسول کریمؐ کے ارشاد کے خلاف عمل کرے، واللہ میں ہر ایک کام جو رسول کریمؐ اوصو را چھوڑ گئے ہیں سب سے پہلے پورا کروں گا۔“ اور جب یہ مشورہ دیا گیا کہ اسامہؓ کی جگہ کسی معتر آدمی کو سپہ سالار مقرر کرنا چاہئے تو سخت برا فروختہ ہوئے اور کہا کہ ”جس کو رسول اللہؐ مقرر فرمائیں کون اُس کو معزول کر سکتا ہے، جب تک میں اسامہؓ کو اس مہم پر روانہ نہ کر لوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔“

اور صدیق اکبرؓ نے اسامہؓ کو بلا و شام پر حملہ کے لئے روانہ کیا اور ہر قبائل عرب کے مرتد ہونے کی متوشخّص خبریں آنے لگیں۔ اس حالت میں اگرچہ صدیق اکبرؓ بالکل خلوش نہیں رہے مگر اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ رؤساء مرتدین کو نامہ و پیام میں مشغول رکھا، لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا، اتنے میں یہ پرچہ لگا کہ قبیلہ عبس و ذبیان متفقتہ طاقت سے مدینہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ بنی اسد و بنی کنانہ بھی ان کی پشت پر ہیں صدیق اکبرؓ نے اُس وقت مہاجرین و انصار میں سے ان تمام آدمیوں کو مسجد نبویؐ کے سامنے جمع کیا جو اسامہؓ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور حضرت علیؓ و زبیرؓ و طلحہؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ کو مدینہ کے باہر شہر کی حفاظت پر مامور کیا، قبیلہ عبس وغیرہ کا ایک وفد آیا، اور صلح کی شرائط پیش کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ نماز کی رکعتیں کم کر دی جائیں اور زکوٰۃ بالکل معاف کر دی جائے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ واللہ اگر لوگ ایک عقّال رجس سے اونٹ کے پاؤں باندھتے ہیں نہ دیں گے، تو میں ان پر جہاد کروں گا، اور صلوة خمسہ سے ایک رکعت بھی کم نہ کی جائے گی۔ وہ اپنا سامانہ لیکر واپس ہوا، لیکن مرتدین کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، اس لئے بلا اطل مدینہ

پر حملہ آور ہوئے، صدیق اکبرؓ نے اہل مدینہ کو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی کمک پر روانہ کیا، اگرچہ مسلمانوں نے مرتدین کا استقبال نہایت جوش کے ساتھ کیا اور ”ذی شخب“ تک مرتدین پسپا ہونے لگے، لیکن مرتدین نے بہتر متفقہ طاقت سے هجوم کیا اور مسلمانوں کے پاؤں اکٹھے کر دیے، اور ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ مدینہ میں اگر دم بیا، صدیق اکبرؓ نے پرگندہ جمعیت کو پھر جمع کیا اور نماز فجر کے بعد بنفس نفیس مدینہ سے باہر مرتدین کے مقابلہ کے لئے نکلے، حضرت علیؓ نے بڑھ کر سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ خلیفہ رسول اللہؐ کہاں جا رہے ہو، میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوم احد میں آنحضرتؐ سے کہا تھا، خدا کے لئے اپنی تلوار نیام میں کر لو، تم بڑا تہ نہ لڑنے جاؤ، اگر کہیں چشم زخم پہنچا تو نظام اسلام مٹ جائے گا۔“

فجر سے ظہر تک میدان کارزار گرم، آخر صدیق اکبرؓ مجاہدین و انصار کے ساتھ ایک دفعہ مرتدین پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے دیکھتے ان کی غنیمت توڑ ڈالیں، مرتدین پریشانی کے عالم میں تتر بتر ہو گئے، صدیق اکبرؓ نے ذی شخب تک تعاقب کیا۔

”اسی اثنا میں اسامہؓ شام سے فارغ ہو کر واپس آئے لیکن سفر کی کلفت نے اجازت نہ دی، فوراً صدیق اکبرؓ کے لشکر کے ساتھ شامل ہوئے، صدیق اکبرؓ نے اسامہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور مرتدین کا تعاقب جاری رکھا، ابرق پر مرتدین نے اپنا فوجی مرکز قائم کیا ہوا تھا اس پرچہ کر اڑے لیکن شکست کھائی، صدیق اکبرؓ نے اس جگہ چند روز قیام فرمایا اور نودیان کو باطل بیدخل کر کے مدینہ کی طرف مراجعت کی۔“

اگرچہ مدینہ مرتدین کے حملہ سے محفوظ رہا مگر اس اور دیگر مقامات پر ان کا زور تھا، انکی جمعیت یونانیوں کا بڑھ رہی تھی، عمال بھاگ بھاگ کر مدینہ کی طرف واپس آ رہے تھے، اور ان مختلف مقامات پر جہاں کہیں مسلمانوں کو کچھ جمعیت حاصل تھی مرتدین کے مقابلہ پر اڑے ہوئے تھے۔

مدینہ میں صدیق اکبرؓ نے کل فوج کا جائزہ لیا اور گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ پر ایک ایک سردار مقرر کیا، خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل اور عروہ بن

العاص اور حذیفہ بن یحییٰ اور عرقیہ بن ہرثمہ اور طریفہ بن حاجر اور سید بن مقرن اور علاء
حضرمی کو مختلف مقامات کی طرف مرتدین کے مقابلہ میں روانہ کیا اور بعد ازاں
شرعیل بن حسنہ کو خالد اور عکرمہ کی امداد کے لئے بھیجا اور اسی طرح وقتاً فوقتاً کمک
بھیجتے رہے۔

سرداران لشکر کی روانگی سے پیشتر صدیق اکبرؓ نے تمام رؤسائے مرتدین کے
نام فرمان لکھے اور ان ہی فرمانوں کا مضمون بذریعہ عام اعلان مشترک کیا، فرمانوں کا
مضمون ایک ہی تھا جس میں حمد الہی کے بعد رسول کریمؐ کی نبوت و رسالت کا منشا
وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا تھا، اور چونکہ یہ خیال دلوں میں نقش تھا کہ اگر محمدؐ بنی
ہوتے تو وفات نہ پاتے، اس لئے آنحضرتؐ کی وفات کے متعلق بھی تشریح کی،
اس کے بعد ظاہر کیا گیا تھا کہ فلاں فلاں امیر مہاجرین و انصار کے لشکر کے ساتھ تمہاری
طرف آ رہا ہے، اور اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تم سے جنگ کی ابتداء نہ کریگا، اور نہ کسی کو
قتل کرے گا، وہ سب سے پہلے تمہیں دعوتِ اسلام دیگا جو شخص قبول کرے گا
اُس کی مدد کی جائے گی اور جو شخص انکار کرے گا اس سے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے۔
فرمان میں یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ ہمارا مقصد اس فرمان کو تمہارے مجمع میں پڑھنے کا اور
بذریعہ اذان و دعوت دیگا، جس وقت تم مسلمانوں کی طرف سے اذان سنو تم ہی اذان دو
یہ علامت اس امر کی ہے کہ تم نے دعوت قبول کر لی، یا ابھی تک اسلام برقرار ہو۔
اور اگر تم نے اذان نہ دی تو تم سے وجہ دریافت کی جائے گی اگر تم نے انکار کیا تو تمہارے
ساتھ جنگ کیا جائیگا، اس پر بھی اگر تم نے توبہ کی تو قبول کی جائیگی۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان واقعات کا مفصل تذکرہ لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان
حالات کی طرف توجہ دلائیں جو رسول کریمؐ کی وفات کے بعد فتنوں کی صورت میں
رونما ہوئے، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت اسلام معرض خطر میں تھا، اور اس
سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر آنحضرتؐ کا جانشین اس وقت کم زوری کا اظہار کرتا یا ضرورت
سے زیادہ سستی کرتا تو حق نیابت ادا نہ کر سکتا، اور یہ امر کہ ایسے فتنوں کا استیصال کسی ایسے

ہی شخص کے ہاتھوں سے ہو سکتا تھا، اور رسول کریمؐ کے بعد ان واقعات کی موجودگی میں خلافت کے بوجھ کا تحمل ایسا ہی شخص ہو سکتا تھا جو خاص امتیاز کی قابلیت رکھتا تھا بدیہی ہے۔

صدیق اکبرؓ کو جب یہ مشورہ دیا گیا کہ مہم شام ملتوی کر دی جائے تو انکار کیا اور فرمایا کہ جو کام رسول کریمؐ نے شروع کیا ہے اس کو سب پہلے تکمیل تک پہنچاؤں گا خواہ مجھے یہ ڈر ہو کہ کوئی قزاق مجھے مدینہ میں لوٹ لیگا اور کوئی درندہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کو اس خطرہ کا بھی احساس تھا جو ”ردت“ کی صورت میں رونما ہوا۔ اور یہ بھی علم تھا کہ مدینہ پر ضرور حملہ ہوگا۔ لیکن وہ اصول خلافت سے خوب واقف تھے۔ اور آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ صدیق اکبرؓ ان رموز کو بہتر سمجھتے تھے۔ صدیق اکبرؓ کو معلوم تھا کہ قبائل عرب کسی امر پر کبھی متفق نہیں ہو سکتے، اور اگرچہ قبائل کا متفقہ طاقت کے ساتھ حملہ آور ہونا خطرہ سے خالی نہ تھا، لیکن ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا تھا، یہ ممکن تھا کہ مرتدین کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ عرصہ دراز تک جاری رہتا لیکن صدیق اکبرؓ نے حالات کا صحیح اندازہ کر لیا تھا، اگرچہ ”ردت“ کی اہمیت کو بخوبی وزن کر لیا تھا لیکن ان کی نگاہ شام کی طرف لگی ہوئی تھی، اور یقین کامل تھا کہ قبائل عرب رفتہ رفتہ راہ راست پر آجائیں گے اگرچہ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا لیکن بالآخر ”ردت“ کا استیصال خاطر خواہ ہو جائیگا، لیکن شام کی طرف سے ایک ایسے مصیب دشمن کا وجود تھا جو تمدن دنیا پر قابض تھا، جس کے علم کے نیچے بے شمار قواعد و ان سپاہ آلات حرب سے آراستہ تھی، جو اس وقت عرب کی شمالی حدود پر جمع ہو رہی تھی جس کو تمام شام کے عرب متصرفہ اندو دے رہے تھے اور بحران اور عرب کے دیگر عیسائی قبائل سے ساز باز کر رہا تھا، اگر صدیق اکبرؓ مرتدین عرب کی طرف ہمہ تن مصروف ہو جاتے اور قیصر کی فوجیں عرب میں داخل ہو جاتیں تو جنگ کا اعلان مال تو ممکن ہی نہ تھا، قیصر کے ساتھ رفتہ رفتہ سب ملحق ہو جاتے اور عرب

کی آردادی کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہو جاتا۔
 صدیق اکبرؑ نے سب سے پیشتر شام کی طرف اسی لئے توجہ مبذول فرمائی کہ مرتدین
 و عرب متنصرہ اور رومی سپاہ کا پیش قدمی سے قطع تعلق کر دیا جائے، ردت پہنچا
 خود خطرناک تھی اور اس کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کچھ آسان کام نہ تھا، لیکن اگر
 مرتدین اور قیصر کا جس کو پہلے ہی عرب میں اقتدار حاصل تھا الحاق ہو جاتا تو ایسی شکل
 کا سامنا ہوتا جس کو سبھانا ناممکن تھا، اُسامہؓ کی مراجعت پر صدیق اکبرؑ نے جہاں
 مرتدین کے مقابلہ کے لئے فوج روانہ کی، ایک لشکر بسرکردگی خالد بن ولیدؓ بنی
 شام کی طرف بھیجا تاکہ قیصر کی پیشقدمی کو روکے، اس کا مفصل حال مناسب موقع
 پر بیان کیا جائے گا ۴

ردت بھجین

”ردت“ کا زیادہ تر زور یمن، تھمز موت، بھجین و عمان میں تھا جو عرصہ سے
 شامیان فارس کے زیر اثر تھے، اس میں کچھ شک نہیں کہ بنو کندہ اور آل منذر
 اپنی سابقہ امیرانہ طاقت جو ان کو شامیان فارس کی نیابت میں حاصل نہی کمال
 کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اگرچہ صدیق اکبرؑ کی توجہ شام پر لگی ہوئی تھی لیکن
 ان ممالک کی ردت سے بے فکر نہ تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھجین میں بنی عبد القیس تو اسلام پہنچا بہت قدم
 رہے لیکن بنی بکروائل مرتد ہو گئے، ان میں سے ایک وفد کسریٰ کے دربار میں
 حاضر ہوا، اور کسریٰ نے منذر بن نعمان بن المنذر المصطلق بن مغرور کو اپنا نائب مقرر
 کیا اور سات ہزار ایرانی سپاہ کے ساتھ مدینہ کی جانب مندر بھجین میں داخل ہوا
 بنی بکر سے تین ہزار آدمی اُس کے پاس جمع ہو گئے، بنی عبد القیس اُس وقت چار
 ہزار آدمی کے قریب اپنے رئیس جازوہ بن اہل کے ماتحت مقابلہ میں آئے لیکن شکست
 کھائی اور قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے، صدیق اکبرؑ کو یہی واقعات کی اطلاع ملی تو ا

بن اصفہری کو دو ہزار مہاجرین و انصار و تابعین کے ساتھ ملک کے لئے روانہ کیا۔
 بارود بن اسلمی ابھی تک تلخہ جراثی میں غصہ کرتے کہ علاء وقت پر آپہنچے، جاؤ وہ بھی
 فلسطین سے نکل کر ولید ابن مرتد بن حمزہ اور ہوسٹہ اجماعین نے بھی مورچہ قائم کر سنا
 اور اپنے گرد ایک خندق کھود رکھی تھی، عرب ہیرشہ کھلے میدانوں میں اڑنا پسند
 کرتے تھے اور خندق "مے وقت نہ تھے" آنحضرتؐ نے عہد میں جب کفار نے مدینہ کا
 محاصرہ ڈالا تو آنحضرتؐ نے مسلمان فارسی کے مشورہ سے مدینہ کے گرد ایک خندق
 کھودی جس کو کفار عبور نہ کر سکے، لیکن آپس میں چوکیوں کی طرف لگے، کہ یہ کیا سپاہیانہ
 فریب ہے! اہل مدینہ نے بھی عجیب سپاہ کے مشورہ سے ایک خندق کھود رکھی تھی
 جس کو مسلمان ایک ماہ کامل عبور نہ کر سکے۔

ایک رات علاء اپنے خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ مرتدین کے لشکر گاہ کی طرف
 سے شور و غل کی آواز سنائی دی، جاسوس خبر لانے کے لئے بھیجے معلوم ہوا کہ عجیب
 شراب میل بدست آگاہ جنگ میں مشغول ہیں، علاء نے فوراً خاموشی کے ساتھ
 حمایتی تیاری کی اور چیدہ جانباہوں کے ساتھ خندق کو سرعت مگر چپکے عبور کیا اور عجیب
 پرستوں کو بے خبری میں آگیا، اتنے میں مسلمانوں کا باقی لشکر بھی آگیا، اور مخالفین کی
 لاشوں سے خندق کو بھر دیا، بقیۃ السیف جزیرہ دارین میں پناہ گزین ہوئے لیکن علاء
 نے سرگرمی سے تعاقب کیا اور اس جگہ سخت خوں ریز لڑائی کے بعد عرب کو شکست اور
 بحرین کو مرتدین سے پاب کر دیا۔

رِوَتِ عُمَّان

بول کریمؐ کی وفات کے بعد "رِوَت" کی تاریخ میں یہ نہایت دلچسپ واقعہ تحریر ہوا ہے
 کسی نہ کسی شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور عوام کا لالچہ اس کے ساتھ ہو لئے چنانچہ
 عقیط بن مالک نے بھی دعویٰ نبوت کیا، ایام جاہلیت میں عوام کی حکومت اسی کے
 خاندان میں تھی، کچھ عرصہ طوفان بے تیزی برپا رکھا، حذیفہ بن محض ہنمری اور عرقیرہ کو

مسلم بن اکبر نے مقابلہ و قتالہ کے لئے روانہ کیا کچھ عرصہ فریقین میں جھجھکار
جاری رہی آخر عکرمہ بن ابی جہل بھی آپہنچے اور سرسے عثمان میں ایک فیصلہ کم
لڑائی میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

ردتِ یمن

آنحضرتؐ نے جب کسبے پر ویز کو دعوتِ اسلام دی اور اس نے آنحضرتؐ
صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو چاک کر کے الی یمن ملک باذان کی سلطنت
فارس کا بیگ گزار دیا لکھا کہ دو شخص آنحضرتؐ کی گرفتاری کے لئے بھیج دو ہر دو شخص
بہت دیر میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کسبے پر ویز
کے حکم سے جو ملک باذان کے نام صادر ہوا تھا مطلع کیا اور کہا کہ مناسب ہے کہ آپ
ہمارے ساتھ چلو اور اگر نکلا کرو گے تو تہہ تھارے اور نہ تھاری تو ہم اور ملک کے
حق میں اچھا سوگا شہنشاہ فارس عرب کو تباہ کر دیتا گا آنحضرتؐ سے فرمایا وہ
تو ہی تباہ ہو گیا ہے کسی کو کیا تباہ کرے گا اگر ملک باذان کے ہاں واپس نہ آواؤ
اسے کہو کہ اسلام تمام عالم میں پھیلنے والا ہے اور یہ اس تجھ کی مانند ہے جو اس پر بھی
یا جس پر یہ کس تباہ ہو جائے گا اگر ملک باذان اسلام قبول کرے گا تو یمن کی
حکومت میری جگہ رہے گا۔

گرفتار کرنے والے یمن کی طرف لوٹے اسے یمن شہر وہ شاہ فارس کا فرزند
باذان کے نام آباک میں نے پرویز کو قتل کیا اور میں اس وقت شاہ فارس ہوں جس طرح
میں سے پیشتر شاہ فارس کے پیشتر تھے کسی طرح یہی اطاعت کرو باذان نے
اس کے ساتھ حکمران کے ساتھ اس کی اطاعت کرو یا اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم
یہاں لایا اور منہ کو جو زبان پر تھی اسے ایک سننے کہ باذان کی تقلید کی اور
اس کے ساتھ یمن میں گیا ملک باذان مرنے دم تک اسلام پر قائم رہا
اس کے اشغال کے بعد رسول کریمؐ نے یمن کی تقسیم فرمائی اور اپنے عامل مقرر فرمائے

صنعا پر باذان کے بیٹے "شہر" کو مقرر فرمایا۔
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا زمانہ قریب تھا ایک شخص اسوذنی
 نے نبوت کا دعویٰ کیا، توڑے عرصہ میں کافی جمعیت فراہم کر لی اور بخران سے
 عمرو بن خرم اور لمحہ علاقہ سے خالد بن سعید بن العاص عمال رسول کریم کو بیدخل
 کر کے صنعا کی طرف بڑھا، شہر بن باذان نے مقابلہ کیا مگر شہید ہوا، اور اسوذنی
 اس کی بیوی آزاد کے ساتھ نکل کر لیا، مگر چند روز کے بعد اسی عورت کی سازش کا
 شکار ہو گیا، اگرچہ اسلام کی اشاعت پھر مین میں ہونے لگی، لیکن رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل مین بہر مرتد ہو گئے۔
 اگرچہ "روت" کے تاریخی واقعات نہایت دلچسپ ہیں لیکن ان کی تفصیل کیلئے
 ضرور کار میں ہم صرف نتائج پر اکتفا کرتے ہیں۔

قیس بن مکشوح اور عمرو بن معدیکرب نے "روت" میں بڑا حصہ لیا، اور
 مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان پہنچایا، متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں ان لوگوں کو کچھ
 کامیابی ہوئی اس لئے ان کا جواڑ اور بڑھ گیا، اور خطرناک جمعیت ہم پہنچا کر پیش قدمی
 کا اور کر رہے تھے کہ صدیق اکبر نے ماجربن ابی امیہ کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ
 کیا، راستہ میں مکہ و طائف سے صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل ہو گئی، معہاجر لیغا کرتے
 ہوئے بخران میں جہل ہوئے، اور سے قیس و عمرو مدین کا لاؤ لشکر لیکر آئے اور
 معاہدہ کیا، دوسرے دن اپنے آپ کو بخران میں محصور کیا، عمرو بن معدیکرب عرب میں
 ایک مشہور و ولیہ شہسوار تھا، اس کی شجاعت کی دھاک بیٹی ہوئی تھی، معہاجر نے مسلمانوں
 کے ساتھ مقابلہ کیا، اور توڑے عرصہ میں مرتدین کی صفوں کو تباہ کیا، قیس و عمرو
 دونوں زندہ و گرفتار ہو کر صدیق اکبر کے سامنے لائے گئے، دونوں نے روت سے
 توبہ لی، اور صدیق اکبر نے قبول کر کے مین کی طرف واپس کر دیا۔

سایخ بخران سے فاریخ ہو کر صنعا کی طرف بڑھے، اور اس مقام کو بھی مرتدین سے
 پاک کر دیا، اور مرتدین ابی جہل سے آئے، حکم صدیق اکبر دونوں سردار

بنو کندہ کی سرکوبی کے لئے بڑھے، لیکن مہاجر کو معلوم ہوا کہ بنو کندہ کو مہلت نہ دینی چاہئے کیونکہ وہاں مرتدین کا خطرناک اجتماع ہو رہا ہے، اس لئے عکرمہ بن ابی جہل کے ماتحت لشکر کو چھوڑ کر کچھ سواروں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے مقام حجر الزناتان پر اشعث بن قیس پر ٹوٹ پڑے جو اس وقت مرتدین کا سپہ سالار تھا، یہ جگہ ایسا دفعہ اور پر زور تھا کہ اشعث گھبرا کر بہاگا اور بحیرین سلجبد ہو گیا، اس اثنا میں عکرمہ رضی بھی آپہنچے، اور ہر طرف سے سختی کے ساتھ محاصرہ ڈال دیا جب رسد اور کمک محصورین کو کسی طرف سے نہ پہنچی تو مجبور ہو کر اشعث صلح کا خواہاں ہوا، شرط یہ پیش کی کہ اس کی قوم کے نو آدمیوں کو ان کے اہل و عیال کے ساتھ پناہ دی جائے، مہاجرین نے یہ شرط منظور کر لی اور اشعث نے قلعہ حوالہ کر دیا، قیدیوں کی تعداد کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ سیران جنگ میں صرف ایک ہزار عورتیں تھیں، اس کے بعد جو اشعث کا خط جس میں اس نے اپنی قوم کے نو آدمیوں اور ان کے اہل و عیال کے نام لکھے گئے تھے پڑا گیا، اس میں اشعث اپنا نام لکھنا بھول گیا تھا اس لئے وہ بھی سیران جنگ کے ساتھ صدیق اکبرؓ کے سامنے آیا، آپ نے فرمایا کہ تو مرتد ہو گیا اور مسلمانوں کو قتل کیا اس لئے اس کی پادششیں تو بھی واجب القتل ہے اشعث نے مذمت کے مارے گروان تھکائی اور کہا کہ اے خلیفہ الرسولؐ میں توبہ کرتا ہوں میرا اسلام قبول فرمائیے۔ صدیق اکبرؓ نے قبول فرمایا اور کہا کہ ”مجھے امید ہے کہ تیرا توبہ سچی ہے سو اب تجھ سے اور کوئی فصل سرزد نہ ہوگا“ اس کے بعد سیران بنو کندہ کو بھی آزاد کر دیا خالد بن ولید ان گیارہ سرداروں میں سے ایک تھے جن کو صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے مقابلہ کے واسطے روانہ کیا، خالد بن ولید جن کو رسول کریمؐ کی طرف سے ”سیف اللہ“ کا لقب عطا ہوا تھا طلحہ اور مالک بن نویرہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے۔ طلحہ ایک کاہن تھا رسول کریمؐ کے زمانہ میں مسلمان ہو کر مرتد ہو گیا، دعویٰ نہایت کیا اور کچھ جمیعت فراہم کر لی۔ آنحضرتؐ نے ضرار بن الازور کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، لیکن مینہ اس کے کہ ضرار کا مقابلہ طلحہ سے ہوتا رسول کریمؐ نے انتقال فرمایا۔

اور ضرار مدینہ کو واپس آگئے، اس عرصہ میں مرتدین زور پکڑ گئے، مرتدین کی وہ بگڑنے والی جماعت جس کو صدیق اکبر نے مدینہ کے قریب شکست فاش دی تھی، طلحہ سے آئے اس وقت مرتدین عیینہ بن حصن مرتد کے ماتحت خالد کے استقبال کو نکلے، مقام نراہ پر اسلامی ہراول سے جو عکا نشہ میں حصن اور ثابت بن اخرم انصاری کے ماتحت تھادو چار ہوئے، دونوں لڑتے ہوئے شہید ہوئے، جب مسلمانوں کو ان کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو انہیں سخت صدمہ ہوا، خالد بن ولید نے انصار پر ثابت ابن قیس اور قبیلہ طے پر عدی بن حاتم کو مقرر کر کے فوراً امجدان جنگ کی طرف رُخ کیا، لڑائی سخت خونریز تھی، عیینہ بن حصن بدحواس طلحہ کی طرف آیا، دیکھا تو ایک چادہ اور صفے مراقبہ میں بیٹھا ہے، طلحہ نے پوچھا کہ کیا اس لڑائی کے متعلق بذریعہ وحی کچھ معلوم ہوا ہے، جواب دیا نہیں وحی کا منتظر بیٹھا ہوں، طلحہ پھر میدان جنگ کی طرف لوٹا، انصار بھی توڑ کر لڑ رہے تھے، اور مرتدین کے مقابل بازو کو برابری دیتے ہوئے بڑھ رہے تھے، عیینہ یہ طلحہ کے پاس آیا اور پوچھا ابھی تک وحی سننے لگے ہیں یا نہیں؟ جواب دیا نہیں، عیینہ پھر بڑھا مگر اس وقت تک دیکھا کہ مرتدین سب تلخ ہو چکے ہیں، بدحواس ہو کر پھر طلحہ کے پاس آیا اور حسب معمول سوال کیا، طلحہ نے کہا کہ میری ابھی ابھی آیا تھا اور کہہ گیا ہے کہ وہی ہو گا جو قسمت میں لکھا ہے، عیینہ اس جواب پر بھڑک اٹھا اور بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے نبی! اگرچہ شخص کذاب ہے میں تو جانتا ہوں تم ہی محفوظ مقام پر چلے جاؤ، مرتدین حد درجہ کا امنہ اختیار کیا، کتبہ سے بدحواس ہو کر اپنی بیوی کو لئے ہوئے شام کی طرف چلے گئے، مگر کتبہ سے چار سالام ہوا اور غارتی، عظیم کے عہد میں حج کے لئے آیا، اس میں اس کے واسطے کہ اس کی اس شہادت اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو کر وہ مددگار ہو، اس کا چند روز کے بعد عیینہ ہی کو لڑا، وہ مدینہ میں لا گیا، بازار میں لڑائیوں والوں کی سوانی، اس کے پیچھے پیچھے ہوئے تھے کہتے تھے کہ "اے دشمن خدا تو مومن ہو۔" نے کے بعد کافر ہوا، عیینہ کو کشتاک میں فوجی ایمان نہیں لایا، ناب لاؤ، کجا صدیق اکبر کے رو برو ہی یہی واسطہ دیا اور قتل کیا گیا،

خط فہمی سے بپا ہو گیا۔ اور مالک اور اُس کے رفقاء تیغ بے دریغ ہوئے۔
 ابو قتادہ اور خالد میں اس خون ناحق پر گفتگو ہوئی، اور سخت کلامی تک نوبت پہنچی
 ابو قتادہ ناراض ہو کر مدینہ میں چلے آئے، اس جگہ اصحاب رسول اللہؐ کو واقعات
 سننے مطلع کیا، خالد کے برخلاف ہر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا، حضرت عمرؓ کی یہ رائے
 تھی کہ خالد کو فوراً معزول کیا جائے اور مالک کا قصاص لیا جائے، صدیق اکبرؓ
 نے فرمایا کہ ”میں سیف اللہ کو بوقت ضرورت نیام میں نہیں رکھ سکتا، مالک اور
 اُس کے رفقاء کا خون بہا بیت المال سے دیا گیا، اور خالد کو بھی ایک خط تہد آمیز
 لکھا گیا، اور مدینہ میں طلب ہوا، الزامات سے بریت کے بعد مسیلہ کی سرکوبی کے
 لئے حکم ہوا۔“

مسیلہ کذاب

غالباً ”وت“ کی تاریخ میں مسیلہ کذاب مرتدین کی فرست میں اول درجہ پرچے
 یوں تو رسول کریمؐ کی وفات کے قریب اکثر ذعیان نبوت کھڑے ہوئے اور چند سڑ
 کے بعد کس پیرسی کی حالت میں گزر گئے، اسود عسّی مارا گیا، طلیحہ بعد میں مسلمان ہو گیا،
 لیکن مسیلہ کذاب نے جتنا نقصان مسلمانوں کو پہنچایا، بیست مجموعی کل مرتدین نے
 بھی نہ پہنچایا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب قبائل عرب کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
 حاضر ہونے لگے تو ان میں سے ایک بنو ضیفہ کا بھی وفد تھا، مسیلہ بن حبیب ان ہی
 میں تھا، جب مسیلہ واپس ہوا اور رسول کریمؐ کی علالت کی خبر مشہور ہوئی تو اُس نے نبوت
 کا دعویٰ کیا، اور رسول کریمؐ کی خدمت میں ایک خط اس مضمون کا بھیجا کہ نبوت میں
 ہم دونوں شریک ہیں اور اس لئے نصف زمین قریش کی اور نصف میراثی ہے، مگر
 قریش حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں رسول اللہؐ نے جواب دیا کہ ”بسم اللہ الرحمن
 الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلہ الکذاب سلام علی من اتبع الهدی“

اما بعد فان الارض لله يود فاما من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين“ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کو کئی ایک فتنوں کا سامنا ہوا
جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ رہے، اس عرصہ میں مسیلہ تقویت حاصل کرتا گیا، آخر
کار صدیق اکبرؓ نے عکرمہ بن ابی جہل کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، جب مسیلہ
کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر اُس کی طرف آ رہا ہے تو سجال بنت الحارث کو لکھا کہ پہلے
بلاد عرب قریش اور ہم میں نصف نصف تقسیم تھے، قریش نے بد عہدی کی، اس لئے
اس کا نصف حصہ میں تم کو دیتا ہوں اور اُس کے ساتھ قتی تخالف بھیجے اور سجال
کو اپنے ماں مدعو کیا اور لکھا کہ چونکہ وحی آسمانی آپ پر بھی نازل ہوتی ہے اس لئے میرے
واسطے تصدیق کے سوا چارہ نہیں، اس لئے جب میرے رسول شرف ہار ابی جہل
کریں تو اگر منظور خاطر عا طر ہو تو اُس طرف توجہ فرمائیں، تاکہ کلام الہی بسمع رضا و صفائے
جب مسیلہ کے اپنی سجال کے سامنے آئے اور تحالف پیش کئے تو سجال نے کہا کہ اللہ
تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمہاری تعریف کی ہے کہ لا النساء یا قون ولا یغمر یشربون یعنی
تم ایسے لوگ ہو نہ عورتوں کے خواہاں ہو اور نہ شراب خوار ہو، اس کے بعد پیامہ کی
طرف کوچ کیا، مسیلہ استقبال کے لئے نکلا اور نہایت عزت و احترام سے اپنے
بلغ میں جس کا حدیقہ الرحمن رکھا تھا ایک ڈبہ کے اندر جگہ دی، باتوں باتوں میں
سجال نے کہا تم مجھے کچھ وحی کا تازہ کلام سناؤ، مسیلہ نے کہا ”الہ تر فضل ربک الخیل
اخرج منها شمیة تسعی من بین حفاق“ سجال نے کہا کچھ اور بھی مسیلہ کچھ اور
خرافات اور ہذلیات سنائیں جن کا مضمون مرد اور عورت کے اختلاط کے متعلق تھا
اور کہا کہ ”لا اقسہم ہذا البلد لا اشرح ہذا البلد حتی یکون ذامال فی ولد و فرج
و سفرة و حیل وعد و علی زعم من جسد“ سجال نے مسیلہ کی نبوت کی تصدیق
کی، مسیلہ اشارہ سمجھ گیا اور کہا کہ مجھے بذریعہ وحی پہلے ہی اطلاع ہو چکی ہے کہ اُس
نبیہ تیرے نکاح میں آنے لگی، چنانچہ اُسی وقت نکاح پڑ گیا اور سجال مسیلہ کے پاس تین
دن رات رہ کر اپنی قوم کی طرف آئی، جب قوم کو اس نکاح کا علم ہوا تو دریافت کیا کہ سر

کیا مقرر ہوا ہے، کہا چونکہ کجاح عجلت میں ہوا تھا، اس لئے فریقین مہر مقرر کرنا بہول
گئے تھے، مہر کے متعلق دوبارہ سلسلہ جنبانی کی گئی تو میسلہ نے مذاہن جو عشا کی صفائی
کے ساتھ یمامہ کی نصف پیداوار کا وعدہ کیا، سہل اپنے رفقا کو لئے ہوئے واپس
آ رہی تھی کہ راستہ میں خالد بن ولید دو چار ہوئے، ابھی لڑائی کی نوبت نہ آئی تھی
کہ سب بدحواس ہو کر بھاگے، سہل نے جزیرہ میں اپنی قوم بنی تغلب کے ہاں
پناہ لی، (عرصہ وراثت تک گوشہ گمنامی میں رہی امیر معاویہ کے عہد میں مسلمان ہو گئی
اور مہربانی عققان کو فہم میں رہائش اختیار کی) ۴

عکرمہ بن ابی جہل سرعت کے ساتھ یمامہ کی طرف بڑھے اور باوجود ہدایت
صدیق اکبرؐ کمک کا انتظار نہ کیا، حالانکہ خلیفہ نے شرجیل بن حسنہ کو بھی کافی جمعیت
کے ساتھ امداد کے لئے روانہ کر دیا تھا، عکرمہ نے حریت کی طاقت کا غلط اندازہ کیا
اور فوجا بے طرح لڑائی پھیر دی اور شکست کھائی، صدیق اکبرؐ کو اطلاع ہوئی تو سخت
سوزش کی اور لکھا کہ "حرب" ایک فن ہے اگر انسان اس میں ماہر نہ ہو تو مہارت
پیدا کرنی چاہئے، اچھا اب چند روز حذیفہؓ اور عرفجہؓ کے ساتھ مل کر کام کرو، اور
مہرہ اور اہل عمان سے لڑو، جب یہاں سے فراغت حاصل ہو تو مہاجر بن ابی امیہ
کے ساتھ شامل ہو کر یمن و حضرموت کے مرتدین کی خبر لو، عکرمہؓ بن ابی جہل نے ایسا
ہی کیا، اور ثابت کر دیا کہ فن حرب میں خوب ماہر ہے۔

ادھر خالد بن ولید سہل کی جماعت کو منتشر کرنے کے بعد میسلہ کے سر پر آہنچے
میسلہ کے علم کے نیچے اس وقت چالیس ہزار سپاہی موجود تھے، علاوہ ازیں سہل
کی باقی ماندہ فوج بھی اس سے آملی، خالد اور شرجیل کے ماتحت تیرہ ہزار سپاہی
تھے، مقدمہ بجیش پر شرجیل بن حسنہ تھے، اور میسلہ کا مقدمہ بجیش رحال بن عقیفہؓ
تھا، پہلے حملہ میں مسلمان پسپا ہوتے ہوئے خالد بن ولید کے خیمہ تک پہنچ گئے،
اس خیمہ میں خالد بن ولید کی بوی تھی جس کے ساتھ خالد نے مالک بن نویرہ کے
قتل کے بعد کجاح کیا، اس کی خوبصورتی کا نظیر نہ تھا، اس لئے خالد پر یہی الزام تھا

کہ مالک کا قتل دراصل اُس کی خوبصورت بیوی کے باعث ہوا،
 خیمہ کے قریب سخت خونریز لڑائی ہوئی اور اکثر مرتدین اُس جگہ کام آئے، باقی
 حدیقہ الرحمن کی طرف پسا ہوئے، اسی حدیقہ میں میلہ موجود تھا، مرتدین بدحواس
 اس میں داخل ہوئے، اور مسلمان بھی ایک جوش میں اُن کے پیچھے تھے، حدیقہ
 الرحمن حدیقہ الموت بن گیا، میلہ یہ حالت دیکھ کر اپنے خیمہ سے نکلا اور اپنے رفقاء کے
 ساتھ شمشیر بکف حملہ کیا اور مسلمانوں کو حدیقہ چھوڑنا پڑا، بلکہ پھر پسا ہونے لگے میلہ
 حدیقہ سے باہر نکل کر مرتدین کو ابھار رہا تھا کہ وحشی نے بھانپنا، کمان بس ایک تیر چکر
 اس زور سے چلے کھینچا کہ ۔

فلک گفت احسن ملک گفت زہ

قفنا گفت گیر وقد رفت ۵۵

تیر میلہ کے گلے میں ترازو ہو گیا اور اسی جگہ تڑپ تڑپ کر مر گیا، میلہ کے میسرہ پر
 محکم بن الطفیل لڑ رہا تھا، عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق اکبرؓ سے دو چار ہو کر عبد الرحمن کے
 تلوار نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا، اور ہر حال میں عنفوہ زید بن الخطاب حضرت عمرؓ کے
 بہائی کے ہاتھ سے مارا گیا، مرتدین کا لشکر بے سر ہو گیا، اس نے پاؤں اکھڑ گئے
 جنگ بمامہ کا تاج خلافت میں پہلا خونریز جنگ ہے جس کے اہم نتائج پر ہم
 مناسب موقع پر بحث کریں گے، اس جنگ میں اگرچہ مرتدین کے سترہ ہزار آدمی
 مارے گئے مگر مسلمانوں کا نقصان بھی ناقابل تلافی تھا، ایک ہزار سے زیادہ مہاجرین
 و انصار و تابعین شہید ہوئے جن میں سے سات سو سے زیادہ حافظ قرآن تھے
 ایران جنگ جب صدیق اکبرؓ کے رو برو آئے تو آپ نے میلہ کے حالات
 دریافت کئے اور پوچھا کہ اگر کسی شخص کو اُس کا کلام یاد ہو تو سنائے، جب کلام سناتو
 فرمایا تو اللہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے :

اس کے بعد ایران جنگ کو آزاد کر دیا اور ہدایت کی کہ آئندہ اسلام پر
 ثابت قدم رہو !

اگرچہ ہمارے پاس مسئلہ کے کلام سے خرافات و ہذلیات ہی پہنچی ہیں اور
 اور روایت اس طرح ہے کہ اُس نے قرآن شریف کے مقابلہ میں اپنا ایک
 قرآن بنایا تھا، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اُس نے اکثر کاموں میں آنحضرتؐ
 کی تقلید کی، نماز و روزہ فرض ٹھیرایا، اور شراب حرام کر دی، اگرچہ وقتاً فوقتاً تکالیف
 شرعیہ میں تخفیف کرتا رہا، بات اصل میں یہ ہے کہ حق ہی ہے اور کذب کذب
 ہی ہے اور باطل کو بقا نہیں، اگرچہ اُس نے ایک عمارت تعمیر کی مگر اُس کی بنیاد
 ریت کے تودہ پر تھی، اُس نے دعویٰ نبوت کیا تو حیرت انگیز کامیابی ہوئی رسول
 کریمؐ پر ابتدا ہی سے مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، آخر جلاوطن ہوئے، عمر کا زیادہ حصہ
 تکالیف میں گذرا، اگر مسئلہ کو ان میں سے ایک معصیت بھی پیش آتی تو سب دعویٰ
 بھول جاتا مسئلہ کذاب کا مقابلہ آنحضرتؐ جیسے عالی مرتبتی کے ساتھ کرنا بے ادبی ہے
 لیکن ہم اس واقعہ کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس وقت صدیق اکبرؓ
 نے مسئلہ کا کلام سنا فرمایا کہ ”واللہ یہ خدا کا کام نہیں ہو سکتا“ لیکن جب رسول کریمؐ
 سے کلام اتنی سنا تھا تو فوراً صدیق کی کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ رسول کریمؐ فرمایا کرتے
 کہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس کو میں دعوت اسلام دی ہو اور وہ مذہب نہ ہو، لیکن
 ابو بکرؓ کہ اُس نے بلا چون و چرا تسلیم کی، اور یہی وجہ ہے کہ آپ صدیق اکبرؓ کے
 لقب سے مشہور ہیں، صدیق اکبرؓ کے قلب میں قدرت نے ایسی طاقت و ولایت
 کی تھی کہ آپ فوراً حق و باطل میں تمیز کر سکتے تھے، اگرچہ فاروق اعظمؓ کی شخصیت
 نے حق و باطل میں نمایاں فرق پیدا کر دیا، لیکن حق و باطل میں امتیاز سب سے پہلے
 صدیق اکبرؓ کے قلب سینمے سے کیا، آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت سے پیشتر ہی وہ بت پرستی
 سے بیزار تھے، اگرچہ ورقہ بن نوفل اور عثمان بن الحویرث اور عبید اللہ بن جحش بت پرستی
 سے بیزاری ظاہر کرتے تھے اور آخر کار مسیحی وین قبول کیا، مگر صدیق اکبرؓ کے قلب کو یہ
 دین ہی کشش نہ کر سکا، اُس وقت کلیسا نے مسیحی کی بدعتیں بت پرستی سے کچھ کم نہ تھیں
 مسئلہ کذاب کا کلام جو ہم تک پہنچا ہے محض ہذلیات ہیں، لیکن واقعات کے زو

سے ہم یقین نہیں کر سکتے کہ ان ہی ہزلیات نے ایک لاکھ کے قریب لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا، اور نہ صرف اُس کی امارت کو قبول کیا بلکہ اُس کے علم کے نیچے مرنے مارنے پر مستعد تھے، بات اصل میں یہ ہے کہ میلہ کا کلام خواہ کیسا ہی فصیح و بلیغ تصور کیا جائے وہ انسانی کلام ہی تھا، لیکن ہر ایک شخص انسانی اور اُسی کلام میں امتیاز پیدا نہیں کر سکتا، ہر ایک دل صداقت کو فوراً نہیں پاسکتا، اس کے لئے تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کی ضرورت ہے، تاکہ خواہشات نفسانی متابعت نلن، ”پر اہل نہ کریں، جو انسان کو شک و شبہ میں ڈالتا ہے اور جس سے قلب مکدر ہو جاتا ہے اور حقائق کا صحیح علم حاصل کر سکے قابل نہیں رہتا، حق و باطل میں امتیاز علم ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ ”کلامِ ربّیہ“ یعنی معلوم اس طرح متمیز اور منکشف ہو جائے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے، قرآن شریف کا نام ہی علم ہے اور کتاب کی صورت میں ہے اور اسی لئے اس کی ہی تعریف ہے کہ ”کلامِ ربّیہ“، لیکن کسی کا قلب صدیق اکبر کا سا ہو جس کو کہہ آئے کہ ”واللہ یہ کلام اتنی ہے“ اور جب سیلہ جیسے مدعیان نبوت کا کلام سنے تو فوراً کہہ دے ”واللہ یہ خدا کا کلام نہیں، یہ تو ایک شاعر کے تخیلات ہیں“

یہ امر کہ قرآن ”علم“ ہے اور ”لایب فیہ“ اس کی تعریف ہے کچھ متقی ہی سمجھ سکتے ہیں ”ہدایت“ کے لئے لازمی امر ہے کہ ”اتقا“ مقدم ہو، صدیق اکبر کی سیرت کا صحیح تصور اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ اسلام لانے سے پیشتر بھی متقی تھے، اہام جاہلیت میں آپ کی صلہ جمی، حمان نوازی، عدل، حمایت حق، کربانہ خلق، فیاضانہ سلوک مشہور تھے، یہ تو نیک اعمال ہیں جن سے نیک دلی کا پتہ ملتا ہے جن سے خصائل حسنہ کی شناخت ہوتی ہے، لیکن اتقا جو سلم کی طرف رہنمائی کرتا ہے ایسی ہی شخصیت کا حصہ ہے جس کے وجود میں نیک بدل ہو اور جن کے اعمال نیک ہوں۔

اسلام - جزئیہ - سکیف

اوصیکم بتقوی اللہ وادعی اللہ بکم واستخلفہ علیکم وادعکم اللہ انی

لکم نذیر وبشیر الاھلوا علی اللہ فی بلادہ وعبادہ فانہ قال لی ولکم ثلاث الدائر الاخر
 یجعلھا للذین لا یریدون علقافی الا مرض ولا فسادا والعاقبة للمتقین وقال الیس فی
 جھنم منوی للمتکبرین“ (وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) من قتل معاہدا
 لیدرج راحۃ الجنۃ (عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو
 شخص معاہدہ کو قتل کرے گا بہشت کی ٹوٹک نہ سونگھے گا)

حفاظت جان و مال کے لئے، فتنہ و فساد کی یخ کنی کے لئے اور امن قائم کرنے
 کے لئے جنگ کرنا اور بات ہے اور ہوسس ملک گیری کے لئے خونریزی اور شے
 ہے، جب تک دنیا میں قومیں ”اتار تکلم الاغلی“ کا دم بھرتی ہیں اور بھرتی رہیں گی
 جنگ و جدل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، جب تک تمام دنیا آنحضرتؐ کی معرکہ الآرا تقریر کا
 رجو آپؐ نے حجۃ الوداع کی تقریب پر فرمائی، مضمون نہ سمجھ لے، اور اس پر کار بند نہ ہو
 خوں ریزی جاری رہے گی، جب تک لوگ آنحضرتؐ کی وصیت پر کہ ”ملک خدا میں
 اور خدا کے بندوں پر برتری نہ ڈھونڈھو، عمل نہ کرے گی دنیا ہمیشہ بادیہ ضلالت
 میں سرگرداں رہے گی، یعنی جب تک لوگوں کا ایمان ایک خدا پر نہ ہوگا اور یہ یقین نہ ہوگا
 کہ ہم سب خدا کے بندے ہیں اور سب بنی آدم ہیں، آپس میں بھائی بھائی ہیں،
 عرب کو عجم پر کالے کو گوسے پر اور گورے کو کالے پر کچھ فوقیت نہیں، اور معیار عزت
 صرف تقویٰ ہے تب تک دنیا میں حقیقی اور دوامی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

ہجرت، غزوات، ردت، کی تاریخ میں ہم نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ اور
 صحابہ کو وطن میں ہر ایک تکلیف پہنچی، وطن چھوڑنا پڑا، غریب الوطنی میں بھی مخالفین نے
 بیچھا نہ چھوڑا، مزاکیانہ کرتا، مقابلہ اور مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، جب آنحضرتؐ
 عمرہ کے لئے مکہ کی طرف تشریف لینگئے، کفار مکہ نے مزاحمت کی، فرمایا ان لوگوں کو کیا
 ہو گیا ہے، ہمیشہ لڑائی پر آمادہ نظر آتے ہیں، جب کفار مشرکین کی کوشش انتہا درجہ کو
 پہنچیں اُس وقت ”وقالتوا للمشرکین كافة کما یقاتلونکم كافة“ یعنی تم سب مشرکوں
 سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، کا حکم ہوا، بروئے قرآن جنگ کی اجازت

صرف ایسی حالت میں ہے، انتقام اگرچہ شروع ہے مگر اس کی مذمت میں کچھ کلام نہیں، ایک دفعہ رسول کریم ص نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا، کیا میں تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں جو اس سے بہتر ہو کہ تم ایک دوسرے کا گلا کاٹو، صحابہ نے عرض کی کہ فرمائیے، فرمایا کہ اللہ کی یاد! یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ہمیں جنگ و جدل سے باز رکھ سکتا ہے، دنیا میں اللہ کی مخلوق آباد ہے اور کسی شخص کا حق نہیں کہ کسی کو قتل کرے۔ آنحضرتؐ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کو عبد اللہ و عبد الرحمن اور ایسے نام پسند ہیں، ایام جاہلیت میں لوگ ایسے نام پسند کرتے تھے جن کا مفہوم دلاوری، تہذیب و خوں خواسی ہو، آنحضرتؐ نے اکثر صحابہ کے نام بدل دیئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، تو دریافت کیا کہ کیا نام رکھا ہے، کہا کہ ”حرب“ فرمایا کیسا بُرا نام ہے ”حضرتؐ نام رکھو“

آنحضرتؐ کو جنگ اور غوریزی سے نفرت تھی، لیکن جیسا کہ ہم ہجرت و غزوات کے تحت لکھ چکے ہیں آنحضرتؐ کو مجبوراً لڑنا پڑا، آنحضرتؐ کی آخری وصیت یہی تھی کہ ملک میں خدا و خدا کے بندوں پر برتری نہ ڈھونڈ ہو، آنحضرتؐ کفار و مشرکین و اہل کتاب کا غلبہ مسلمانوں پر ایسا ہی ناپسند فرماتے تھے جیسا کہ مسلمانوں کا غلبہ اُن پر، ایک قوم کا غلبہ دوسری قوم پر حریت و مساوات کے منافی ہے جب تک کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے لئے حکومت جائز ہے مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔

مسلمانوں سے تو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم پر کاربند ہوں گے لیکن غیر مسلم اقوام کو کون مجبور کر سکتا ہے، آنحضرتؐ اور خلفاء راشدین کے عہد میں ہمیں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکے کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد شخصی حکومتیں قائم ہوئیں اگرچہ خلفاء بنو امیہ و عباسیہ و فاطمیہ غیر مسلم حکمرانوں سے بہتر تھے، مگر خلفاء راشدین کو نہیں پہنچ سکتے، اگر ایسی شخصی حکومتوں کا دور دورہ میں کسی حکمران یا والی نے ایسا کام کیا ہو تو صریحاً اسلام کے مخالف ہے اور قابل ملامت ہے، یہ نہایت نا واجب بات ہے کہ ہم اُن کے افعال قبیحہ کو ہمیشہ

سمجھیں، لیکن ان حکومتوں میں بھی ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے اس امر کی تائید ہو کہ ”دین میں جبر و اکراہ ہے“ بہر حال خواہ مسلمان حکمرانوں کی مثال غیر مسلم اقوام کے بادشاہوں میں نہیں ملتی مگر ان کا ہر ایک فعل و خلاف اسلام ہو قابلِ مذمت ہے، شخصی حکومتوں کے بعض حکمرانوں اور وایان کے کارناموں میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی شخص شہر نہیں رہ سکتا اور کوئی شخص محکوم نہیں کھلا سکتا، ایک دفعہ عامل مصر نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ لوگ جو حق اسلام قبول کر رہے ہیں جیسے ذریعہ کہ ”جزیرہ“ سے بچنا چاہتے ہیں، اگر ارشاد ہو تو ان کا امتحان فتنہ سے کروں عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ ”تم بخت اندہ تھ“ نے رسول کریم کو جزیرہ وصول کرنے اور لوگوں کو محنتوں بنانے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا، اگر آئندہ اس قسم کا یہودہ مشورہ دیا تو ایسے شخص کو تیرے سر پر ہیچوں کا جو تیرے جو اس غصہ درست کر دے“

اسلام جزیرہ تلوار پر مخالفین اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے، ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے، قرآن کریم سے واضح ہوتا ہے کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں، اس لئے جزیرہ اور تلوار مفہوم بدعقل دین کسی قسم کا بھوکراہ نہیں ہو سکتا لیکن حکومت کے ساتھ ان کا رشتہ مضبوط ہے، اور جب تک حکومتیں قائم ہیں جزیرہ اور تلوار کی شکایت عیث ہے لیکن ہم بچا ہے اس کے کہ جزیرہ اور تلوار پر بحث کریں واقعات کے حوالہ پر لکھنا کرتے ہیں۔ اور سب سے پیشہ جنگ کے متعلق احکام اتنی اور ان ہدایات کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو خلفائے احکام اتنی سے اخذ کرتے ہوئے سپہ سالاروں کے نام صادر کیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ جنگ صرف نزاع کے لئے جائز ہے جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔

(۱) ولولا دفعہ اللہ الناس لبعض الفسدت الارض ولكن الله ذو فضل

علی الخامین“ (۳ - ۱۳)

دوران جنگ میں حکم ہے کہ جو شخص لڑے اُس سے لڑو اور اُس پر زیادتی نہ کرو جب ہتیار رکھ دے تم بھی رک جاؤ جنگ کے خاتمہ پر اسیران جنگ کو کسی حالت میں قید غلامی میں نہ رکھو، یا تو بذریعہ تبادلو اسیران جنگ یا کچھ روپیہ لیکر یا احسان رکھ کر اور زاوراہ دے کر آزاد کرو تاکہ راستہ میں فاقہ کشی سے نہ مریں اور اپنے اپنے گھروں تک صحیح و سلامت پہنچ جائیں ۛ

اور جب ملاقات کرو تم اُن لوگوں کی کہ کافر ہو چکے ہیں مگر فرض	فَاِذَا الْقِيَمَةُ الدِّينَ كَفَرُوا فَضَرْبِ
انہی یہاں تلک کہ جب جو کردہ انکو پس حکم کر دیکر ناجایا	الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَا انْخَضَتْ
یا احسان کیجو پیچھے اُس کے یا بدلہ لیجو یہاں تک	فَشَدُّوا الْوُثَاقَ فَاِمَامًا مِّنْ بَعْدِ و
کہ رکھ دے لڑائی بوجھ اپنے ۛ	اِسْخَافَءًا حَتّٰى تَضَعَ الْمِحْرَابَ

(محمد)

اور ساراھا

”ذَلِلت“ یہ حکم اتنی ہے اور اس کی تعمیل ہر طرح فرض ہے ۛ

غلامی اسلام کے محدثات سے نہیں ہے البتہ سے پیشتر تمام مہذب دنیا غلاموں سے بھری ہوئی تھی۔ اسلام جو حریت اور مساوات کا معلم ہے کب غلامی کو جائز قرار دے سکتا تھا، عموماً یہ اعتراض اسلام پر کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے غلامی کی بالکل بیچ کنی نہیں کی، یہ اعتراض انہیں لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو مصلحت عامہ کو نظر انداز کرتے ہیں ہر برٹ پنشنر کا یہ قول آپؐ سے لکھنے کے قابل ہے کہ ”دینا میں سب سے بڑا مصلح وہی ہے جو اصلاح کا سنگ بنیاد رکھ جائے“ جس پر آئندہ نسلیں عالی شان عمارت تعمیر کرتی ہیں جو صلحان یہ چاہتے ہیں کہ فوراً ہر ایک خرابی کی بیج کنی کریں وہ نادانی سے ایک خرابی کے عوض ہزار بار معاشرتی اقتصادی اور سیاسی خرابیوں کا باعث ہوتے ہیں“ اس لئے اصلاح کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں اعتدال ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے، ذرا لے اور وسائل بھی افراط و تفریط کی حد تک نہ پہنچیں اور اصلاح ہی اعتدال پر قانع رہنی چاہئے، یہ امر قانونِ قدرت

کے سخت مخالف ہے کہ کوئی کام خواہ وہ کیسا ہی اصلاح کا ہو آج ہی شروع کیا جائے اور آج ہی تکمیل تک پہنچ جائے ”ویر آید درست آید“ بالکل صحیح مقولہ ہے، اور آنحضرتؐ ہمیشہ نبیوں کی ممانعت فرمایا کرتے تھے کہ تعجیل کا رشتا طین بود ”قرآن شریف میں بھی اس کی مذمت ہے۔“ بل تعجبون العاجلة ”انسان کچھ ایسا جلد باز واقع ہوا ہے کہ ہر ایک شخص کی بقا و بقاء، بشریت یہی خواہش ہے کہ جو کچھ ہونا ہے آج ہی ہو جائے، غلامی جو یونان و روم و ایران و ہندوستان میں قدیم الایام سے رائج تھی، اور کوئی مذہب و متمدن قوم غلاموں کے بغیر زندہ نہ رہ سکتی تھی جس کے برخلاف انبیاء سابقین نے ہی اشارہ کچھ نہ کہا جس کی باقاعدہ تجارت تمام دنیا میں ہوتی تھی اگر یک لخت موقوف کر دی جاتی تو کچھ شک نہیں کہ ہزار ہا خرابیوں کا باعث ہوتی، آیت محولہ بالا کے رو سے کوئی اسیر جنگ قید غلامی میں نہیں رہ سکتا تاریخ عالم کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا سب سے بڑا اخذ ہی جنگ تھا، اس آیت نے غلامی کی جڑ کاٹ دی، اگر قویں سمجھیں تو جنگ و جدل سے ہی دست بردار ہو جائیں کیونکہ جو کچھ فائدہ جنگ سے آٹھانا چاہتے ہیں وہ اسلامؐ نے ناجائز قرار دیا ہے، ملک خدا اور بندگان خدا میں برتری کا دعویٰ جس کی ممانعت رسول کریمؐ کی آخری وصیت ہے اسی جنگ کی بنیاد ہے، قرآن شریف سے نہ تو جنگ کا جواز ثابت ہوتا ہے نہ غلامی کا، بلکہ دونوں کے خلاف احکام موجود ہیں، یہ سچ ہے کہ جس طرح غلامی یک لخت موقوف نہیں ہو سکتی تھی، اسی طرح جنگ کا بھی بنیادیں یک لخت خاتمہ نہیں ہو سکتا تھا، اگر قرآن میں کوئی ایسی نص ہوتی جس کے رو سے جنگ قطعاً ممنوع ہوتی تو اس کا کیا نتیجہ ہوتا، اگر صدیق اکبرؓ ایسی آیت سننے تو پٹا اٹھتے کہ ”واللہ یہ خدا کا کلام نہیں۔“

جنگ اور غلامی قومی غلبہ یعنی حکومتوں سے وابستہ ہے، اس لئے جنگ اور غلامی اور حکومت لازم و ملزوم ہیں، حکومت کے تصور کی بغیر جنگ اور غلامی کے تصدیق نہیں ہوتی، ان میں سے اگر ایک ہے تو دوسرا لازمی نتیجہ ہے، جو اشخاص آنحضرتؐ

پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے غلامی کی جگہ کنی نہ کی، اور قرآن میں کوئی نص ایسی نہیں ہے جس کی رو سے غلامی ایک سخت موقوف ہو جاتی وہ ان اسباب کی طرف سے جہنم پوشی کرتے ہیں جو جنگ اور حکومت کی صورت میں غلامی کا حشر شدہ ہیں، دینا میں کوئی طاقت اگر ان کی بچ کنی کر سکتی تو غلامی خود بخود معدوم ہو جاتی لیکن ”کل امر مرہون باوقائعہ“

دینا میں سب سے پہلی آواز غلامی کے برخلاف آنحضرتؐ کے قلب سلیم سے نکلی اور آپؐ فامامتاً بعد اوفدائ حتی تقضع الحرب وازدادھا، ذلک نے جنگ اور غلامی کے تعلقات کو جو قدیم الایام سے مضبوط رشتہ میں جاکڑے ہوئے تھے، قطع کر دیا۔

آنحضرتؐ نے دینا میں فی الحقیقت ایسی جاہر حکومت قائم نہیں کی جس کا تعلق بتک اور غلامی سے ہم واضح بیان کر چکے ہیں بلکہ ایک امت بنائی جس کی ہستی قائم رکھنے کے لئے خلافت کی ضرورت حالات مذکورہ بالا میں لازمی ہے، اس امت کی یہ تعریف ہے۔

”کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وادعون باللہ“ یعنی لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں سے تم سب سے بہتر ہو اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی امت کے ایک ممتاز فرد کا تذکرہ ہم لکھ رہے ہیں، امتین دینا میں بے شمار ہیں لیکن جو کچھ دنیا کی امتوں کا مفہوم ہے وہ اسلامی امت کا نہیں ہے، دنیا کی امتیں ایسی احساس سے بنتی ہیں جو اسلامی امت میں نہیں ہے اس میں صرف عزت و مساوات کا احساس ہے اسی میں قومی منافرت اور نسلی معاشرت اور شعب و قبائل کی تقسیم اعلیٰ و ادنیٰ اور کسی قسم کے فیزیائی تفریق و امتیاز کا احساس نہیں ہے، دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو اپنے آپ کو لٹے نہیں کہتی اور اعلیٰ اسی لئے کہتی ہے کہ انہوں نے بندگان

خدا کو ادنیٰ بنا رکھا ہے، وہ ملک خدا اور بندگان خدا میں برتری کے مدعی ہیں مسلمان اس لئے بہتر امت نہیں ہیں اور نہ ان کی برتری کا یہ مفہوم ہے، بلکہ یہ آیت ہے۔
 "انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیہم خبیر"

اگرچہ شعوب و قبائل کی تقسیم بغرض معرفت و شناخت قدرتی ہے، اگرچہ عورت اور مرد نفس و احدہ سے پیدا ہوئے ہیں لیکن تقسیم ان میں بھی قدرتی ہے، لیکن اس قدرتی تقسیم کا نظائر فائدہ حضرت انسان نے کیا کچھ نہیں اٹھایا، انہی ناجائز فوائد کے برخلاف اسلام نے جما دیا، اور ایسی امت پیدا کی جو بہترین امت ہے، جو لوگوں کو افراط و تفریط سے منع کرتی ہے اور اعتدال کا حکم دیتی ہے۔

یہ اعتراض جو آج فی الحقیقت اسلام پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہوتے ہیں اور ایک حد تک بجا ہیں اسی "امت" اور بہترین امت کے پیدا کردہ دل و دماغ سے نکلتے ہیں ورنہ بعثت سے پیشتر نہ یہ دل تہانہ دماغ، اور سچ تو یہ ہے کہ اعتراض بھی مسلمانوں پر ہونا چاہئے کیونکہ یہی اصلاح کے مدعی ہیں دیگر اہم پر کیوں اعتراض کرے جن کی خرابیوں کی اصلاح کرنا ہے، یہ بھی مبارک فال ہے کہ خرابیوں کی اصلاح کا احساس پیدا ہو رہا ہے اگرچہ اعتراض کی صورت میں اور وہ بھی اسلام پر جو معلم ہے۔

کس بنا موخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد
 ابھی تک قومی منافرت و منایرت کا رواج ان لوگوں میں بول رہا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد حضی مطلق العنان حکومتوں نے غلامی کو ایسی طرح رواج دیا جس طرح غیر مسلم اقوام میں رائج تھا، لیکن پہر ہی یہ لوگ مسلمان تھے غلاموں کو نہ صرف آزاد کرنے کے لئے جو بروئے قرآن و احادیث اور سنت رسول و صحابہ اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے بلکہ بادشاہ بنانے کے لئے خرید کرتے رہے، کیا کوئی قوم ایسی غلامی کی نظیر پیش کر سکتی ہے، ہندوستان کی تاریخ میں امیر سکنتگین جو ایک غلام تھا اور سلطان محمود غزنوی جو اسی غلام کا بیٹا تھا اور خاندان غلامان کے حالات مفصل لکھے ہیں لیکن

خلفاء رعبا یہ اور فاطمیہ کی نسبت اور مصر کے مملوک خاندان کے متعلق یہ علم صرف ان لوگوں کو ہو گا جو ان کے حالات سے واقف ہیں کہ یہ سب کینزک زادگان اور غلام اور غلاموں کی اولاد تھی، ایسی غلامی کی ہوس ہر ایک زمانہ میں ہر ایک آداد شخص کرتا رہا ہے، بہر حال اسلام کسی خاص قوم کا ورثہ نہیں ہر ایک شخص اسے قبول کر سکتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کر سکتا ہے، اگر مسلمانوں سے ایک کام نہیں ہو سکا اور کسی غیر مسلم قوم نے کر دیا تو اسلام کا منشا بہر حال پورا ہو گیا۔

”چشم مارو شن دل ماشاؤ“

جنگ اور غلامی اور حکومت کے تعلقات واضح بیان کرنے کے بعد ہم ان احکام الہی کی طرف توجہ دلاتے ہیں جن سے معاملات بین الاقوامی چوڑی اسلوبی سے طے ہو سکتے ہیں۔

روان الله یا مکرہ بالعدل والاحسان الله تم کو عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔
 (۲) ولا یجیر منکم شئاً قوم علی ان کسی قوم کی عداوت تم کو اس بات پر لگجھنے
 لا تعدوا العدا لہوا ہوا قرب للفقوی نہ کرے کہ تم ان سے بے انصافی کرو، عدل کرو
 وانقوا الله ان الله خبیر ہا یہی طریق تقویٰ کے زیادہ قریب ہو اور اللہ سے
 تعدلون تقویٰ کرتے رہو بے شک اللہ تمہارے

عملوں کو خوب جانتا ہے۔

اجرت اور عزوات کے تحت ہم چند آیات کا عوالہ دیا ہے، مخولہ بالا کو ان سے ملا کر پڑھنا چاہئے۔ آیات مخولہ بالا پر کسی حاشیہ کی ضرورت نہیں، تین الفاظ عدل- اور احسان اور تقویٰ مسلمان مومنین کا طغرا امتیاز ہے، اور یہی اصل ہول ہے، جو قومی منافرت و مغایرت اور عداوت کی بیج کئی کر سکتا ہو اور اسی پر کل قوانین بین الاقوامی منضبط ہوئے ہیں اور کل ہدایات کا یہی ماخذ ہے جو خلفاء وقتاً فوقتاً صادر کرتے رہے۔

مسلمان مومنین کا مقابلہ کفار و مشرکین میں اہل کتاب سے رہا ہے، اور بلحاظ مذہب

فروع انسان کی تقسیم اسی طرح ہو سکتی ہے، ان کے درجات میں تفاوت ہے اور (بہاؤی رائے میں) ان کے متعلق احکام بھی مختلف ہیں۔

یہ تو ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں، اس لئے ان احکام سے کسی قسم کا جبر و اکراہ دین کے متعلق اخذ کرنا غلط فہمی پیدا کرنا ہے، یہ احکام صرف ان تعلقات کے متعلق ہیں جو خلافت اور غیر مسلم اقوام کے درمیان ہیں جو خلافت کے زیر سایہ رہنا چاہیں، خلافت کا اصل اصول ہم بیان کر چکے ہیں، کہ یہ آسمانی باوجودت ہے، زمین ہی خدا کی اور بندے ہی خدا کے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کی بے شمار آیات سے واضح ہوتا ہے، اس آسمانی بادشاہت کا انکار کفر ہے، اور اس کے ساتھ اور بادشاہوں کو شرک بنانا "شرک" ہے، اہل کتاب اس کفر و شرک سے بری ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین یا اہل کتاب، علماء و ستانہ تعلقات، قائم رکھنا چاہیں یا لڑائی پر آمادہ ہوں اور لڑائی کے بعد مغلوب ہونے کو پسند نہ کرنا چاہتے، اس کا جواب یہ ہے کہ:-

(۱) "الَّذِينَ آمَنُوا رَافِعُونَ الْمَشْرُكِينَ ثُمَّ مَنَعُوا فَوْقَهُمْ وَلَمْ يَظَاهِرُوا عَلَيْهِمْ
أَحَدًا فَإِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" (۱) انفسہ ان اللہ جب المشرقین
(۲) "وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ" (۲)

لیکن جو قسمیں کھاتے ہیں کہ صلح و امن باندھتے ہیں اور بار بار توڑتے ہیں ان کی نسبت بھی حکم ہے کہ:

(۳) "فَقَاتِلُوا الْمُشْكَرِينَ أَفْهَمَ لَا إِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ"

بولو لوگ لڑائی پر آمادہ ہوں اور لڑیں ان سے لڑنا چاہتے اور جب مغلوب ہوں تو انہیں قاتل و القیتیم (۳) لایہ ہو جو وہ ہے، اور ہر ایک امر میں عدل و احسان و تقویٰ کو مد نظر رکھنا انہی حکم ہے۔

جب کفار و مشرکین دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے لئے صلح و امن کا عہد باندھیں

تو مسلمانوں کو عہد باندھنا چاہئے اور ایفاء عہد ہی اس مدت تک کرنا چاہئے جس مدت تک کفار و مشرکین نہاہ سکیں اور اگر وہ اپنے عہد کو بار بار توڑیں اور لڑائی کریں تو ان سے لڑنا چاہئے اور جب ان کا زور ٹوٹ جائے اور وہ ہتیار رکھ دیں تو اسیران جنگ کو احسان رکھ کر بلاتا و ان جنگ یا تاوان لے کر آزاد کرنا چاہئے، اگرچہ ان کو مذہبی آزادی حاصل ہے، اور ان کے ملکی اور قانونی حقوق بھی محفوظ ہیں لیکن ایسے مفسدین کی ریاست کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا جو ان کو باہر انقض عہد ورجحان پر آمادہ کرتی ہے۔

کفار و مشرکین کے ساتھ صرف یہی رعایت ہے کہ ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل ہے۔

۱۔ اے پیغمبر! ان منکروں کو کہہ دو کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو میں نہیں پوجتے گا اور جس مہبود (روح) میں پوجا کرتا ہوں تم پوجتے معلوم نہیں ہوتے، اور نہ ہی میں تمہارے مہبودوں کو پوجوں گا، اور نہ تم میرے مہبود کو پوجتے نظر آتے ہو نتیجہ یہ کہ تمہارے لئے تمہاری راہ اور میرے لئے میری راہ ہے۔

سورۃ الانفال و التوبہ کے مطلع سے معلوم ہوتا ہے، ایسے مفسدین کی ریاست اور سیاست کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا، ان سے کوئی عہد نہیں باندھنا چاہئے اور ان سے جب تک وہ مغلوب نہ ہوں اور فتنہ کا استیصال قریب نہ ہو جائے جنگ کرنا چاہئے، وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

یہ تمام آیات کفار و مشرکین کے بارے میں ہیں، لیکن اہل کتاب کے متعلق کوئی آیت و بارہ جنگ نہیں ہے، البتہ اہل کتاب میں سے خاص خاص فرقوں کو کفار و مشرکین کی مثال بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِيسَى ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ

قوله بافوا هم ايضا هتون قول الذين كفروا من قبل قاتلهم الله ائى يؤفكون
 اتخذوا ااجارهم واربها فمما اربا با من دون الله والمسيح بن مريم وما ائمرنا
 الا ليعبدوا لهما واحد الا الله الهنا هو سبحانه عما يشركون، يريدون ان يطفئوا
 نور الله بافوا هم ويا بى الله الا ان يتقن نوره ولو كره الكفرون هو الذى
 ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون^(۱۱)
 ” لئذ ان سے جو نہ خدا اور نہ روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ اللہ اور اس کے
 رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھتے ہیں، اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہیں،
 ان میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ مغلوب ہو کر ایک ہاتھ سے
 جزیہ دیں، اور یہ وہ سمجھتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح
 اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کی منہ کی بکواس ہے، لگے ان ہی کافروں کی سی باتیں
 بنائے جو ان سے پہلے دھوکہ دے، ہیں، خدا ان کو غارت کرے کہ ہر کو پکے جائے
 ہیں، ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مشائخوں اور مسیح ابن مریم کو خدا بنا
 کھڑا کیا، حالانکہ ان کو بذریعہ توریت و انجیل یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت
 کرتے رہنا اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے، چاہتے
 ہیں کہ خدا کے نور کو منہ سے بجھاویں اور خدا کو یہ منظور ہے کہ ہر طرح پر اپنے نور کو پورا
 کر کے رہے، اگرچہ کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے، وہی خدا جس نے اپنے رسول (ﷺ)
 کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے، گو
 مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے، علماء اسلام کا مشروع آیت کی تفسیر میں اختلاف
 ہے، بعض کہتے ہیں کہ قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الاخر فلا يحجزون ما
 حرم الله ورسوله ولا يدنوا من الحق محض کفار و مشرکین کے بارے میں ہے
 اور قاتلوا من الذين ادعوا الکتب اهل کتاب میں سے ان فرقوں کے بارے میں ہے
 جو عزیر اور مسیح کو خدا کے بیٹے کہتے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جب سرحد شام پر
 آنحضرت کے قاصد مارے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ جو قاصدوں کی

حرمت کا پاس نہیں کرتے، اور فساد اور فتنہ پرواز ہیں اگرچہ اہل کتاب ہیں اور ان کو نور ہدایت بذریعہ توریت و انجیل و صحف انبیاء پہنچ چکا ہے، مگر وہ اپنے اعمال ناشائستہ سے ثابت کر رہے ہیں کہ نہ اُن کو اللہ پر ایمان ہے اور نہ روزِ آخرت پر یقین ہے، اس لئے چونکہ باز پرس اور پرسش کرنے والے کا یقین نہیں ناروا کام کرتے ہیں ایسے لوگوں کے اعمال ناشائستہ کی یہ شر ہے کہ وہ بھی ذیل کئے جائیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ کے قاصدوں کو قتل کر کے تحقیر کی ہے، حالانکہ اُن کا قتل کسی طرح روانہ تھا، قتل انسان بلا وجہ مقفول تو یوں ہی حرام ہے قاصدوں کی حرمت تو مسلم ہے۔

عموماً علماء اسلام نے "مُتَاعِدُونَ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ "ایسے لوگ چونکہ ذمہ دار حکومت کے اہل نہیں اس لئے اُن کو ایسی حکومت اور قانون کے تابع رکھنا چاہئے جس کے سایہ عاطفت میں اُن میں احساس ذمہ داری پیدا ہو، جہاں سچے مسلمانوں کو ان کے سربراہ ایک کنٹنجنٹ فوج رکھنی پڑی جو اُن کے جان و مال کی حفاظت بھی کرتی تھی اور ان کو ایسی شرارت کا موقع نہ ملتا تھا، اس طرح فتنہ و فساد کا استیصال قرار دیا جیسا کہ اس کنٹنجنٹ فوج کے اخراجات یہی لوگ برداشت کرتے تھے جس کو اصطلاح میں "جزیہ" اور ان لوگوں کو "ذمی" کہتے ہیں، خلفاء کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ وہ "ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہمیشہ ہدایات صادر کرتے رہے اور اُن کی بہتری اور بہبودی کی ذمہ داری کو ایسا بوجہ سمجھتے تھے جس کے تحت خلفاء راشدین ہی ہو سکتے تھے، جزیہ نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا اور بغایا ہمیشہ معاف کیا جاتا، کیونکہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا کہ ذمی ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ دورانِ جنگ میں جبکہ کنٹنجنٹ فوج کو بھی لڑائی میں مصروف رہنا پڑتا۔ جزیہ کی رقم وصول شدہ "خزینوں" کو واپس دی جاتی، کیونکہ ایسی حالت میں اُن کی حفاظت جان و مال کے لئے فوج نہیں رکھی جاسکتی تھی، ان ذمہ داریوں کی شدت احساس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فاروقِ عظیم کی آخری وصیت

یہ تھی کہ ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھو۔

”جزیہ“ پر علماء اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے اور بہت اچھا لکھا ہے لفظ جزیہ خواہ جزا سے مشتق ہو یا دگرزیت سے مسلمانوں نے اسے رومیوں سے سیکھا ہو یا اہل فارس سے، یہ قدیم الایام سے رائج ہو، یا اہل اسلام کے محدثات جو ہم ان امور پر بحث نہیں کرتے، مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ اگر آیات محولہ بالا اہل کتاب کے بارے میں ہیں تو یہ رعایت اور خاص رعایت اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے متعلق ہے جو اگرچہ اپنے اعمال ناشائستہ کے باعث کفار و مشرکین کی مثل ہیں، مگر یہ بھی اہل کتاب ہیں ان کے پاس نور و ہدایت موجود ہے ضرورت صرف اتنی ہے کہ ان کو اس نور و ہدایت کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ نیک بندے میں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال کریں، وہ اہل کتاب جن کے اعمال مشرکین و کفار کی طرح نہیں ہیں مسلمان ہیں اور ان سے جنگ کے متعلق ایک بھی آیت قرآن میں نہیں ہے، بلکہ جابجا ان کی تعریف کی گئی ہے۔

ذمیوں کے ساتھ خاص رعایت ہے کہ ان کی ریاست میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی گئی، صرف ان کی تادیب مذ نظر ہے تاکہ راہ راست پر آجائیں لیکن کفار و مشرکین جن کے پاس کوئی کتاب ایسی نہیں جو نور و ہدایت ہو جو بادیہ ضلالت میں سرگرداں ہیں رعایت کے مستحق نہیں انہیں کامل مذہبی آزادی اور دیگر حقوق حاصل ہیں مگر تلوار ان کے قبضہ میں نہیں رہ سکتی جس کا استعمال وہ ہمیشہ بے جا ہی کرتے رہے، اس لئے ان کی ریاست تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اور ان سے کوئی عہد جیسا کہ حکومتوں کے درمیان ہوا ہے نہیں باندھا جاسکتا۔ وہ بطور رعیت خلافت کے زیر سایہ رہ سکتے ہیں۔

تعب اور سخت تعجب ہے کہ ”جزیہ“ جو ایک رعایت اور خاص رعایت اہل کتاب کو دی گئی تھی، آج مسلمانوں کو مور وطن و تشنہ بنارہا ہے، قرآن کی آیت محولہ بالا سے تو یہی استدلال ہو سکتا ہے کہ ”جزیہ“ کی رعایت صرف اہل کتاب کے لئے

ہے۔ اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے، علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لینا چاہئے، لیکن چونکہ آنحضرتؐ نے مجوس سے بھی جزیہ وصول کیا ہے اس لئے مجوس سے جزیہ لینا سنت تصور کی ہے، اور حدیث بریدہ وغیرہ کو صحت میں پیش کر کے مشرکین سے بھی وصولی جزیہ جائز قرار دی ہے، لیکن محققین علمائے اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لینا جائز ہے۔ اور غیر اہل کتاب سے قبول نہیں کرنا چاہئے، اور ”انما انزل الکتاب علی طائفتہ من قبلنا“ سے استدلال کیا ہے کہ صرف یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب نہیں بلکہ اور لوگ بھی ہیں، زبور اور صحف ابراہیمؑ وغیرہ کا ذکر قرآن شریف میں ہی ہے اور قرآن نے باقی اقوام کی کتابوں کی نفی نہیں کی ہے، بلکہ بے شمار آیات میں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سوا دیگر اہم بھی جن کی طرف رسول اور مادی آئے، اور اگر زناد اور وید میں تحریر ہے تو قوریت و انجیل ہی تو محفوظ کتابیں نہیں ہیں، مجوس سے آنحضرتؐ نے اسی لئے جزیہ وصول کیا کہ ان کو اہل کتاب سمجھتے تھے،

وَلَمَّا بَلَغَ عُمَرَ ابْنُ الْجَزِيَّةِ مِنَ الْحَجَرِ أَوْ عُمَرُ بْنُ مَجُوسٍ سَ جَزِيَّةً لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ لَمْ يَكُنْ يَدْعِي لَهَا كُنْزًا
رسول اللہ اخذ ہا من مجوس ہجر“ نے مجوس حجر سے جزیہ لیا تھا۔

عبدالرحمنؓ نے یہ شہادت دی تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب کی طرح سلوک کرو۔

در اصل جزیہ پر اعتراض نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی حکومت ٹیکس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اگر اعتراض ہے تو آیت مولاہ بالا کے اخیر جزو پر عن ید و ہذا صاعدون“ صاعغون“ کی تفسیر اہم کر چکے ہیں ”عن ید“ کا لفظی ترجمہ ایک ہاتھ سے ہے، علماء اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تمہاری نعمت سے جو ان پر ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دل سے خوش ہو کر“ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھ سے ادا کرے اور کسی کے ہاتھ نہ بیجے“ معترضین ان میں سے ایک اپنی خواہش کے مطابق

منتخب کر سکتے ہیں، لیکن خلفا کے طرز عمل سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں معنی صحیح ہیں اور خلفاء راشدین تو دل سے خوش ہو کر ہی سمجھتے تھے، اور فی الحقیقت اس سے مراد شرح جزئیہ اور طریقہ ادائیگی ہے، یعنی ایسی شرح نہ لگائی جائے جو بار خاطر ہو، بلکہ ایسی شرح جو خوشی ادا کر سکیں، اور اسی لئے دو سالوں کا جزئیہ جمع نہ کیا جاتا اگر ایک یا ایک سے زیادہ سالوں کا واجب الوصول بقایا میں ہوتا تو معاف کیا جاتا، نہایت احتیاط بوقت ادائیگی کی جانی کہ کسی قسم کا فریب یا دھوکا نہ ہو، اور غلطی سے وصولی کے بعد کسی کے نام بقایا نہ رہ جائے، لڑکے، بوڑھے، زنان، عورت، مجنون، اپانج و عاجز اجیر، اور عبادت خانوں میں رہنے والوں سے جزئیہ وصول نہ کیا جاتا، یہ سب مستثنیٰ تھے۔

وقال ابن عیینہ عن ابن ابی یحییٰ	اور ابن عیینہ نے ابی یحییٰ سے روایت کی ہے
قلت لمجاهد ما شان اهل الشام	کہ میں نے مجاہد سے پوچھا کہ اہل شام پر کیوں چار
عليهم اربعة ذنانير واهل	دینار فی آدمی کیوں ہیں حالانکہ اہل یمن پر ایک
الین علیهم دینار قال جعل	دینار فی آدمی ہے کما کہ اہل شام زیادہ
ذلت من قبل السیاد	مالدار ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جزئیہ کی شرح مختلف تھی اور وہی کچھ تھی جو ذنی بخوشی خاطر ادا کر سکتے تھے، یہ شرح سالانہ تھی اور اس پر ہی تین درجے مقرر کئے گئے تھے، ادنیٰ متوسط، اعلیٰ، اعلیٰ شرح چار دینار تھی اور متوسط دو دینار اور ادنیٰ ایک دینار۔

سعد بن مسعل بن بکاء ثنا وھیب عن	ابو حمید ساعدی سے روایت ہے کہ ہم
عمر بن یحییٰ عن عباس الساعدی	رسول اللہ کے ساتھ غزوہ تبوک میں شامل
عن ابی حمید الساعدی قال غزو نام	تھے، ایلہ کے بادشاہ نے آنحضرتؐ کی
بول ملکہ نبوک و اهدی ملک الیلہ للنبی	خدمت میں ایک خچر سفید تحفہ بھیجی تو آنحضرتؐ
بقلة بیضاء و کساء بردا و کتب لهم	نے اس پر چادر ڈالی اور شاہ ایلہ کو
تجره	اُس کا شہر لکھ دیا۔

بقول ابن اسحاق جزیرہ پر ریاست بجال رکھی، بھگین کے جزیرے کے متعلق یہ واضح ہو چکا ہے کہ جزیرہ "صلح پر ولایت کرتا ہے اور ذمیوں کی زمین یعنی ریاست نہ تو مسلمانوں میں تقسیم ہو سکتی ہے اور نہ کسی کو جاگیر میں دی جا سکتی ہے۔" (فتح)

احادیث بشمار میں جن کی تو سے "ذمی" اسے سوائے جزیرہ کے اور وہ بھی بخوشی ناطہ کوچہ اور حوال کرنا ناجائز ہے اور ذمیوں کی ریاست میں کسی قسم کی مداخلت صحیحاً انھیں کے احکام کے مخالف ہے چونکہ عرب میں زمین بہت کم سیر حاصل تھی، اور مفتوحہ ممالک "ذمیوں" کے قبضہ میں تھے جو مسلمانوں میں نہ تو تقسیم ہو سکتے تھے اور نہ جاگیر میں دئے جا سکتے تھے، اس لئے مسلمانوں کے لئے تجارت اور فوجی خدمت کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا، فوجی خدمت کا معاوضہ جزیرہ "ستہ ملتا، اور اس لئے اس کے معنی مفسرین نے "معن بد" کے معنی تمہاری نعمت سے جو ان پر ہے" کئے ہیں، اور حضرت عمرؓ کی وصیت سے ہی یہی استدلال ہو سکتا ہے۔

حدثنا آدم بن ابی اسحاق ثنا شعبۃ ثنا اور جند
قال سمعت جریر بن قدامۃ القصبی قال
سمعت عمر بن الخطاب قلنا او صنایا امیر
المؤمنین قال او صیکم بدن مة الله فانه
ذمة نبیکم ورسولک عبادکم
جو سر سے روایت ہے کہ ہم نے عمر بن الخطاب سے
سے کہا کہ اسے امیر المؤمنین ہم کو وصیت کیجئے فرمایا
کہ تم کو وصیت کرتا ہوں ساتھ نگاہ رکھتے ذمہ
اللہ کے لئے تم کو وہ تمہارے نبی کا ذمہ ہے اور
تمہارے پیال کی روزی ہے۔

خلفا کو ذمیوں کے حقوق اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا شدت کے ساتھ احساس تھا، اور یہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں کی بہتری اور بہبودی کا ذمہ دار ہم کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہرا ہے اور اللہ اور رسول اللہ کی ذمہ داری میں ہیں اس لئے ان کو ڈرتا کہ کہیں مسلمان ان کی زمینوں پر قابض نہ ہو جائیں، اس لئے مسلمانوں کو کبھی کا نشہ کاری کی سند نہیں دیتے تھے، کو تہ اندیشی نے خلفا کے طرز عمل سے یہ غلط فہمی پیدا کی جو کہ خلفاء مسلمانوں کو اہل عرب کو صرف پہاڑی بنانا چاہتے تھے، غالباً اس کو تہ اندیشی نے خلفاء کو بھی کو تہ اندیشی سمجھ رکھا ہے کہ اگر اہل عرب صرف پہاڑی نہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے تو چند سالوں میں ان کا نام صفحہ ہستی سے مٹ جاتا،

نفل، فی، خمس، صدقات،

”ثَالثِينَ أَمْنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ مِمَّا أُعْطُوا مِنْ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللَّهِ، وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ“ الْآيَةُ

یا ایہا النبی اُمنوا لا تتخون وَاٰبَاءَکُمْ وَاحِبَانِکُمْ اُولِیَاءَ اِنْ اسْتَقْبُوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَ مِنْ بَیْتِهِمْ مِنْکُمْ فَاولئکَ هُمُ الظَّالِمُونَ، قل اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ وَابْنَاؤُکُمْ وَاحِبَانِکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُکُمْ اَقْرَبَتْ فَمِنْهُمْ هَاجِرَةٌ تَتَخَوْنَ کَسَادَهَا

من اللہ ورسولہ وجمہاد فی سبیل اللہ حتی باقی اللہ بامرہ،

جو کچھ بھی موجود ہے اس کی مخلوق ہے اور سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اُس کے یہ قدرت میں ہر ایک شے ہے اور وہ قیام و سبوت پر جس طرح اُس کے علم و حکمت کا تقاضا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔
(۱) ”وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ، فَاِیْنَمَا تُوَلُّوْا فَوَجْهَ اللَّهِ اِنَّ اللَّهَ سَاعِدٌ عَلِیْمٌ“

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب تو جہاں کہیں منہ کرو اور ہر جہی اللہ کا سامنا ہے، بیشک اللہ بڑی گنجائش والا اور سب کچھ جانتا ہے۔

(۲) ”اللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِیْنَهُنَّ“

اللہ ہی کا ملک السموات والارض ہے اور جو کچھ ان میں ہے اس پر اسی کی حکومت ہے۔

(۳) ”لَهُ مَا فِی السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کُلُّ لَهٗ قَانُونٌ، بِدَعْرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَہٗ“
اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، سب اُس کے حکوم میں آسمان و زمین کا موجد ہے۔
وَ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاَخْبَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فِیْکُنْ۔

اور جب کسی کام کا کرنا نشان دیتا ہے تو اس اُس کی نسبت فرماتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتا ہے۔

(۴) ”اللَّهُ مَا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ اَنْ تَبْدُوْا مَا فِی الْفُسْکُوْا وَ تَخْفُوْا۔“

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو تمہارے دل میں ہے اگر اُس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔

”یَحْسَبُکُمْ ہِیَ اللَّهُ، فِیْغْضُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَ یُعْذِبُ مَنْ یَّشَاءُ وَاللَّهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ“

اللہ تم سے حساب لیگا، پھر جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۵) ”قُلِ اللَّهُمَّ مَالِکُ الْمُلْکِ تُوَفِّی الْمُلْکَ مِنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعِ الْمُلْکَ مِنْ تَشَاءُ“

کہہ دے خدا تمام ملک کا مالک تو ہی ہے جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔

وَ تَعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیْدِکَ الْخَبْرَانِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے اور ہر ایک خیر و خوبی پر خیر ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(۶) الحمد لله رب العالمین

تمام حمد اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے،

(۷) الحمد لله الذي خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور

ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین پیدا کیا اور نور و ظلمت کو بنایا
(۸) قل لمن مافي السموات والارض قل لله

(لوگوں سے پوچھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کس کا ہے، کہہ اللہ کا ہے،

(۹) "ما تعبدون من دونه الا اسماء سميتموها انتم واباءكم ما انزل الله،

تم لوگ خدا کے سوا نئے ناموں ہی کی پرستش کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں
نے دل سے گھڑ رکھے ہیں خدا نے

بھا من سلطان ان الحكم الا لله امر الا تعبدوا الا اياه ذلت الدين القيم ولكن
اكثر الناس لا يعلمون

اُن کی کوئی سند نہیں (تمام جہان میں) حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے اُس نے
حکم دیا ہے کہ صرف اُسی کی پرستش کرو، یہی دین سید ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے،

(۱۰) هو الله الذي لا اله الا هو غلم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم هو الله الذي
لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المحصي العزیز الجبار المتكبر سبحان
الله عما يشركون هو الله الخالق الباري المصور له الاسماء الحسنى يسبح له ما
في السموات والارض وهو العزيز الحكيم

وہ اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی سمجھ نہیں پوچھ سیکھ اور ظاہر سب کا جاننے والا رحمن اور
رحیم ہے وہ اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی اللہ نہیں باو شائے، پاک ذات ہے عیبوں
سے بری ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، زبردست ہے، جبار ہے، بڑی عظمت والا
ہے، یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ اُس سے پاک ہے، وہی اللہ خالق، موجد
مصور ہے۔ اُس کے اچھے اچھے نام ہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ سے اُسی کی تسبیح کرتے
اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

(۱۱) "تبارك الذي بيده الملك وهو على كل شيء قدير الذي خلق الموت والحياة
ليبلوكم اياكم احسن عملا، وهو العزيز الغفور الذي خلق سبع سموات طباقا،
ما ترى في خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر هل ترى من فطور، ثم ارجع
البصر كرتين ينقلب اليك البصر خاسئا وهو حسير

بڑا (بارک) ہے وہ (اللہ) جس نے یہ (قدرت) میں سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر
ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے
اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے جس نے سب سموات کو طباقاً عن طبق پیدا کیا، بھلا بھلا

دعا لئے) رحمن کی خلق میں تغاوت، نظر آتا ہے، تو دوبارہ نظر کر رہی خوب فکر (جھکو
 کیسے خلا نظر آتا ہے، پھر بار بار نظر کر کھینائی ہو کر غف میں تیری طرف لوٹ آئے گی
 اور جھکو خلق خدا میں کوئی تفاوت کوئی تفاوت نظر نہیں آئے گا جس سے تجھے اس امر کا
 ثبوت ملے کہ ایک سے زیادہ خالق ہیں جن کا قانون جدا صنعت جدا، اور نظام جدا ہے)
 ”قرآن کا اول سے آخر تک مطالعہ کرو، ہر ایک سورۃ ہر ایک رکوع ہر ایک
 صفحہ پر آیات بینات ملے گی جو آیات، کھولہ بالا کی ہم معنی اور تفسیر ہوں،

اصل اصول یہی ہے کہ اللہ ہی کا مالک ہے اور وہی ہر ایک چیز کا مالک ہے
 کفار اور مشرکین اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے، تو اللہ کا سر سے سے انکار کرتے
 ہیں یا اس کے ساتھ ایسے معبود اختراع کرتے ہیں جن کی کچھ حقیقت نہیں، یہ ان کے
 من گھڑت معبود ہیں یعنی ان کی نفسانیت نے ان کو پیدا کیا ہے اور اس لئے
 ان کے اعمال نفسانیت ہی کا نتیجہ ہیں وہ دنیا میں بغاوت پھیلاتے ہیں،
 آسمانی بادشاہت میں کوئی کافر کوئی مشرک اس قابل نہ رہنا چاہئے کہ وہ اپنے
 فتنہ و فساد کے باعث جو اس کے کفر و شرک کا لازمی نتیجہ ہے امن اور ترقی کا
 جو اسلام کا منشا ہے مخالف ہے۔

اصل اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے مال غنیمت ہی اللہ ہی کا ہے۔

”يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوا ذَاتَ
 تَبَعِكُمْ غَنِيْمَتٌ لَّكُمْ دِرْهَامٌ بِاَلْفٍ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ“
 اور رسول کا ہے، تو تم لوگ خدا سے ڈرو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک رکھو اگرچہ مسلمان ہو۔
 ”يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَيْرَ لَكُمْ لَنْ يَجْعَلَ لَكُمُ الْكُفْرَ يَنْفَعُ، يَخْلُقُ الْخَيْرَ وَيَبْطِلُ الْبَاطِلَ وَ
 لَوْ كَرِهَ الْاَكْثَرُ مِنْكُمْ“

اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ اپنے حکم سے حق کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ رکھے، کٹ کر
 کر رکھے، حق کو حق اور باطل کو باطل نہ کر دے، کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے،

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول یا خلیفہ کے ذریعہ ”اسلام“ یعنی احکام الہی نافذ
 اور شائع ہوتے ہیں، اور اس لئے رسول اور خلیفہ کو تبلیغ سے زیادہ کوئی حق نہیں
 پہنچتا، نہ تو رسول اور خلیفہ اور نہ اور کسی شخص کو خواہ وہ مال غنیمت ہو، یا خواہ ایذا،

تجوں من حاجر الیہم ولا یجدون فی
صدورہم حاجة فذا وتوا ولوزون علی
افضہم ولوکان ہم خصاصۃ ومن
یوق شئ نفسه فاولئک ہم المفلکون، و
الذین جاؤا من بعد ہم یقولون ربنا
اغفر لنا الآیۃ،

اپنے گم اور مال سے بے دخل کر دیے گئے اور اب
وہ خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلبگاری
میں لگے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کو
کھڑے ہو جاتے ہیں یہی تو سچے مسلمان ہیں
اور نے ان کا یہی حق ہے کہ (مہاجرین نے ابھی
ہجرت نہیں کی تھی اور وہ) ان سے پہلے ہی رہتے۔

اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور
مال غنیمت میں سے مہاجرین کو جو دیا جائے اس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں (اس کی) کوئی طلب
نہیں پاتے اور اپنے اوپر تلخی ہی کیوں نہ ہو مہاجرین ہائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور جو شخص
اپنی طبیعت کے غل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور (فی) ان کا یہی حق ہے جو
مہاجرین اولین کے بعد آئے اور وعائیں مانگا کرتے ہیں کہ الآیۃ،

صدقات کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

(۱) "۱۱ نما الصدقات للفقراء والمسلکین
والعالمین علیہا الموائفۃ قلوبہم
وفی الوقایہ والغارمین وفی سبیل
اللہ وابن السبیل ضربۃ من اللہ
واللہ علیہ حکیم" (۱۰-۱۲)

خیرات کا مال انہیں فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں
کا اور ان کارکنوں کا جو مال، خیرات (کے رسول
کے) پر (تیناں) ہیں اور ان لوگوں کا جن کے
دلوں کا پر جانا منظور ہے ان معارف میں مال
خیرات کو بیچ کر دیا جائے اور نیز خدا کی سے خلافتوں

(۲) "۲ یسئلونک ما ذابیعقون قل ما انفقتم
من خیر فلولو الذین والاقریبین الیتم
والمسلکین وابن السبیل وما تفعلوا
من خیر فان اللہ بہ علیہ (۲-۱۰)

کی گروہوں (کے تحفظ) میں اور قرضہ داروں (کے قرضے) میں اور نیز خدا کی راہ میں اور مسافروں
کے لئے ہے (یہ حقوق) اللہ کے شہر اس لئے ہوئے ہیں، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے،

تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا بیچ کریں تو یہاں کہ جو
مال بھی بیچ کر دو تو وہ تمہارے مال باپ کا حق
ہے، قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور
محتاجوں کا اور مسافروں کا اور تم کوئی سی بھلائی

(۳) "۳ یسئلونک ما ذابیعقون قل انفقوا
کذلک یمین اللہ لکم الا ان یتعلکم
تتفکرون، فی الدنیا والاخرۃ" (۱۱-۱۲)

تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا بیچ کریں تو ان کو
بھار دے کہ جتنا تمہارے حاجت سے زیادہ ہو
زیادہ رہے، اسی طرح اپنے احکام تم لوگوں سے
کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت (کے معاملات) میں غور کرو۔

(۴) "۴ ومثل الذین ینفقون اموالہم فی
سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع
سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ
واللہ یضعف لمن یشاء" (۳-۴)

اور جن لوگوں نے اپنا مال اللہ کے راستہ میں بیچ دیا
اس دانہ کی مثال ہے جس سے پچیس سات بائیس
ہر ایک بال میں سو دانہ ہے اور اللہ دگنا کر دیتا ہے
جس کے لئے چاہے۔

(۵) "يا ايها الذين امنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم وما اخرجنا لكم من الارض الاية

(۶) "ما ينفقون في هذه الحجة الدنيا كمثل ريد فيها صو صر اصابت حرق قوم ظلما

انفسهم فاهلكته وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون (۳۰۴)"

آیات محمولہ بالا کے مطالع سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مال خواہ وہ بذریعہ محنت و مشقت یا بذریعہ تجارت و زراعت یا بذریعہ غنیمت حاصل کیا جائے صرف کرنے ہی کے لئے ہے اور اُس کا مصرف آیات مذکورہ میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، مال جو کسی کی ضروریات سے زائد ہو سب مستحقین پر صرف کرنے کا حکم ہے، ضروریات اور حاجات کا اندازہ ہر ایک شخص نیک نیتی سے خود کر سکتا ہے کیونکہ علیٰ نفسہ بصیرت ہے اور ضروریات میں ہی اعتدال کا حکم دیا گیا ہے، نہ تبخل اور نہ اسراف کی حد تک خرچ کیا جائے، افراط و تفریط سے ہر ایک امر میں بچنا چاہئے، اور ساتھ ہی تمثیلوں سے واضح کر دیا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال میں ترقی ہوتی ہے اور حیاۃ الدنیا کے لئے جو متاع قلیل اور مہول و لعب ہے خرچ کرنا مال کو ضائع کرتا ہے، علم الاقتصاد نے اُس کی صداقت پر غور لگا دی ہے اگر آیات محمولہ بالا کا مطالع غور سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آیہ کے لایکون دولة بین الاغنیاء نے اصل اصول بتا دیا ہے کہ مال جو ہماری حاجات سے زیادہ ہو مال صرف کیا جائے جہاں اور جس کو اُس کی زیادہ ضرورت ہے، اغنیاء سے زیادہ محتاجوں کو حاجت ہے، اس لئے مال انہی کو دینا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ مال اغنیاء میں چکر لگاتا رہے اور محتاج محتاج ہی رہیں۔

علم الاقتصاد کے عالم جانتے ہیں کہ اگر آیہ کے لایکون دولة بین الاغنیاء پر عمل ہو تو قومیں افلاس کا منہ نہ دیکھیں اور تمام اقتصادیں خرابیاں رفع ہو جائیں۔

مال یا تو محنت و مشقت یا تجارت و زراعت یا غنیمت میں حاصل ہوتا اور ایسا مال بلا تکلف کم بیش جسمانی اور دماغی محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، ایسی صورتیں بھی ہیں کہ مال محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے، افعال وہ ماں شہیت ہے جو

لڑائی میں جس کا سرمایہ لڑنے والوں کی جان و مال سے حاصل ہوتا ہے اور
 ”رختے“ وہ مال غنیمت ہے جو بلا مزاحمت مفت ہاتھ آتا ہے۔ مال خواہ وہ
 کسی طرح حاصل ہو سب اللہ کا ہے، اس پر لوگوں کو محض حق تولیت حاصل ہے
 وہ اس میں کسی قسم کا تصرف بے جا کرنے کے مجاز نہیں ہیں، درحقیقت یہ تمام
 اصطلاحیں نفل، فتنہ و خمس و صدقات محض حق تولیت مقرر کرنے کے لئے
 وضع ہوئی ہیں ورنہ مال کا مصرف تو یہی ہے کہ حاجات سے زیادہ کوئی شخص ایک
 جبہ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور اس کو وہیں صرف کرنا چاہئے جہاں جسکی
 اس کی زیادہ ضرورت ہے، حق تولیت قائم کرنے کے لئے اصل اصول یہی ہے
 کہ مال اسی شخص کے قبضہ میں رہے جو تولیت کی صلاحیت رکھتا ہو، اور صلاحیت
 وہی رکھتا ہے جو مال کو اپنی سعی سے حاصل کرتا ہے اور اس قابل ہوتا ہے کہ مال
 اُس کے قبضہ میں محفوظ رہتا ہے، وہ مال کے صحیح مصرف کو جانتا ہے، اور
 مال اُس کی تولیت میں ترقی کرتا ہے، اگر کوئی شخص مال اپنی حاجات سے زیادہ
 جمع رکھتا ہے یا تولیت کی صلاحیت نہیں رکھتا تو خلافت کو اس امر کا حق پہنچتا ہی
 کہ اُس کا زائد مال بیت المال میں رکھے یا اُس کا کوئی متولی مقرر کرے، چونکہ ہر ایک
 شخص تولیت کا اہل نہیں ہوتا اور ہر ایک شخص محتاجوں کی حاجات کا صحیح اندازہ
 نہیں کر سکتا، اس لئے خلافت ایسے کارکن مقرر کرتی ہے جو لوگوں سے ان کا
 زائد مال وصول کرتے ہیں اور اہل حاجات کی حاجتوں کو ان سے رفع کرتے ہیں۔
 ”رہوت“ جس کے مختصر حالات ہم لکھ چکے ہیں ان ہی صدقات کی بنا پر واقع
 ہوئی، لوگوں نے صدقات کی ادائیگی سے انکار کیا اور محال کو جو ان کی وصولی پر
 مامور تھے اپنی اپنی بستیوں سے نکال دیا۔ صدیق اکبرؓ اپنے صاف صاف نقضوں
 میں کہہ دیا کہ ”اگر کوئی شخص ایک عقال بھی دینے سے انکار کرے گا تو میں اُس
 سے جبراً وصول کروں گا۔“

”جسزیرہ“ صدقات کے مقابلہ میں حقیر رقم ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ”جسزیرہ“

اس سختی سے وصول کیا جاتا جیسا کہ صدقات خود مسلمانوں سے ہمیں کوئی ایسی مثال معلوم نہیں کہ کوئی شخص خلافت راشدہ کے عہد میں جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہو گیا ہو، لیکن رقت کی تاریخ ہے واضح ہوتا ہے کہ صدقوں کی ادائیگی سے بچنے کے لئے مسلمان ہزاروں بلکہ قریباً کل عرب مرتد ہو گیا تھا۔ اس موضوع پر جامع و مانع بحث کی گنجائش نہیں، مختصر یہ ہے کہ آسمانی ہدایت میں ہر ایک شخص کی جان و مال کا مالک اللہ ہے، ہر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنا کر حق تولیت عطا فرمایا ہے، تاکہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق اپنا تصرف کرے اور ان کو ترقی دے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اس مقام پر ہم یہ بھی ظاہر کر دیں کہ ”ربا“ جس پر مسلسل بحث علماء اسلام کر چکے ہیں، مسلمانوں کے باہمی لین دین میں حرام ہے، مال اور اس کے کمانے اور صرف کرنے کے اصول بیان کرنے کے بعد ضرورت نہیں کہ اس دعوے پر زیادہ بحث کی جائے۔ چونکہ قرآن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی ایک بُرائی ہے اور انتقام مشروع ہے اور قصاص میں بھی حیات ہے، اس لئے کفار و مشرکین سے جو ربا جائز سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو مجبوراً اور کرنا پڑتا رہا، حاصل کرنا جائز ہو سکتا ہے، اصل اصول تو یہی ہے کہ دنیا میں محتاج محتاج نہ رہیں اور اس لئے مال انہی کو دینا چاہئے تاکہ وہ اپنی حاجات رفع کرنے کے قابل ہوں اور ملک اور قوم و ملت کے لئے مفید ہوں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حق تولیت کو واضح کرنے کے لئے ہم احادیث پیش کریں۔

رسول کریمؐ کی وفات کے بعد عباسؓ و علیؓ نے آنحضرتؐ کی جائیداد متروکہ کا دعوہ کیا جو صدیق اکبرؓ کی عدالت میں پیش ہوا، تحقیقات کے بعد صدیق اکبرؓ نے یہ جائیداد دونوں حضرات کی مشترکہ تولیت میں دیدی، فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں دونوں حضرات میں تنازعہ پیدا ہو گیا تو تقسیم کی درخواست دیدی، فاروق اعظمؓ نے کہا کہ تقسیم ایسی

جائداد کی ہوتی ہے جو شرک کی ملکیت ہو، ایسی جائداد جس پر صرف متولی کو صرف حق تولید حاصل ہونا قابل تقسیم ہے یہ ترکہ جو آنحضرتؐ کا ہے محض صدقہ ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے خود فرمایا تھا کہ لا نزلت ولا فزرت ما ترکنا صدقۃ“ اور ہمیں تمہاری استعداد پر صدیق اکبرؐ نے اس کامتولی بنایا تھا اس شرط پر کہ جس طرح رسول کریمؐ اس جائداد پر تصرف فرمایا کرتے تھے تم بھی کرو، یعنی ازواج مطہرات کے خانگی اخراجات کے بعد جو کچھ زائد ہو دیگر مستحقین پر صرف کیا جائے، اور تم نے اس شرط کو قبول کر لیا، فان عجزت ما عنہا فادفع الی فانی الفیکما ہا یعنی اب اگر تم اس تکلیف کو گوارا نہیں کر سکتے تو میرے حوالہ کر دو کہ میں ہی یہ بوجھ اپنے سر پر اٹھا لوں گا۔

رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ”اللہ المعطی وانا القاسم“ یعنی اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں اُس کے عطیہ کو تقسیم کرنے والا ہوں، دراصل آسمانی بادشاہت کا بھی یہی اصل اصول ہے کہ خلیفۃ اللہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں تصرف جائز تقسیم ہی کے لئے کرتا ہے، اور اس میں اُس کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ دوسروں کا ہے۔

اور نیز فرمایا کہ ”ما اعطکم ولا امتعکم انما انا قاسم اصنع حیث امرت“ یعنی میں تم کو عطا نہیں کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ کو تم سے روکتا ہوں میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں ارشاد الہی موتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطیہ میں میرا تصرف حکیم الہی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور نیز فرمایا کہ ”ان رجالا یخوذون فی مال اللہ بغیض فلیجد النار یوم القیمۃ یعنی جو لوگ اللہ کے مال میں تصرف بجا کرتے ہیں اُن کے لئے قیامت میں آگ ہے۔“

اور نیز فرمایا ”اذا هلك كسری فلا كسری بعد واذا هلك قیصر فلا قیصر بعد“ والدی نفسی بید المتنفذ كنونر ہا فی سبیل اللہ“ جب كسری سے ہلاک ہو گا

اس کے بعد کوئی کسر ہے نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں صرف کئے جائیں گے خلافت نے ایسا ہی کیا

جس طرح مال اللہ کا ہے تمام انسان ہی اسی کے بندے ہیں آسمانی باؤشتا کے نیک شہری وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اللہ کی راہ میں جان و مال سے سعی کرنا فرض ہے، اگرچہ جبری خدمت کا جواز ثابت نہیں ہوتا مگر اتنا تو ہے کہ تمام مسلمان مطوعین (والنہیر) ہیں

ایام جاہلیت میں جن سے مراد وہ زمانہ ہے جو رسول کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عرب پر گذرا عربی قبائل کسی منتظم حکومت کے تابع نہ تھے، لیکن وہ ایسی حکومتوں سے نا آشنا ہی نہ تھے، فرزند ان اہم القریٰ قدیم الایام سے غیر ممالک سے تعلق رکھتے تھے، اونٹ اور گھوڑا جو عرب ہی کی پیدائش ہے ایسے ذرائع سفر تھے جو ان کو عرب سے باہر ہر ایک جگہ لے گیا، ان لوگوں نے شام کی زرخیز زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے، اور مصر کی سیر حاصل راضی جو نیل سے سیراب ہوتی ہے عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں شام کے ساحلوں پر ”فنیقی“ اس وقت فن جہاز رانی میں است و تسلیم کئے گئے تھے جبکہ یونان کا نام تک ابھی تاج کے صفحات پر نہ تھا، فنیقی اہم سامیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا گوارہ طفولیت بحر احمر کے شرفی کنارہ پر انیس عجائز میں واقع تھا، ان کے تمدن و تہذیب کی

نسبت سلم وین دونوں خالص عربی لفظ ہیں۔ سام کے معنی سو سے دست چپ، اور ”مین“ کے معنی سو سے دست راست تینے وہ ستیں جن کو ہم شمال اور جنوب کہتے ہیں۔ ان ناموں کی وجہ تسمیہ سے ظاہر ہے کہ ان کا ممالک کا نام ان لوگوں نے شمال و جنوب، کہا جو ارض حجاز سے نکل کر ان سمتوں کی طرف آئے۔

ابو التیاج ہیرودوٹس ”اہل فنیقہ کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ لوگ خود بیان کرتے ہیں کہ ان کا وطن بحر اسود کے کنارہ پر تھا، ملاحظہ ہو کتاب اول و فنیقہ بعض محققین نے ہیرودوٹس کا ہتھکڑا دیا ہے کہ بحیرہ دم کے ساحلوں پر یہ لوگ بحر احمر کے کناروں سے کس طرح آ سکتے تھے اسلئے کی نسبت یہ قیاس کیا ہے کہ اس سے مراد خلیج فارس ہے، اور بقول فاضل یان فنیقی فرات کے

کی تاریخ اور علوم و فنون کی شہادت، علم الآثار اور علم الماسہ نے دی ہے، بر
اعظم یورپ ایک "فنیقی" شہزادی "عربہ" کے نام پر آباد ہوا، اور اسی شہزادی کا
بہائی قدم ر () نے یونان میں علوم و فنون کی اشاعت کی، تمام
براعظم یورپ کی زبانوں کی حروف ابجد ان کے نام اور ترتیب اور شکل صورت
"فنیقی" ہیں۔

اسی طرح جب بدوہت چھوڑ کر حضارت اختیار کی تو وادی نیل میں آباد ہو کر
اُس ملک کو "مصر" سے موسوم کیا، اور اُس جگہ ایک عظیم الشان تمدن کی بنیاد
رکھی جس کی یادگار ابھی تک آثار قدیمہ باقی ہیں جن میں اہرم مصر عجائبات عالم
میں شمار ہوتے ہیں، مصر کی تصویری تحریر جس کو حروف غلیف ()

کہتے ہیں، لفظ "حرف" اور "غلف" سے مرکب ہے "حرف" سے مشتق الفاظ "تخروف"
"تخرد" محاورہ وغیرہ ہیں "غلف" کے معنی مستور یعنی تحریر مستور کیونکہ عوام الناس
سے تحریر کا مطلب پوشیدہ رکھنے کے لئے یہ رسم خفیہ تھا، میں رائج تھی، عام پھری
رسم الخط کو () کہتے ہیں۔

بقیہ نمبر ۲۲ کنارہ سے آکر ساحل شام پر آباد ہوئے، لیکن یہاں اس سے بھی غلطی کا روض
تھا جس بحر احمر کے کنارہ پر ایک نام "فنیقہ" ()
موجود ہے۔ اور جب یوسس کے زمانہ تک، یہی یونین کیا جاتا تھا کہ فنیقی اس جگہ سے شام کی طرف گئے
بہر حال اس میں کلام نہیں کہ فنیقی عربی ہی تھے۔

نمبر ۲۳۔ عمر بہر کے متعلق ملاحظہ ہو ہیروڈوٹس جلد اول اور ساجیرا ولین یونان۔ یونان کا یہ
الارباب ضیاء () اس شہزادی پر عاشق ہوا۔ دونوں کا عقد ہو گیا۔ اور ان کی اولاد نے
اول یونان آباد کیا بعد ازاں براعظم یورپ میں پھیل گئے۔

$\alpha = \text{یونانی میں ج ہے}$

$F = \text{ہے}$

$Q = \text{ق}$

$\phi = \text{ق}$

H B C D

E F Q

H + J

K L M N

+ O P +

Q A S T

اجد

ہوز

حلی

کلن

سفنص

قرشت

روم کا ابھی سنگ بنیاد ہی نہ رکھا گیا تھا کہ قارتھج "متمدن دنیا میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، لاطینی میں یہ لفظ د

(اصل لفظ قرعہ عبرانی ہے اور قرعہ عربی ہے ج اور ی ایک

دوسرے سے بدل جانے ہیں، اس لفظ کے معنی بتی یا قصبہ کے ہیں ۱

عرب کے حدود میں عراق و یمن میں ایسی سلطنتیں موجود تھیں جنکی قدامت

کو کوئی اور سلطنت نہیں پہنچ سکتی اور جس کی غطت کی شہادت اس وقت ابھی

آٹا قدیمہ سے ملتی ہے ۱

اس میں کچھ شک نہیں اہل عرب دنیا کے مختلف حصوں میں مسافرانہ

تاجرانہ اور فاطحانہ حیثیت سے گئے اور ہر ایک جگہ تہذیب و تمدن اور علوم و

فنون کو رواج دیا، لیکن جزیرہ نما عرب کو ارض میں کچھ ایسا واقعہ ہوا ہے کہ

اگر آج ہم عراق کی سیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کریں اور اگر ہمارے

پاس تاریخی ثبوت موجود نہ ہوں تو کبھی یقین نہ کریں گے کہ وجہ کے کناروں پر کبھی

"بغداد" اس وسعت میں آیا تھا کہ صرف نو نو میل تک خلفاء بنو عباسیہ کے قصر

تھے، عرب کی موجودہ حالت دیکھ کر کب یقین ہو سکتا ہے کہ بابل و نینوا ایسی سلطنتوں

کے پایہ تخت تھے جو تمدن دنیا پر پہلی ہوئی تھی اور یہ کہ یمن میں سبائی اور حمیری

سلطنتیں بھی تھیں ۱

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت عرب کا زرخیز حصہ

قیصر و کسریے کے زیر اقتدار تھا، عراق اور یمن پر کسریے کی حکومت تھی، اور شمالی حدوں

پر قیصر کا قبضہ تھا، اگرچہ آئے دن کے جنگوں سے فرصت نہ تھی مگر عربی قبائل

اپنے آپ کو ہمیشہ آزاد ہی سمجھتے رہے اور یہ آزادی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی

کہ کسی منتظم حکومت کے ماتحت رہنا پسند نہ کرتے تھے، ایام جاہلیت میں یہ

نہ ۲۳ کا بیقہ - مفصل بحث کے لئے ہماری کتاب تحقیق الاسلام کا انتظار کرنا چاہئے جنہیں فیضی

مصری، حمیری، عراق وغیرہ کے حروف ابجد کی تاریخ مفصل ہے ۱

لوگ ہمیشہ عراق اور شام میں لڑتے رہے، مغلوب ہوتے تو خراج ادا کرتے۔
لیکن جب موقع ملتا اطاعت شاہی سے انحراف کرتے۔

اگرچہ اس وقت عربی قبائل کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، لیکن ”مکہ“ اُن کی مذہبی اور سیاسی طاقت کا مرکز تھا، جس کی وجہ ”کعبۃ اللہ“ تھا، کعبہ کی تولیت کے لئے ہر ایک قبیلہ ہمیشہ کوششیں کرتا رہا۔ کیونکہ اس وقت یہی نشان حکومت تھا بالآخر قریش کو غلبہ حاصل ہوا۔

عرب و عجم کے موضوع پر ہم نے اپنی کتاب ”ام القریٰ“ میں مفصل بحث کی ہے۔ اس جگہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

خلافت راشدہ کو قیصر و کسریٰ و مقوقس والی اسکندریہ اور نجاشی شاہ حبش سے سابقہ پڑا، آنحضرتؐ نے ان حکمرانوں کو نامے لکھے تو صرف نجاشیؓ ایمان لایا، ان حکمرانوں اور خلفاء راشدین سے ان کے تعلقات پر ہم مفصل بحث کرینگے اور سب سے پہلے ہم کسریٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں *

کسریٰ

آنحضرتؐ کا ہم عصر تخت فارس پر کسریٰ پر ویز تھا، جس کے عہد میں ایرانی شہنشاہت انتہائے عروج پر تھی، قیصر قسطنطنیہ ہرقل کے مقابلہ کے لئے اٹھا، اور تمام شام اور ارض فلسطین پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد افریقیہ کا رخ کیا اور اہل کتاب کی عبادت گاہوں کو جلا کر آشکدہ بنا دیا، نو ہزار عیسائی اس جنگ میں تہ تیغ ہوئے، اور شام کی تمام دولت و ثروت کسریٰ نے ایران میں جمع کی، سونا، چاندی، صنعت و حرفت کے بیش قیمت نمونے اور خود اہل صنعت و حرفت کو ایران میں لے گیا۔ اس وقت کسریٰ کی شان و شوکت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نو سو ساٹھ ہاتھی شہنشاہ کی سواری کے لئے موجود تھے، خیمہ خرگاہ اور بارہ ہزاری کے لئے بارہ ہزار بڑے اور آٹھ ہزار چھوٹے اونٹ اور شاہی

اصطبل میں چہ ہزار صبار قمار گھوڑے تھے، چہ ہزار محافظ فوج و در دولت پر کھڑی رہتی اور بارہ بارہ ہزار عام ہر وقت خدمت میں حاضر تھے، تین ہزار عورتیں جو بیٹوں کے حسن و شباب کا انتخاب تھا کسرے کے عیش و عشرت کو مکمل کرتی تھیں۔
 ”گنج شائگان“ اور ”باد آورو“ میں درو جاہر کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ”قصر امیض“ واقع مدائن جسکی سقف جو اہر نگار کو چالیس نفرتی ستون سہارا دیتے تھے جن پر تیس ہزار زر بفت اور حریر کے منقش پروئے لٹک رہے تھے اور جن کے نیلوں گنبد میں ہزار طلائی اور نفرتی نمقے آویزاں تھے، آسمان کا نقشہ تھا جس کے گنبد نیلی فام میں آفتاب و مہتاب اور بے شمار روشن ستارے زینت کا باعث ہیں۔
 اس وقت جبکہ ایرانی شہنشاہت سمت الراس پر تھی ایک دن موسم سرما میں جبکہ بقول ”گبن“ ”کسرے“ اپنے قصر امیض میں عیش و عشرت میں منہمک تھا اور اوران اسباب عشرت پر جن کا تذکرہ کیا گیا ہے نظر تھی اور تخت زرین پر بیٹھا ہوا دھوکے آتار کچم ”الاعلیٰ“ کر رہا تھا کہ دربانوں نے ایک شخص کو آستانہ دولت پر لا کھڑا کر دیا، یہ شخص کبیل پوش، سر پہ پھٹا پڑا نامہ عربی نژاد عربی وضع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد عبد اللہ بن حذافہ سہمی تھا، ہاتھ میں ایک قرطاس تھا جو آنحضرت کا نامہ تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:-

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ من محمد رسول اللہ کی طرف سے کسرے شاہ فارس کی جانب، اس پر سلام جو ہدایت کا تابع ہو، او اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے بیشک میں تمام دنیا کے آدمیوں کی طرف جو زندہ او موجود ہیں ڈرانے کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، اسلام قبول کر، سلامت قبول	”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس سلام علی من اتبع الهدی وامن باللہ وسلمہ اما بعد فانی رسول اللہ الی الناس كافة لیسنذرا من کان حیثاً، اسلمہ، فسنکفر، فان ابیت، فلیک افھر المجوس۔“
---	--

کر سلامت رہیگا، ورنہ مجوس کا وبال گناہ تیری گردن پر ہوگا۔
 یہ آستانہ جس پر اس وقت عبد اللہ اس وقت کھڑا تھا بوسہ گاہ خلافت تھا، دربانوں

نے حسب معمول سجدہ کرنے کے لئے کہا، انکار کیا، اجنبی سمجھ کر تعرض نہ کیا تخت کی طرف بڑھے تو چوہداروں نے آگیا۔

سیک و درباں چو یافتند غریب
ایں گریباں گرفت محاسن و امن
یہاں ہی سجدہ کا تقاضا ہوا، عبد اللہ نے کہا کہ سجدہ غیر اللہ کو ہمارے مذہب میں منع ہے، نامہ پیش کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسرے کے چہرہ پر اٹشکدہ کی آگ بھڑک رہی ہے نامہ کو پارہ پارہ کر دیا اور بے چارہ عبد اللہ بیک بینی و دو گوش اور روایات کی رو سے یہ بھی نہ تھے) دربار سے نکلوا دیا گیا، عبد اللہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا کہہ سنایا، فرمایا، خنوق اللہ ملکہ (اللہ اس کے ملک کو پارہ پارہ کرے)۔

ملک باذان والی یمن کے نام کسرے کا حکم پہنچا کہ اس عربی (محمدؐ) کو فوراً دو شخص بھیج کر گرفتار کرو اور مابعد ولت کے پاس روانہ کر دو، یہ دو شخص جب مدینہ میں آئے تو آنحضرتؐ کا پتہ پوچھا، مسجد نبویؐ کچھ دور نہ تھی، اس جگہ صحابہ کرام فرش خاک پر بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ تم میں سے محمدؐ کون ہے، صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کیا، تو کسرے کا حکم سنایا، جو ملک باذان کے نام منہ ہوا تھا، فرمایا "جاء اپنار استہ" پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے۔

شیرویہ نے آٹھ ماہ سلطنت کی اور مر گیا، اس کے بعد سات برس کا لڑکا اردو شیر تخت نشین ہوا، ڈیڑھ برس کے بعد یہ ہی شہر یار کی بغاوت کا شکار ہوا جس کو سپاہ شاہی نے بوقت جائزہ مار ڈالا۔ اس وقت شاہی خاندان میں اولادِ ذکور کا خاتمہ ہو چکا تھا، کچھ قریب و بزرگے جنون کی وجہ سے قتل کئے گئے تھے اور کچھ یکے بعد دیگرے مارے گئے، اس لئے پرویز کی لڑکی بوران کو تختِ ملوک ایک برس کے بعد مر گئی، دوسری بہن ازیمدختؓ کا نشین ہونی یہ بھی چھ ماہ بعد قتل کی گئی، اردو شیر باہک کی نسل سے فرخ زاد بن خسرو تلاش کے بعد دستیاب ہوا

تخت پر چھ ماہ بیٹھا اور مارا گیا، اس کے بعد یزدجرد بن شہر بار بن پرویز جو دادا کے جنوں کے باعث دشت و صحرا میں جان چھپاتا پھرتا رہا، اہل طہر میں ملا اور بادشاہ بنایا گیا، اس کی سلطنت کے دوسرے سال عربی عساکر پر قابض ہو چکے تھے۔

اس وقت عرب ردت کی ناپاکی سے پاک ہو گیا تھا، اور خالد اس انتظار میں پیام میں پڑے ہوئے تھے کہ دیکھئے صدیق اکبرؓ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ حکم ملا کہ عراق کی طرف کوچ کرو۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ اگرچہ صدیق اکبرؓ کی توجہ زیادہ تر شام کی طرف لگی ہوئی تھی، لیکن کسے کی طرف سے ہی بے فکر نہ تھے، اور اگر فارس اندرونی خرخشوں میں مبتلا نہ ہوتا تو غالباً پہلا حملہ عراق ہی پر ہوتا، لیکن اس پر بھی جہاں اسامہؓ کو شام کی طرف روانہ کیا، مثنیٰ بن حارثہ کو قبیلہ ربیعہ کے نوجوانوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ کیا، لیکن یہ ہدایت کردی کہ باقاعدہ لڑائی کی طرح نہ ڈلے، اور وقتاً فوقتاً جب موقع ملے حملہ آور ہوئے اور فوراً کسی اور جگہ آئے، مثنیٰ کچھ عرصہ بھی کام کرتا رہا اور اپنے رفقاء کو وحصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ اپنے بھائی سدید کے ماتحت منتہا سے خلیج فارس کی طرف روانہ کیا اور خود کوفہ کے قرب وجوار میں رہا، دونوں بھائی آج اس قریہ پر اور کل اس قریہ پر چھاپہ مارتے اور مال مویشی جو کچھ ہاتھ آتا لیکر نکل جاتے کسی جگہ کسے کی طرف سے مزاحمت نہ ہوئی، لیکن ادھر صدیق اکبرؓ اور ادھر کسے کو پیرہ دستی کی خبریں برابر پہنچتی رہیں، صدیق اکبرؓ کو تورت کی صفائی کا اور کسے کو اندرونی خرخشوں کے قلع و قمع کا انتظار تھا، آخر دونوں ملک کے اندرونی انتظام سے فارغ ہو گئے، اسوقت فرخ زاد شاہ فارس تھا:

ادھر خالد اسفل عراق میں بصرہ کے قریب ابلہ پر نمودار ہوئے اور سدید آئے، ادھر اعلیٰ عراق میں عیاض بن غنم حسب احکم صدیق اکبرؓ ایک وقت میں

داخل ہوئے، یعنی ایک ہی وقت میں عراق کے شمال اور جنوب میں عربوں نے حملہ کیا۔ اور بے محکف بڑھتے چلے گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مثنیٰ ہی خالد سے آئے، اُس وقت عراق چوٹی چوٹی ریاستوں میں تقسیم تہا جن کو خالد نے یکے بعد دیگرے بلا فراحت جزیرہ کی شرط پر پیچھے چھوڑا اور سرعت کے ساتھ ہرمز کے استقبال کے لئے جو کسرے کی طرف سے عراق کا حاکم تہا بڑھے، اوہر ہرمز ہی اپنے لشکر کو جن میں زیادہ تر عربی اور متصرہ عرب تھے ”حضر“ جمع کر رہا تھا، جسکے میدان میں خالد کے ہراول کے ساتھ مثنیٰ بن حارثہ کے ماتحت تہا اور چھ ہزار کی جمعیت تھی مڈبھیر ہو گئی۔

اہل فارس فنون حرب سے خوب واقف تھے، چنانچہ خندق کے محفل جو عرب میں پہلے پہل مدینہ کے محاصرہ میں آنحضرتؐ نے سلمان فارسیؓ کے صلاح و مشورہ سے کھودی ہم لکھ چکے ہیں، اس جنگ میں جو ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے اپنی لشکر گاہ کی چاروں طرف لوہے کی زنجیروں سے باڑھ باندھ رکھی تھی تاکہ عربی سوار حملہ آور نہ ہو سکیں، یہ بھی عربوں کو عجیب بات معلوم ہوئی اور اس جنگ کا نام ذات السلاسل رکھا۔

خالد کے ماتحت اُس وقت اٹھارہ ہزار آدمی تھے، ان میں حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ مثنیٰ اور دوسرا حصہ عدی بن حاتم اور تیسرا حصہ اپنے ماتحت رکھ کر ”حضیر“ کی طرف بڑھے، تینوں فوجوں میں ایک ایک منزل کا فاصلہ تہا، ارادہ تو یہ تہا کہ مثنیٰ کے حملہ کے بعد عدی تازہ دم فوج کے ساتھ حملہ آور ہوں اور اس کے بعد خود حملہ کریں لیکن ”ہرمز“ نے جنگ کی بساط جس طرح بچھائی تھی اسی پر مقابلہ کرنا پڑا،

میدان حضیر میں دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، کہ خالدؓ سوار ہو کر اپنی صفوں سے آگے نکلے اور بہ آواز بلند اپنا حسب و نسب بیان کیا اور ہرمز کو مبارز طلب کیا، ہرمز بھی سوار ہو کر نکلا، اس کے بعد دونوں گھوڑوں سے اتر آئے۔ یہ زمانہ شجاعت تہا، میدان میں دونوں آزمائشیں کی طاقت کے نمائندہ نکلتے

اور زور آزمائی کرتے۔ دونوں لشکر صفیں باندھے خاموشی کے ساتھ دیکھتے اور حریف کے زور بازو اور شجاعت کا اندازہ کرتے، ابتدا خالدؓ نے کی، اور ہرمز تلواری کا وار کیا جو حریف نے پیچھے ہٹ کر خالی دیا، اس کے بعد ہرمز نے وار کیا، خالدؓ نے آگے بڑھ کر سرعت کے ساتھ کلانی پر ہاتھ ڈالا، یہ آہنی پنجہ تھا، اگرچہ ہرمز بھی زخم خود فولا و بازو تھا، مگر خالدؓ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی، دونوں دست و گریبان ہو گئے، خالدؓ نے ہرمز کے کمر بند میں ہاتھ ڈال کر صاف زمین سے اٹھالیا اور پھر زمین پر پٹک دیا، عجم کی صفوں سے چند سوار اپنے سردار کو بچانے کے لئے بڑھے، ادھر سے قحط بن عمرو کچھ سواروں کے ساتھ خالدؓ کی امداد کو آئے لیکن بیشتر اس کے کہ دونوں طرف کے سوار جمع ہوتے خالدؓ ہرمز کو قتل کر چکا تھا، اور حسب دستور اُس کے سلاح حرب پر قبضہ کر لیا، صرف خود ہی ایک لاکھ روپیہ کا تھا، اس کے بعد جنگ مغلوبہ شروع ہو گیا مگر بے سرفوج کے پاؤں جلدی اکٹھے گئے، اور مال غنیمت سے خشن نوین فتح کے ساتھ صدیق اکبرؓ کے پاس بھیجائے۔

ہمارا منشا یہ نہیں کہ جنگ کے مفصل حالات لکھیں جن کو تفصیل وار ہر ایک مورخ نے بیان کیا ہے، مختصر یہ کہ دوران خلافت صدیق اکبرؓ میں عربوں اور عجمیوں کا عراق میں چارپانچ جگہ مقابلہ ہوا اور ہر ایک جگہ مسلمان غالب رہے، عراق میں اگرچہ کسے کی طرف سے قواعد و ان فوجین مقابلہ کے لئے برابر چلی آ رہی تھیں لیکن زیادہ تر عرب ہی مقابلہ میں تھے جو سرزمین عراق میں قدیم الایام سے آباد تھے، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان عربوں کو اپنے بھائی مسلمان عربوں سے دلی ہمدردی تھی، قوت کا تقاضا بھی کچھ تھا، اور مسلمان بھی ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے۔ جب خالدؓ نے جنگ ذات السلاسل کے بعد ”عمرو“ کا رخ کیا، راستہ میں چند مقامات پر کسے کی فوج ہے مقابلہ ہوا، لیکن خالدؓ راستہ صاف کرتا ہوا حیرہ پر پہنچ گیا۔ مرزبان حیرہ شہر و قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا، کیونکہ کسے فرخ زاد کے قتل کی خبر اُس کو پہنچ گئی تھی، لیکن دیگر سرداران لشکر نے قلعہ بند ہو کر لڑنا پسند کیا۔

حیرہ آباد شہر تھا اور عمارتیں بلند، دور سے کسی متکبر کی طرح سر اٹھائے نظر آ رہی تھیں، خالدؓ نے قلعہ کا محاصرہ ڈال دیا، اور محصورین سے کہلا بھیجا کہ بہتر ہے کہ قلعہ ہمارے حوالہ کر دو۔ اور شرائط صلح طے کرنے کے لئے کسی معتمد تجربہ کار آدمی کو بھیج دو، قلعہ سے دو شخص جن میں سے ایک بوڑھا اور دوسرا نوجوان تھانکلے اور خالد کے پاس آئے، بوڑھے کا نام عبدالمسیح تھا، آتے ہی فصیح عربی میں ”حیرہ“ کی تعریف کی اور اُس کے گرد و فواح کی سیر حاصل زمین کی بہت کچھ صفت بیان کی اور کہا ایک وہ وقت تھا کہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا، اب ایک ویران جگہ ہے۔

خالدؓ تو کون ہے ؟

عبدالمسیح : بندہ خدا

خالدؓ : کہاں سکونت رکھتا ہے ؟

عبدالمسیح : دنیا میں

خالدؓ : کہاں سے آیا ہے ؟

عبدالمسیح : پشت پدر سے ہو کر شکم مادر سے،

خالدؓ نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا، ”یہ سہتے میری سمجھ میں نہیں آتے صاف

صاف میری طرح آدمیوں کی سی گفتگو کر۔“

عبدالمسیح : باتیں تو میں آدمیوں کی سی کر رہا ہوں تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو

میں کیا کروں۔“

خالدؓ اچھا بتاؤ تم کون ہو ؟

عبدالمسیح : فرزند آدم۔

خالدؓ پھر وہی، اچھا بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے، صلح کا یا جنگ کا ؟

عبدالمسیح : صلح کا۔

خالدؓ تم عرب ہو کہ عجمی ؟

عبدالسیح اُتھے تو عرب مگر عجم ہو گئے، اب پر عجم سے عرب ہو گئے۔

خالد: اب میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

عبدالسیح: زہر کی پٹریا ہے

خالد: ہاتھ میں کیوں رکھی ہے؟

عبدالسیح: احتیاطاً اگر تمہاری طرف سے بدسلوکی ہو تو اپنی قوم کو منہ نہ دکھاؤں،

خالد: دیکھو تو یہ زہر کیسا ہے۔

عبدالسیح نے چپکے سے پٹریا حوالے کی اور خالد نے ہتھیلی پر رکھ کر اور بسم اللہ و

بسم اللہ رب الارض والسما والذی لا یضرع اسمہ شی فی الارض ولا فی

السما کہہ کر کھا گیا، تھوڑی دیر بظاہر عالم بیہوشی میں پڑا، اس کے بعد عبدالسیح کو کہا کہ مناسب

ہے کہ تم لوگ ہمارے ساتھ جنگ نہ کرو، اگرچہ زہر کا کھانا اور اس کا اثر نہ کرنا خالد کی کمرمت

میں شمار ہوتا ہے، لیکن امر واقع یہ ہے کہ عبدالسیح کی گفتگو سے خالد سمجھ گیا تھا کہ ”المحوب

خدعتہ“ پر عمل کرنا چاہیے، اور ایسا ہی کیا، چنانچہ لوگوں کے دلوں پر رعب چھا گیا اور

قلعہ و شہر خوں ریزی کے بغیر مسخر ہو گیا،

خالد نے ”غیرہ“ پر چھاؤنی ڈال دی، والیان عراق کے نام جو کسے کی طرف سے

حکمران تھے نامے لکھے،

اما بعد فالحمد للہ الذی حل نظلمکم اھم سذجس نے تمہاری بد نظمی کو اٹھکا کر دیا

و وہن کیدکم و فزق کلمتکم و لولہ ففعل اور تمہارے پھول کو کھول دیا، اور تمہارے

ذلت کان شر الکر فادخلوا فی امرنا لدن حکم شیرازہ کو کبھیر دیا، اگر ہم تمہارا انتظام اپنے ہاتھ

امرضکم و فحوزکم الی غیرکم و الا کان ذلت میں نہ لیستے تو تم تباہ ہو جاتے اگر تم ہمارا کہا

فاندکم کارھون علی ایدی قوم یحبون الموت مانو تو ہم تمہارا ملک تمہارے لئے تمہارا ملک

کما تحبون الحیات،، : چھوڑ دیں گے اور اور لوگوں کی طرف جائیں گے

و تاکہ تبلیغ اسلام کریں، ورنہ یہ ہو گا کہ تم لوگ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو گے جو موت

کو ایسا ہی دوست رکھتے ہیں جیسے تم زندگی کو۔

فی الحقیقت اس وقت فارس و عراق میں کوئی ذمہ دار حکومت نہ تھی، ایک مرد
 یا عورت سخت پریشانی اور قتل کی جاتی، عراق میں تو اس سے بدتر حالت تھی۔ جب
 مرکزی حکومت انتہا درجہ کی بدحالی میں ہو تو ملک میں عام فتنہ و فساد ایک قدرتی نتیجہ ہے
 ہم بیان کر چکے ہیں کہ قوموں کا قوموں پر غلبہ مساوات اور حریت کے منافی ہے، اور
 قدرتنا بہت دیر تک نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ لوح کائنات پر جلی حروف میں قوموں
 کا عروج و نزول اور تباہی لکھی ہوئی ہے، اس وقت سلطنت فارس تعمیر پستی کی طرف
 سرعت کے ساتھ نزول کر رہی تھی، اس کی سیاسیات کا تار و پود عرصہ سے ست
 پڑ چکا تھا اور نظام سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، خالد بن ولید کے نامہ سے ان ہی امور کی طرف
 اشارہ معلوم ہوتا تھا جن کے آخر میں خالد بن ولید نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا
 کہ ہوس ملک گیری ہماری مداخلت کی محرک نہیں ہوئی ہے بلکہ خود ہمارا ہی سودی
 اور بہتری ہمارے مد نظر ہے، اور ہم اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں
 جو ہم پر ہے، اس لئے اگر تم ہمارا کما مانو اور ہمارے صلاح و مشورہ پر عمل کرو تو فتنہ و فساد
 کا قلع و قمع ہو جائے گا، اور دو ہمسایہ طاقتیں امن سے ایک دوسرے کے پہلو میں
 بسر کریں گی، اور ہم ہمارے طرف سے مطمئن ہو کر ان لوگوں کی طرف جائیں گے جنکو ہماری
 تبلیغ کی ضرورت ہے، تمہارا ہمارے ساتھ جنگ کرنا ایک عبث فعل ہے، تم عیش و
 عشرت میں ڈوبے ہوئے ہو، جس نے تم کو نکمنا بنا رکھا ہے اور ہم ایسی زندگی پر موت کو
 ترجیح دیتے ہیں۔

”حیرہ“ کے بعد خالد بن ولید نے ”انبار“ اور ”عین التمر“ کو مسخر کیا اور ”دومہ“ بجنڈل میں عیاض
 بن غنم سے آئے، خالد بن ولید نے ”انبار“ پر قابض ہونا چاہتا تھا مگر پرچہ لگا کہ کسے کی فوج ”حیرہ“
 کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آ رہی ہے اس لئے ”حیرہ“ کی طرف لوٹے مگر ان کے
 پیچھے سے پہلے تعقل جس کو خالد بن ولید نے ”حیرہ“ میں اپنا نائب چھوڑا تھا کسے کی فوج کو
 شکست دے چکا تھا، اس کے بعد خالد بن ولید اس مقام کی طرف بڑھا جہاں بعد میں بغداد
 آباد ہوا۔ اور چوٹی چوٹی لڑائیوں کے بعد اس تمام علاقہ پر قبضہ جمایا، اسی اثنا میں خالد بن

کو صدیق اکبرؓ نے سپہ سالار افواج شام مقرر فرمایا، اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ کو سفیر عراق پر مقرر فرمایا، خالد کچھ فوج کے ساتھ شام میں ”بصری“ پر شرجیل بن حسنہؓ کے ساتھ آئے جو شہر کا محاصرہ ڈالے پڑے تھے۔

قصہ

رومی شہنشاہت جس کا سنگ بنیاد طاہرہ اٹلی میں دریائے روم پر رکھا گیا، اور جن کی ایشیائی عالی شان عمارت سکندر اعظم کی فتوحات پر تعمیر ہوئی، اس وقت وہ جہوں میں منقسم تھی، یورپ میں وہی پُرانا دارالسلطنت ”روم“ تھا جس کی شان و شوکت کا زمانہ ہو چکا تھا، قسطنطنیہ ایشیائی اور افریقی مقبوضات کا پایہ تخت تھا، اُس وقت قیصر قسطنطنیہ پر ”قیاس“ جس کو عربی مورخین ”ہرقل“ کہتے ہیں متمکن تھا جو یونانی تھا اور فی الحقیقت یہ رومی سلطنت یونانی شہنشاہت تھی، مگر ”روم“ کچھ ایسا زبان زد حقائق تھا کہ آج ایک مسلمان ترک بادشاہ بھی ”سلطان روم“ کہلاتا ہے، اور اس لئے عربی مورخین ”ہرقل کو قیصر روم ہی کہتے ہیں۔“

ہرقل سے پیشتر قسطنطنیہ کے تخت پر ”فوقس“ تھا، ”ہرقل نے ”فوقس“ کو تخت و تاج سے برطرف کر کے قتل کیا، اور اس وسیع شہنشاہت کا مالک بن بیٹھا، اس کا باپ افریقی مقبوضات کا گورنر تھا، لوگ ”فوقس“ سے ناراض تھے، اُس کو مدعو کیا مگر بوجہ ضعیف العمری معذور تھا، اس لئے یہ کام جو باپ سے نہ ہو سکا، بیٹے نے کیا جو ایک بہادر سپاہی تھا۔

”کسیرے“ پرویز ”فوقس“ کا دوست تھا، ایران سے جان بچا کر بھاگا تو فوقس نے پناہ دی، اور رومی سپاہ کی مدد سے تخت و تاج حاصل کیا، کب گوارا کر سکتا تھا کہ ایک دوست مارا جائے اور وہ چپکا بیٹھا رہے، جو شش انتقام میں دریائے فرات کو عبور کر کے شام میں داخل ہوا اور تمام مشہور شہر بجز و قمر سخر کر لئے، اور ہرقل کو پائے درپے شکست دی۔

”غَلَبَتِ الزُّوْمُ“ شاہد ہے کہ آتش پرست کسریٰ کی فتوحات نے رسول خدام اور مسلمانوں کو غمگین بنا رکھا تھا، کیونکہ ان کو اہل کتاب سے دلی ہمدردی تھی، اور کفار عرب خوش تھے کہ وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عقائد میں ہم خیال ہیں تباہ ہو رہے ہیں۔

۳۱۵ء میں خسرو پرویز شام اور دیگر ممالک کی فتوحات سے فخر ہوا۔ اور ۳۲۵ء میں رومیوں نے اندرز نو اونی ممالک پر قبضہ کیا، یعنی ”بضع سنین“ میں فتح پر رومی علم پر لہرائی، اور ادھر جنگ بد میں مسلمانوں نے نمایاں فتح کفار پر حاصل کی، ہر قتل ایرانی ہم سے فارغ ہو کر یروشلم میں مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آیا اور بطریق سے دریافت کیا کہ ”کیا مسیح کا جن کی پرستش ہم کرتے ہیں اور جس کا ہم بنظاہر ایک تھا مگر دو فطرتیں تھیں ارادہ ہی ایک تھا یا دو تھے“ جواب ملا کہ ارادہ ہی ایک ہی تھا۔

”گبن“ لکھتا ہے کہ اُس وقت مسیحی دنیا مذہبی مباحثہ میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ کلیسا کی تاریخ نے دیگر واقعات کو پس پشت ڈال رکھا تھا، مذہب عیسوی کا دارو مدار مسیح کی ذات ہے، اور اسی لئے عیسائی دنیا کی مذہبی تحقیقات، تشکیلات، حلول و الحامد میں دو سو رہی،

تلا میں عیسائیت کی اشاعت بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیروں میں ہوئی، یسوعی جو موسوی شریعت سے واقف تھے کسی ایسے مسیح کے منتظر نہ تھے جس کا مرتبہ انسانی وجود سے بلند تر ہوتا، اور نہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی پیروی آنجناب کو کچھ اور سمجھ کر کی، مسیح کے حواری آنجناب کو اپنا دوست اور ہم وطن اور پروردگار سمجھ کر بے تکلف گفتگو کرتے تھے اور اکثر اوقات مشورہ میں شریک ہوتے، اور بعض اوقات اعتراض بھی جاباب دیتے، آنجناب کو ابن آدم ہی سمجھتے تھے، اور مسیح ہی ان کی نگاہ میں اس سے زیادہ نہ جچتے تھے، مسیح کا بچپن، لڑکپن، جوانی اور بتدریج قد و قامت اور عقل کا بڑھنا انہیں اچھی طرح معلوم تھا، صلیب پر جسمانی اور روحانی تکالیف برداشت کرتے

ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، آنجناب ان کے درمیان رہے اور فوت ہوئے
ان شہادتوں سے وہ صرف انہیں فانی انسان ہی سمجھ سکتے تھے، وہ مصلح قوم تھے
یہودیوں سے دلی ہمدردی تھی، ان کی سنگ دلی اور فریسیوں اور کابنیوں کی ایمان
فروشی پر ایک انسان کی طرح زبان طعن کو لی اور ملازمت کی، اور یروشلم کی آئینہ
بربادی پر پیش از وقت آنسو بہائے، یہ تمام شہادتیں انسانیت کی دلیل ہیں،
اعجاز عیسوی بھی کچھ ایسی بڑی بات نہ سمجھتے تھے، آنجناب سے پیشتر حکیموں نے سخت
سے سخت امراض کا علاج کیا، پیغمبروں نے مردوں کو زندہ کیا، بحر کو پھاڑا، آفتاب کو ٹھہرایا
اکثر گاڑی میں آسمان پر چڑھ گئے، استعارہ کے رنگ میں تمام یہودی اپنے آپ
کو خدا کا بیٹا، بلکہ پوٹھا، سمجھتے تھے، ان کے بزرگ اور شہید تو بدرجہ اولیٰ اس خطاب کے
مستحق تھے، اگر حضرت عیسیٰؑ کو یہودی عیسائی خدا کا بیٹا کہتے تھے تو فی الحقیقت بنوئی
محافظ سے نہیں، اور نہ مسیح ایسے تھے، ”ابنائتی“ اور ”ناصری“ فرقہ کے عیسائی جوابدہ
میں تھے مسیح کو ایک بشر اور پیغمبر سے زیادہ رتبہ نہ دیتے تھے، مگر زمانہ اپنا رنگ بدلے
گیا، وہ لوگ چل بسے اور سلف کے ناخلف جانشین ہوئے، اور بدعت و شرک
نے مذہب میں مستقل دخل پالیا غیر اقوام میں اشاعت مذہب کے باعث
عیسائی مشنریوں کو بہت پرست اور مختلف عقائد کے لوگوں سے سابقہ
پڑا، اور مشرکین کے اوتاروں اور دیوتاؤں پر مسیح علیہ السلام کو
ترجیح دینے کے لئے آنجناب کی ذات میں ایسے اوصاف ثابت
کرنے کی کوشش کی گئی جنہوں نے خود مسیح علیہ السلام کو دیوتا، اوتار
خدا کا بیٹا اور خدا بنا دیا۔

مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پیشتر دنیا کے مختلف حصوں میں ایسے
اوتار اور دیوتا بے شمار گزرے ہیں جن کا تذکرہ اسطیسہ الاولین میں
مفصل ہے، اور جو ماں باپ یا باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور ان میں سے بعض قیمت
ابھی تک زندہ ہیں، جو وقت عیسائیت بادشاہی مذہب ہوا رومی اور یونانی فلاسفوں

نے تثلیث کے مسئلہ میں وہ موٹنگا فیان کیں کہ مسیحی الوہیت کو معقولیت کے ساتھ تسلیم کیا گیا، لیکن طبائع و خیالات اور ملکی آب و ہوا اور رسم و رواج کے اختلاف نے اس شرک وحدت بنیائیں نزاع لفظی و معنوی پیدا کر دیا، اور رومی دور دورہ کے آخری دوسو پچاس برس مختلف عیسائی فرقوں کے عروج و نزول اور باہمی مقدس جنگ میں بسر ہونے جو خونریز تونہ تھے مگر بنیاد مذہب اور عوام الناس کے عقائد کو متزلزل کر دیا، یورپ اور ایشیا و افریقہ میں پیشوایان دین مسیحی نے ایک دوسرے کے برخلاف کفر و ارتداد کے فتوے صادر کئے، اور اس عرصہ میں مختلف عیسائی ممالک میں اپنے اپنے کلیسیا قائم کئے جن کے عقائد ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

مختصر اس وقت مسیحی دنیا مسیح کی الوہیت و عبودیت اور تثلیث اور حلول اتحاد کے مسائل کو معقول دلائل سے حل کر رہے تھے، اور جب دلائل سے جو ایک فرقہ دوسرے کے خلاف استعمال کرتا تھا کام نہ چلتا تو برٹان قاطع یعنی زور بازو پرا تراتے، اس وقت جبکہ ہر قل کا دماغ بھی مسیح کی فطرت اور ارادہ کی نوعیت پر فکر کر رہا تھا و حبیہ بن حنیفہ کلبی آنحضرتؐ کی طرف سے دعوت کا پیغام لیکر آیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللّٰهُ اِلٰهُ هِرَقْلٍ عَظِیْمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ
اَتَمَّ الْهُدٰی اِمَّا بَعْدُ فَاَنْیٰ اَدْعُوْكَ بِعَلٰیةِ
اَلْاِسْلَامِ اَسْلَمْ، تَسْلِمْ، یُوْثِقُ اللّٰهُ لِحُرَّتِ
مُرْتَدِیْنَ، فَاَنْ تَوَلَّیْتَ فَاَنْ عَلِیْتَ اَحْمَدُ
اَلْاَوَّلِیْنَ وَاِیَّا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالٰوْا اِلٰی
كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا
اللّٰهَ وَلَا نَشْرِكَ بِهِ شَیْئًا وَلَا تَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اِیْبَا بَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاَنْ قَوْلُوْا فَعَلُوْا
اَشْهَدُ وَاِیَّا قَا مَسْلُوْنَ ۝

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہر قل شاہ روم کے جانب، سلام اُس پر جس نے ہدایت کی متاب کی ا ما بعد میں تجھ کو سلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر سلامت رہیگا، اللہ تجکو وگناہ جو سے گنا، اور اگر روگردانی کریگا تو رعنا کا وبال بھی تجھ پر ہوگا، اسے اہل کتاب آؤ ہم ایک بات پر جو ہم دونوں میں یکساں ہو اتفاق کر لیں کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود اور عبادت میں اُس کا کوئی اور شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا کسی شخص کو اپنا رب تسلیم نہ کریں، اگر تم نہیں مانتے تو یاد رکھو

کہ ہم مسلمان ہیں ۛ

عربی مورخ لکھتے ہیں کہ ہرقل کو صداقت اسلام کا یقین ہو گیا مگر اس نے اس کا اظہار علی الاعلان نہ کیا، کیونکہ تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔ یہ تو دعوت اسلام تھی، آنحضرتؐ کو قیصر اور ملک سے کچھ غرض نہ تھی، تبلیغ فرض تھی اور اس سے آنحضرتؐ سبکدوش ہو چکے تھے ۛ

لیکن جہاں آنحضرتؐ نے وہابیان، یامہ، و عثمان، و مجبرین، و اسکندریہ کو دعوت اسلام دی حرث بن شمر عثمانی والی دمشق کو بھی نامہ لکھا:۔

”السلام علی من اتبع الهدی وامن اللہ کی رحمت اُس پر جو ہدایت کا تابع ہوا، اور بہ ادعوت الی ان تو من باللہ وحدہ اُس پر ایمان لایا، میں تجھ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لائے جس کا کوئی

شریک نہیں، اور اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا ملک باقی رہے گا۔“
حرث بن شمر سخت برا فروختہ ہوا اور کہا کہ کون شخص میرا ملک مجھ سے چھینے گا میں خود اس کی طرف جاتا ہوں۔

اسی مضمون کا نامہ آنحضرتؐ نے شرجیل بن عمرو غسانی ”والی بصری“ کو لکھا شرجیل نے آنحضرتؐ کے ایلچی حارث کو قتل کروا دیا۔

وحیدہ کلبی جب ہرقل کے دربار سے واپس ہوئے تو رستہ میں بنو ضلیع کے سردار ہنید بن عوض نے بجا لست غفلت وحیدہ پر شجوں مارا اور جو کچھ مال و اسباب ہمراہ تھا لوٹ لیا۔

ان لوگوں کی سرکشی کا یہی تقاضا تھا کہ آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو بنو ضلیع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، ہنید لڑائی میں مارا گیا اور بنو ضلیع کے جو اس درست ہو گئے۔

شرجیل بن عمرو غسانی کو داہجی سزا دینے کے لئے ہی زید بن حارثہ کے ماتحت تین ہزار کی سپاہ روانہ کی گئی، خلافت توقع ہر قس کی سپاہ نے شرجیل کی مدد کی، موتہ کی خونریز لڑائی میں زیدؓ اور آنحضرتؐ کے ابن عم جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن

رواح شہید ہوئے، اس وقت خالد بن ولید جو اس لشکر میں تھیں سپاہی لڑ رہے تھے علم لے کر آگے بڑھے اور مسلمان سپاہی ہوتے ہوئے ٹھہر گئے اور جی توڑ کر لڑنے لگے سپاہ شام سپاہی ہو گئی اور خالد نے یہی سپاہی مناسب سمجھا کہ پروہ شب میں مدینہ کی طرف مراجعت کیجائے۔ خالد اسی غزوہ کے باعث سَيِّفٌ مِّنْ سَيِّوَفِ اللّٰہِ مشہور ہو گیا ایک اور مهم اہل شام کے برخلاف تیار ہو گئی، اس کے سپہ سالار رسول خدام بذات خود تھے، دس دن کے بعد حشمہ تبوک پر پہنچے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے، خونریزی کے بغیر سرحدی قبائل نے جزیہ دینا قبول کیا، اور صلح و امن کا عہد باندھا گیا۔

جب آنحضرتؐ حجاز الوداع کے بعد مدینہ میں واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ہر قتل عرب پر حملہ کرنے کے لئے سرحد شام پر فوج جمع کر رہا ہے، آنحضرتؐ نے ایک لشکر بسر کر دیا اسامہؓ بن زیدؓ شہید موتہ کی طرف روانہ کیا، اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ ابو بکر عمر رضی و عثمان رضی و علی رضی و عباس رضی و سعد بن ابی وقاص رضی و ابو عبیدہ رضی بن الجراح و سعد بن زید و قتادہ بن النعمان و مسلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسامہؓ کے ماتحت تھے، یہ لشکر ابی فوارح مدینہ ہی میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے انتقال فرمایا، اور صدیق اکبرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لیکر پہلا کام یہ کیا کہ اسامہؓ کو شام کی طرف روانہ کیا، اور خود اسامہ کے ساتھ ”جرف“ تک آئے، اثناے راہ میں اسامہؓ کو سمجھایا کہ میری چند ہدایات یاد رکھو، یہ مهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تیار ہوئی تھی، جو کچھ رسول اللہ نے تمہیں اس مهم کی نسبت فرمایا تھا اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، بدعہدی نہ کرنا، لڑکے، بوڑھے اور عورتوں کو قتل نہ کرنا کوئی پھل واردِ رحمت نہ کھدوانا، اور نہ جلانا، اور نہ کاٹنا، بلا ضرورت بکری اور گائے اور اونٹ کو قطعاً فوج نہ کرنا، جب کسی قوم پر گزند نا تو نرمی سے دعوتِ اسلام دینا، جب کسی سے ملنا تو حفظِ مراتب کا خیال رکھنا، جو شخص لڑے اُس سے لڑنا، ہر ایک کام میں

مہتاری غرض رضاے الہی کے مطابق ہو، نفسانیت کو مطلق خسل نہ ہو، اللہ کے راہ میں اور اللہ کے نام پر کفار سے لڑو، دو ماہ بعد اسامہؓ منظر و منصور مدینہ کی طرف واپس آئے۔

عموماً غلط فہمی سے یہ سمجھا گیا ہے کہ آنحضرتؐ اور خلافتؐ نے رومی شہنشاہ سے چھٹ بھٹا و شروع کی، بات اصل میں یہ ہے کہ شام میں عرب شامیوں کی چوٹی چوٹی ریاستیں تھیں، یہ عرب چونکہ عیسائی تھے اس لئے ”عرب متصرفہ“ کہلاتے ہیں، رومی سلطنت کا ان کے ساتھ دوستانہ تعلق تھا، اور یہی وجہ ہے کہ قیصر نے ان کی اداؤں کی، عرب متصرفہ مسلمانوں کے بھائی بند اور قیصر کے ہم مذہب تھے، ارض شام تو قدیم الایام سے ان کے قبضہ میں تھی، رومی سلطنت کا اگر کبھی غاصبانہ قبضہ رہا تو عارضی تھا، ان تمام لڑائیوں میں اگرچہ قیصر نے مفتوا ترک رکھ رو ان کی مگر فی الحقیقت زیادہ تر عرب متصرفہ، غسان، نخم، جہام وغیرہ میں رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب متصرفہ کو ”اسلام“ کے اصول سے آگاہی ہوئی، اور رومی حکومت کا دامن چھوڑ کر خلافت کا سایہ عاطفت قبول کیا تو یہی لشکر کے ساتھ براہ راست مسلمانوں کا جنگ شروع ہو گیا، جہاں تک ان لڑائیوں کا تعلق صدیق اکبرؐ کی خلافت کے ساتھ ہے ہم واقعات اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

نظارہ

ایک وہ وقت تھا جب آنحضرتؐ اپنے یار غار کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں آئے جو چند جھوٹے پناہیں تھیں، اس کے بعد اسلامی طاقت کا مرکز یہی جگہ نہ رہا پائی اور یثرب مدینۃ النبیؐ ہو گیا، صحابہ کرام نہایت سادہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے، اگرچہ فتوحات اور تسخیر ممالک کے باعث روپیہ عام تھا، مگر انہوں نے نہ تو تعمیر عمارت اور نہ خور و نوش میں صرفت کیا، بلکہ ہمیشہ فقر و مساکین اور یتیم بچوں کی پرورش بیت المال سے کرتے رہے،

اس پر مفصل بحث ہم مناسب مقام پر کریں گے، یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مدینہ النبی کی آبادی سرعت کے ساتھ بڑھ گئی، لیکن اس میں وہ عالی شان قصر جس کا ایک نمونہ مدائن میں تہا کہیں دیکھنے میں نہیں آئے، خلفاء کی رہائش آخر وقت تک جھونپڑیوں میں ہی رہی۔

صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں ہی جھونپڑیاں نظر آتی تھیں۔ غیر مالک سے سفیر آئے تو خلیفہ کو ایک کبیل پوشش اور دارالخلافت کو ایک جھونپڑی دیکھ کر سکتہ کے عالم میں رہ جاتے، یہ وہ خلیفہ تھا کہ جس کی فوج نے اس وقت عراق اور شام کی وادیوں کو اپنا جولاں گاہ بنا رکھا تھا۔

اگرچہ مدینہ اس وقت تمدن کے نقش و نگار اور نمود ہے، بوسے آہستہ نہ تھا مگر اس جگہ ہر روز وکالت نظر دیکھنے میں آتا ہے ہم ایک مورخ کے لفظوں میں لکھتے ہیں۔

جب روت کا خاتمہ ہو گیا تو رومی حملہ کے خوف نے جس کی تیاری حدود شام پر ہو رہی تھی، صدیق اکبرؓ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا، آپ نے بلاد عرب میں اپنے قاصدوں کو روانہ کیا اور لکھا کہ اپنے ملک اور قوم اور مذہب کی حفاظت کے لئے کمر ہمت باندھ لو، اور اپنے اپنے قبائل کے ساتھ مدینہ میں جمع ہو جاؤ۔
الفرار اخفاوا و اتقوا و اجاہدوا با ما واکم و انفسکم فی سبیل اللہ

صدیق اکبرؓ کی دعوت پر ہر ایک طرف سے قبائل عرب اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ مدینہ میں جمع ہونے لگے، صدیق اکبرؓ کو سبھی ان لوگوں کا انتظار تھا کہ ایک دن مدینہ کے باہر قبائل یمن کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، اس بن مالک خادم رسول اللہؐ نے ان کی روانگی سے پہلے ہی سے اطلاع دیدی تھی، صحابہ کبار آپ کے ساتھ چشم براه تھے کہ ذوالکلاع حمیری اپنے قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ صدیق اکبرؓ کی طرف آیا، اور کہا، انتك حمير باکہ هليلين والولد،
یہی طرف اے خلیفہ، بنی حمیر اپنے اہل اور اولاد کے ساتھ آئے ہیں۔

اهل التواضع والعالون في الترتب
 یہ لوگ چابک دست اور بلند مرتبہ ہیں
 استغفار غطارفة شمس عمالقه
 یہ اولاد عمالقمہ ہیں اور جواں مرد و شیر ہیں
 يردوا الكماة غدا في الحرب بالغضب
 پہلوانوں کو جنگ میں غضب ناک ہو کر زمین پر پھینک دیں گے
 الحرب عادتنا والضررب همتنا
 جنگ کرنا ہماری عادت ہے اور حملہ کرنا ہماری ہمت ہے
 وذو الكلاع دعا في كاهل والنسب
 اور ذو الکلاع اپنے قبیلہ اور اہل کے ساتھ خود آیا ہوا
 دمشق لي دون كل الناس اجنهم
 اور دمشق کو میں تنہا ہی فتح کر سکتا ہوں و سرزمین امداد کی ضرورت ہی نہیں
 وساكنها ساهو فيم الى العطب
 اور اہل دمشق کو جلد ہی میں تلوار کے گھاٹ اتار دوں گا
 اسی طرح کے قدیم دستور کے مطابق قبائل اشعار و جزیرہ ہوتے ہوئے خلیفہ
 رسول اللہ کے سامنے آئے اور مدینہ کے باہر قیام گاہ کی طرف جاتے، اتنے
 میں قبیلہ مذحج عربی گھوڑوں پر سوار آئے، ان کا سردار قیس بن ہبیرہ صدیق اکبر
 کی طرف بڑھ کر کہنے لگا،
 انتك كتاب مناسرا عا
 (اے خلیفہ) قبیلہ کے نوجوان پہلوان تیری طرف آئے ہیں
 ذوی العیجان اعنے من مراد
 یہ لوگ صاحب تلج ہیں یعنی بنی مراد سے ہیں
 فقد منا اما ملت كے ترانا

ہم سب تیرے روبرو اس لئے آئے ہیں کہ تو ہمیں دیکھے

بنید القوم بالسيف البخاری

کیا اچھی قوم ہم ہیں جن کے پاس کیا اچھی تلواریں ہیں

اسی طرح قبیلہ بنی سٹے، حارث بن سعد طائی کے ساتھ اور بنی ارد و جذب بن عمر دوسری کے ہمراہ، اور بنو عبس مغیرہ بن مسروق کے ماتحت اور بنو کفانہ حیشم بن اسلم کے ہمراہ آئے۔

چند روز میں اہل مکہ و طائف و بنو کلاب و ہوازن و ثقیف ہی کے بعد دیگرے مدینہ میں جمع ہو گئے، میلوں تک یہ خدائی لشکر بھیلایا ہوا تھا۔ اور سرداران قبیلہ ہر روز اصرار کرتے تھے کہ کفار کے مقابلہ میں ان کو فوراً روانہ کیا جائے کیونکہ مدینہ میں اب گنجائش نہیں رہی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک ہزار کا دستہ فوج مرتب کیا اور اس پر ایک ایک سپہ سالار اور اس کے ماتحت اور افسر مقرر کئے، سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان کو حمص کی طرف اور اس کے بعد عمرو بن العاص کو فلسطین اور شرجیل بن حسنہ کو بقیار اور خالد بن سعید کو سہادہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ابو عبیدہ بن الجراح "امین الامۃ" کو تمام افواج کا افسر علیٰ مقرر کر دیا۔

اگر ہم ان لڑائیوں کا مختصر تذکرہ بھی لکھیں جو مسلمانوں کو عرب متصرفہ اور رومیوں کے مقابلہ میں پیش آئیں تو ایک دفتر چاہئے۔ اس لئے صرف خالاکا متبع کرتے ہیں جس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب ماکہ ہم بیان کر چکے ہیں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی جگہ افواج شام کا سپہ سالار مقرر کیا، اور وہ عاق سے ایک ہزار پانچ سو سپاہ کے ساتھ شرجیل بن حسنہ کے ساتھ "بصری" کا محاصرہ دلے ہوئے تھے۔ آئے۔ ۴

”بصری“

”بصری“ حوران کے علاقہ میں دمشق سے چار منزل پر ایک مضبوط قلعہ بند شہر تھا، چونکہ شام، عراق، اور حجاز کے کاروان اس جگہ جمع ہوتے، اس لیے یہ تجارتی منڈی بھی تھی اور شہر پارونی تھا، تجارت نے اپنے دو ہمتہ اور آباد اور حکومت نے اسے محفوظ اور آباد شہر بنا دیا تھا،

یہ وہی شہر تھا جہاں ”دیر بصری“ کی عمارت تھی، جہاں رسول کریم ص کی ملاقات ”بحیرہ راہب“ سے ہوئی تھی، آنحضرتؐ اس وقت ایک تاجر کی حیثیت میں اس جگہ وارد ہوئے تھے۔

شعرا عرب نے اس شہر اور دیر کی بہت تعریف لکھی ہے، صہمہ بن عبد اللہ القشیری لکھتا ہے :-

نظرت و طرنا العین بفتح لھوے	بشرقی بصری نظرة المتطاول
لا بصرنا را اوقدت بعدھجۃ	لر یا بدات الرمث من بطن جائل

رومی گورنر ”رومانس“ اس شہر کی حفاظت کر رہا تھا، عربی موضعین نے اس کی بہت تعریف لکھی ہے کہ تواریخ پر اس کا عبور تھا، اور فلسفہ اور حکمت میں اس کی شہرت اس علاقہ میں دور و در تک تھی، جب شہر حبیل بن حسنہ کاتب وحی نے بصری کے سامنے خیمہ استادہ کیا اور اہل بصری بھی مقابلہ و مقاتلہ پر آمادہ ہو گئے ”رومانس“ نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ مناسب ہے کہ ہم ان سے انکی غرض دریافت کر لیں، اگر کشت و خون کے بغیر یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو بہتر ہوگا اتنا سمجھا کہ خود ہی شہر حبیل بن حسنہ کے پاس آیا، جب شہر حبیل کو معلوم ہوا کہ رومانس والی بصری کا ہے تو بخیاں عظیم مراتب نہایت عزت و احترام سے پیش آئے رومانس نے یہ نگاہ کی جمیعیت اور سامان حرب کا صحیح اندازہ کر لیا، اور گفتگو میں جو سب ذیل ہوئی مسلمانوں کے مذہب اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق

سوال کئے۔

”رومانس“ تمہارا مذہب کیا ہے؟

”شرحبیل“ اسلام!

”رومانس“ کس نبی کے ذریعہ یہ مذہب تمہیں ملا ہے؟

”شرحبیل“ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جسکی تعریف توریت و انجیل میں مفصل ہے جس کو ہم مانتے ہیں۔

”رومانس“ محمد کہاں ہے؟

”شرحبیل“ وفات پا گئے۔ اور ہم ان کے صحابہ ہیں۔

”رومانس“ محمد کی جگہ کون تمہارا امیر ہے؟

”شرحبیل“ عتیق ابن عامر ابی قحافہ بن بکر بن تیم بن مروان

”رومانس“ عتیق! وہ تو میرا دوست ہے، اس جگہ کئی دفعہ مال تجارت لیکر آیا۔ اب تم کس ارادہ سے اس جگہ آئے ہو؟

”شرحبیل“ ہمیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے کے لئے۔

”رومانس“ اور کیا؟ تمہارے خیال میں ہم گمراہ ہیں؟

”شرحبیل“ ایسے گمراہ کہ تمہیں اپنی گمراہی کا بھی علم نہیں، یہ گمراہی کیا کم ہے کہ تم ایک بشر کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہو۔

”رومانس“ مگر وہ تو باپ کے کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے،

”شرحبیل“ آدم ہی تو بغیر باپ کے پیدا ہوا لہذا اس کی ماں ہی نہ تھی۔

”رومانس“ کا عمنہ بند ہو گیا، توڑی دیر خاموش رہا اور کہا کہ بات تو تم نے معقول کسی ہے، میں اس پر نور کروں گا اور امید ہے کہ تم مجھے غور و فکر کے لئے مصلحت دو گے۔

”شرحبیل“ بے شک اگر تمہارے مذہب کے کچھ شک شبہ ہو تو پوچھ لینا،

”رومانس“ لیکن کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ تم جنک بالکل موقوف کرو۔ عتیق میرا بھی

دوست ہے اور اگر وہ تمہاری جگہ ہوتا تو ہرگز مجھ سے نہ لڑتا،
 ”شرجیل“ میں تو سپہ سالار کے حکم کے تابع ہوں اگر وہ مجھے حکم دیتا کہ اکیلا
 اس شہر پر حملہ کروں تو بخدا بلا تامل ایسا ہی کرتا، اور ہمارے امیر کے متعلق بھی
 تمہاری رائے غلط ہے۔ اگر اس کا اپنا باپ یا بیٹا یا بہائی تمہاری جگہ پر ہوتا
 تو ہرگز نبیاس اسلام کوئی رعایت نہ کرتا،

”رومانس“ یہ نہ سمجھو کہ میں لڑائی سے جی خیراتا ہوں مجھے تمہاری سپاہ کی قلت
 اور شہر کی مضبوط دیواروں کا بخوبی علم ہے اگر ہم کھلے میدان میں تمہارا مقابلہ
 کریں تو امید ہے کہ ہم ہی غالب آئیں گے، اس میں کچھ شک نہیں کہ تم لوگ
 ارادہ کے پکے ہو، اور میں بے فائدہ کشت و خون پسند نہیں کرتا، اس لئے اگر
 قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہوں تو ناممکن ہے کہ تم اس شہر کو مستحضر کر سکو۔

”شرجیل“ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض یافتہ ہوں اور کتاب
 وحی ہوں، ارشاد الہی ”كَذَٰلِكَ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ عَلَّمْتُ فِتْنَةً كَثِيرَةً يٰٰذَا الَّذِي وَاللّٰهِ
 مَعَ الصّٰبِرِيْنَ“ ستورے بہنوں پر غالب آتے ہیں اگر اللہ چاہے، ماں
 استقلال شرط ہے۔

”رومانس“ یہ بھی صحیح ہے لیکن کیا اور کوئی صورت مصاحبت نہیں ہے!
 ”شرجیل“ کیوں نہیں، بلکہ ہمیں تو حکم ہے کہ حتی الوسع جنگ و جدل سے احتراز
 کریں، اور پہلے دعوت حق دیں، اگر تم لوگ اسلام کو قبول نہیں کرتے تو نہ سہی
 دین میں کچھ جبر و اکراہ نہیں، مصاحبت کی صورت میں جزیہ ادا کرنا پڑیگا، اور اتنی رقم
 جو تم پر گراں نہ ہو اور تم بخوشی خاطر ادا کر سکو، بچے، بوڑھے، عورتیں، اپنا بیج، عبادت
 خانوں میں رہنے والے، فقروں، مساکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے لڑنا بھی ہوتا
 ماں ممنوع ہے، اقل درجہ ایک دینار، اور زیادہ سے چار دینار فی کس سالانہ جزیہ
 ہے، اور یہ اس سپاہ کے مصارف میں خرچ ہو گا جو اس جگہ تمہارے جان و مال
 کی حفاظت کے لئے رہے گی، اور تمہارے لئے فوجی خدمت معاف ہے اور

تمہاری ریاست اور حقوق محفوظ رہیں گے۔

”رومانس“ شرائط بہت نرم ہیں، اور فحتمہ قوم سے اس کی توقع نہیں،
 ”شرجیل“ ہمیں ہوس ملک گیری نہیں، تبلیغ اسلام مہم پر مبنی ہے تاکہ
 لوگ ایک دفعہ نور ہدایت سے واقف ہو جائیں، اب چونکہ قوم انسانی بلوغت
 کی حد تک پہنچ گیا ہے اور ہر ایک عقلمند حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے،
 اس لئے اپنا نفع و نقصان خود سوچ سکتا ہے، بچوں پر ان کی بہتری کے لئے
 جبر کیا جاسکتا ہے مگر بالغ و عاقل دینا اس مرحلے کو طے کر چکی ہے، میں ظاہر
 کر چکا ہوں کہ میں کاتب وحی ہوں اس لئے جو کچھ کہتا ہوں اس کی سند میرے
 پاس موجود ہے، ”لا اکراه فی الدین قد تبین المرتشد من الغی“

”رومانس“ یہ تو سراسر حکمت کی باتیں ہیں اور کوئی عقلمند ان کا انکار نہیں کر سکتا
 ”شرجیل“ اور صرف یہ قوت ہی اس کا انکار کریں گے، اس لئے اگر وہ کچھ

عرصہ ہمارے درس میں شامل رہیں تو ممکن ہے راہ راست پر آجائیں۔
 ”رومانس“ اگر اسلام یہی ہے تو مجھے قبول کرنے میں کچھ ہی عذر نہیں۔
 ”شرجیل“ الحمد للہ اسلام یہی کچھ ہے کہ محمد ایک بشر تھا۔

”رومانس“ کون اس کی بشریت سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ تو بدیہی بات ہے۔
 ”شرجیل“ لیکن تمہاری قوم اس بداہت کا انکار کر رہی ہے، ابھی تم نے کہا تھا کہ
 مسیح خدا کا بیٹا ہے یعنی بشر نہیں، نبی بشر ہی ہوتے ہیں۔

”رومانس“ خوب!

”شرجیل“ اچھا جب تم نے تسلیم کر لیا کہ نبی بشر ہی ہوتے ہیں تو اللہ واحد ہے اس کا
 کوئی شریک نہیں، نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

”رومانس“ یہ تو ہم مانتے ہی ہیں۔

”شرجیل“ اگر تم یہ مانتے ہو تو مسلمان مومن ہو اور ہمارے بھائی ہو، تمہارے علم و
 حکمت کی شہرت جو ہمارے کانوں تک پہنچی ہے غلط نہ تھی۔

رومانس کچھ عرصہ خاموش رہا، اور پھر کچھ سوچ کر جواب دیا کہ ”بہائی! مناسب یہ ہے کہ تم چند روز تک صبر کرو، میں اپنی قوم کے پاس واپس جاتا ہوں اُن کو سمجھاؤں گا ممکن ہے کہ راہِ راست پر آجائیں، اگر نہ مانا تو میں تمہیں طسّلعِ دول لگا، پھر تہرا را اختیار ہے جو چاہو کرو۔“

شرجیل نے بھی رومانس کے مشورہ پر عمل کیا۔

رومانس نے دوسرے روز مجلسِ جنگ منعقد کی جس میں ارکانِ شہر اور مذہب موجود تھے، جو کچھ گفتگو شرجیل بنِ حسّہ کے ساتھ ہوئی تھی اُس کا لبِ لباب سمجھایا۔ اور مشورہ طلب کیا، ان لوگوں پر حمل تو خاموشی طاری رہی، بعض عقلمند اُسے اور رومانس سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے، رومانس نے کہا کہ میری رائے تو یہی ہے کہ جنگ نہ کرنا چاہئے، اور جزیہ پر صلح کر لیں، اس پر اکثر حاضرین سخت برہم ہوئے، ایک جوشِ غضب میں اُٹھا اور رومانس کو مخاطب کر کے کہا کہ بہتر ہے کہ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ رہو، ہم ضرور ان لوگوں کو یہاں سے مار کر نکال دیں گے۔ رومانس نے بہت سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ نہیں ماننے تو کہا کہ بہتر ہے جس طرح تم مناسب سمجھتے ہو کرو اور اُس کی طسّلعِ شرجیل کو دی کہ صبح اہل شہر تم پر حملہ کریں گے۔

رومانس تو چھپکے سے گھر میں بیٹھ گیا جو تفصیل شہر سے ملتی تھا اور علیٰ صبح دیرِ جان، اہلِ بصری کو نیکرِ تفصیل شہر پر آ رہا ہوا اور مسلمانوں کی صفوں کو آہستہ پایا، اہلِ شہر نے تیر باری شروع کر دی، مسلمانوں کی طرف سے بھی جواب دیا گیا لیکن پیش قدمی کی جرأت نہ کی، اسی طرح چند روز مقابلہ ہوتا رہا، اہلِ شہر تفصیل سے تیر بڑھانے رہے لیکن اُن کا اثر مسلمانوں پر نمایاں نہ ہوا، چونکہ اس وقت تک شرجیل نے شہر پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی، اس لیے اہلِ شہر کا حوصلہ بڑھ گیا، اور یہ ارادہ کر لیا کہ

مذہب مولف نے اس گفتگو میں تصرفِ بیجا نہیں کیا ہے گفتگو لفظ بہ لفظ نہیں پہنچی ہے۔ لیکن اصل یہی کچھ ہے جو ہم نے واضح بیان کر دیا ہے۔

کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہتے، شرجیل بھی یہی چاہتے تھے۔
 اتنا ایک دن صبح کو شہر پناہ سے باہر نکلے، اور آٹھ آٹھ گز دست بردستی شروع
 ہو گئی، آفتاب سمت اندر اس پر تھا، مسلمانوں کی قلیل جماعت پسپا ہوتے
 چوتے ہوئے شہر سے دور نکل گئی تھی۔ شرجیل بن حسنہ اٹھ اٹھائے ہوئے دعا
 کر رہے تھے کہ ”اللّٰهُمَّ اَنْصُرْنَا عَلٰی الْكَفَرِیْنَ“، میں اس وقت
 حُذْران کی طرف سے گرہ وغبار بلند ہوا، شرجیل بن حسنہ اور آپ کے رفقاء نے
 تکبیر کہی اور آدھری سے جو اب تکبیر میں ملا، اور تھوڑے عرصہ میں خالد بن ولید
 عبدالرحمن بن ابی بکر و رافع بن عمرہ طائی علم بردار ایک ہزار پانچ سو آدمیوں کے
 ساتھ میدان جنگ میں پہنچے دشمن پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہو گیا
 کہ آٹھ آٹھ گز میدان جنگ خالی ہو گیا، مسلمانوں نے مفصل شہر تک تعاقب کیا
 ہزاروں کا کیمت پڑا۔ دھرتی خالد کی بدولت آمد نے شکست کو فتح سے بدل دیا
 اور دشمن نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں نے سپاہیانہ چال چلی ہے، مقابلہ میں قلیل
 سپاہ رکھی اور کہیں گادیں اُن کی فوج بے شمار ہے، فریبے ہمیں جھیل شہر چھوڑنی
 پڑا ادا کیا، اس سے آئندہ تسلیم ہو کر لڑنا مناسب ہے، جب تک فیصلہ نہ ہو
 خالد کو جب تمام حالات کا علم ہوا، تو شرجیل کو طنز کیا کہ یہ آپ ہی
 کا جو صلہ تھا کہ ان گنتی کے آدمیوں کے ساتھ ایسے مضبوط شہر اور زبردست دشمن
 کے مقابلہ میں اڑے ہوئے تھے، شرجیل نے کہا کہ میں تو اب عبیدہ بن جراح کے حکم کی
 تعمیل کر رہا تھا، دوست دشمن کی گنتی مجھے نہیں آتی، نصرت الہی پر یقین کامل ہے
 اور اس کے شاہد تم بھی ہوئے

خالد چپکا ہو رہا، رات کے وقت اُس کے خیمہ میں شرجیل رومانس
 کے ساتھ داخل ہوئے، جب خالد کو معلوم ہوا کہ رومانس شہر کا والی ہے، اور
 شرجیل کے ہاتھ پر سلمان ہو چکا ہے تو نہایت تباہ سے ملے، رومانس نے
 مجھے یقین کامل ہو گیا ہے کہ تم صداقت پر ہو، اور خدا صداقت کا حامی ہے

میرا گھر فصیل شہر کے لمحن ہے، میں بذریعہ کند فصیل سے اتر کر یہاں آیا ہوں اگر ہتھاری خواہش ہو تو میرجاں تک لہتیں ہی اسی طرح پہنچا سکتا ہوں، لیکن میرے ساتھ عہد کرو کہ اہل شہر کو اگر وہ مقابلہ نہ کریں قتل نہ کرنا،

”مشرعیل“ جو شخص ہم سے نہ لڑے ہم اس سے نہیں لڑتے، یہ اتنی حکم ہے کہ اس سے لڑو جو ہم سے لڑتا ہے، چونکہ بچے، بوڑھے، عورتیں لڑائی کے قابل قدر تھیں اس لئے ان کو قتل کرنا سرے سے منع ہے، اہل شہر اگر امن کے خواہندگان ہوں تو ہتھاری امان ہی تمام دینا کے مسلمانوں پر واجب تعمیل ہے، مسلمانوں میں سے کسی ایک کی خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو ”امان“ ایسا عہد ہے جس کو کوئی مسلمان نہیں توڑ سکتا۔“

رومانس کی تسلی ہو گئی، اس کے بعد خالد نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو رومانس کے ساتھ کریمہ، جن کے ہمراہ ضرار بن انزاور چند اور جوان مرد تھے، ایک ایک کر کے فصیل شہر پر چڑھے۔ اور خاموشی کے ساتھ۔ ”دیرجان“ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہلایہ نے روکا تو رومانس نے اپنا نام ظاہر کیا اور کہا کہ یہ میرے رفقا ہیں جو شہر کی حفاظت کر رہے ہیں، جب دیرجان کے گھر پر پہنچے تو صرف رومانس اور عبدالرحمن آگے بڑھے اور دروازہ کھٹکھٹایا، ”دیرجان نے پوچھا کون۔“

رومانس نے اپنا نام بتایا، دیرجان سخت برہم ہوا کہ اس وقت یہاں کیا کرنے آیا ہے اگر سے برقعہ پہن کر نکلا ہے یا کہ مردی و مردانگی نے میری طرف جوع کر لیا ہے۔ آواز دیا ہے، اس کے بعد غلام کو حکم دیا کہ رومانس کو آنے دو جس کے ساتھ عبدالرحمن ہی بے تامل داخل ہوئے، غلام نے آپ کو بھی اپنا ہم جنس تصور کیا دیرجان جب رومانس کی نگہ عبدالرحمن پر پڑی تو رومانس سے سختی کے ساتھ پوچھا کہ یہ کون ہے، رومانس نے تبسم کرنے ہوئے کہا کہ یہ میرے نہایت ہی عزیز دوست کا لڑکا ہے، آپ کی ملاقات کا از حد شائق تھا چنانچہ سو وقت مجھے مجبور کیا کہ آپ کے پاس آؤں۔“

دیر جان نے برہم ہو کر کہا، یہی تو پوچھتا ہوں کہ یہ کون ہے اور اس جگہ مستحکم ہو کر
کیوں آیا ہے؟

رومانسؑ آپ جانتے ہیں کہ آج کل شہر خطرہ میں ہے اس لئے ہر ایک
شخص مستحکم ہے، اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ شہر کا محاصرہ کن لوگوں نے قیام کیا ہے
ان لوگوں کے امیر کا نام جو مدینہ میں ہے عتیق ہے، یہ جوان اسی کا بیٹا ہے۔ اپنی
ملاقات کی غرض سے جس کا اشتیاق اسے ہے یہاں بھیج لایا ہے یہ خود بیان
کرے گا، دیر جان اچھل پڑا، لیکن عبد الرحمن نے اسے مہلت نہ دی کہ سنبل کے
اور تلواریں پر رکھ دی،

یہاں سے فارغ ہو کر رومانس اور عبد الرحمن اپنے رفقا سے آئے اور شہر کے
دروازہ پر آئے، دربانوں نے مزاحمت کی جو بہت کمزور تھی اور اس لئے آسانی
ان پر غالب آئے، دروازہ شہر کھلا، تکبیر کی صدا بلند ہوئی، خالد اسی وقت کا منتظر
تھا، سرعت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور سپاہ کو چاروں طرف پھیلا دیا،
شہر پر صبح سے پیشتر قبضہ خاطر خواہ ہو گیا۔

صبح ارکان شہر خالد کے پاس آئے اور امن کے خواستگار ہوئے، باتوں باتوں
میں ایک شخص نے پوچھا، امیر ہمیں امید نہ تھی کہ تم شہر میں اس طرح خاموشی کے
ساتھ داخل ہو گے، اب چونکہ صلح واس کا عہد ہو چکا ہے اس لئے اتنا تو بتا دو کہ
کس شخص نے تمہاری رہنمائی کی؟

خالد بچکے ہوئے اور چمکا کہ رومانس کا نام بتائیں مگر رومانس جو اس
وقت یہاں موجود تھا اٹھ کھڑا ہوا اور ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تمہیں پہلے
ہی نصیحت کرتا تھا اور نیک مشورہ دیتا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لو۔ تم نے
نہ مانا۔ اب بھی اگر تمہاری جان بچی ہے تو میری امان کے باعث ہے میں نے
ہی مسلمانوں کی رہنمائی کی، مگر میں بے ہی تمہاری جان بچائی۔

شہر پر قبضہ مسلمانوں کا خاطر خواہ ہو گیا، اور رومانس رحمۃ اللہ علیہ بدستور بصری

کے والی رہے۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کو رسد اور ملک سے مدد دیتے رہے
بصری سے فارغ ہو کر خالد نے تمام افسرین عساکر اسلامیہ کو جو فلسطین
اور حصہ وغیرہ مقامات میں پڑے تھے مکہ مکرمہ کی طرف بڑھوا اور آپ ہی منزل
بمنزل کوچ کرتے ہوئے دمشق کی طرف آئے۔

دمشق

دمشق فی اوصافها جنة خلط راضیه
دمشق اپنے اوصاف میں جنت ہو نہایت پسندیدہ بلکہ
امارتی ابوابہا قد جعلت ثمانیہ
کیا تو نے اُسکے دروازے نہیں دیکھے جو آٹھ ہیں

دمشق کو حصہ الشام اسلئے کہتے تھے کہ اس کے مضبوط سنگین دیواریں
ناقابل تغیر تصور کی گئی ہیں، ان دیواروں کا تذکرہ یثیابہی کی کتاب میں بھی ہے
اور دمشق حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ہی پہلے ایک مشہور شہر تھا، غالباً دنیا میں
کوئی شہر دمشق کی قدامت کو نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ ان دیواروں کی مرمت مختلف قرون
میں ہوتی رہی مگر اس پر بھی زمانہ حال تک ان کا موجود ہونا حیرت انگیز امر ہے، دمشق
ایک ناقابل تغیر قلعہ تھا جس کی فتح کے بعد شام شام میں ایسا کوئی قلعہ نما شہر نہ تھا جو
فاتح قوم کے سلاب کو روک سکتا، یہ شہر قدیم الایام سے مسکو ہوتا رہا، فی الحقیقت شام
کی قسمت کا فیصلہ اسی شہر کی فتح و شکست پر منحصر تھا اس لئے دمشق کو کلید شام کہا گیا
تھا، چونکہ اس شہر کی دیواروں کے نیچے مسلمانوں کے ساتھ غل ریز لڑائیاں ہوئیں اسلئے
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس شہر اور اس کی قلعہ نما دیواروں کا ذکر کیا جائے تاکہ
عربی محاصرہ کے حالات جو دماغ کامل رہا، اچھی طرح ذہن نشین ہو سکیں۔

یہ دیوار جینوی شکل میں شہر کے گرد دھنچی ہوئی ہے جس میں دمشق کے آٹھ دروازے
ہیں، ان سے سرزمین شہر سے نکل کر شام کے دوسرے شہروں کی طرف جاتی ہیں۔

ایک دروازہ کا نام ”باب الشرقی“ ہے جو شہر کے مشرق میں واقع ہے اہم دیوار کو اسی دروازہ سے شروع کرتے ہیں، اس میں تین محراب دار دروازے ہیں، ایک مرکز میں اور ہر دو جانب جو طول و عرض میں نصف ہیں، وسطی محراب ۲۲ فٹ بلند اور ۲۰ فٹ ۴ انچ چوڑی ہے، رومی دور دورہ میں یہ تینوں محراب دار دروازے کھلے تھے اب وسطی اور کھچہ جنوبی محراب میں دیوار کچی ہوئی ہے۔

باب الشرقی سے آگے جانب جنوب توڑے سے فاصلہ پر یہ دیوار ایک زاویہ بنائی ہوئی جنوب مغربی سمت چلی جاتی ہے، اس زاویہ پر ایک سینار تھا اداس کے دروازہ پر پتھر کے دو شیر ہر دو جانب کھڑے تھے، اس زاویہ سے آگے جنوب مغربی جانب دیوار سیدھی چلی گئی ہے، اس میں مربع شکل کے سینار توڑے توڑے فاصلہ پر ملتے ہیں جتنے کہ نظر باب کیسان تک پہنچ جاتی ہے، یہ وہی مشہور دروازہ ہے جسے عیسائی ”باب پولس“ کہتے ہیں، روایت اس طرح ہے کہ جب پولوس جو ابتدا میں عیسائیوں کا دشمن تھا اور جس کی ہمت عیسائیوں کو ستانے میں صرف ہوتی تھی دمشق کی طرف اس نیت سے آیا تو ایک نور چمکا اور پولوس نے حضرت عیسیٰ کی آواز سنی جو کہہ رہی ہے کہ تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پولوس آنجناب پر ایمان لے آیا، اور اس کے بعد دمشق میں آیا آنکھیں نور کی چمک سے بے نور کر دی تھیں، چنانچہ رسول کے اعجاز سے اچھی ہو گئیں جب یہودیوں کو معلوم ہوا تو پولوس کی جان کے لالے پڑ گئے، اس نے شہر سے ہمار گئے کی تجویز کرنے لگے، رات کے وقت چپکے چپکے اس دروازہ سے دو تین گز کے فاصلہ پر دیوار پر سے ایک ٹوکہ میں رکھ کر آپ کو پیچے اوتار دیا گیا، (۲ کا تھیس ۱۱-۳۲)

باب کیسان سے آگے دیوار خم کھاتی ہوئی ”باب صغیر“ پر آتی ہے، جس کا دوسرا نام باب الشاعور ہے، دیوار خم کھاتی ہوئی باب الجابیہ تک آتی ہے جو شہر کا جنوب مغربی کونہ ہے، باب الجابیہ میں باب الشرقی کی طرح تین محراب دار دروازے ہیں، باب الشرقی اور باب الجابیہ کے درمیان ایک میل کے فاصلہ پر وہ مشہور ٹرک ہے جن کو شارع مستقیم کہتے ہیں کہ باب الجابیہ سے نکل کر شارع جابیہ کہلاتی ہے اور ”مح صفر“ کو جاتی ہے۔

شارع ستقیم وہی مشور شرک ہے جس کا تذکرہ رسولوں کے اعمال میں کیا گیا ہے، یہ ایک کشادہ شرک فی جس کا عرض قریباً ۹۰ فٹ تھا، خوف ستون کے تین سلسلے جو اس شرک کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے ایک دوسرے کے متوازی ایک میل تک چلے گئے تھے، رسولوں کے اعمال رباب کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں اس جگہ یہودیوں کی آبادی تھی، مگر کچھ عرصہ بعد یوں سوس ریل کے وقت انتخاب کے شاگردوں میں سے بعض بزرگوں نے اس جگہ رہائش اختیار کی اور یہ لوگ دراصل یہودی کہتے۔

اس شارع ستقیم پر ایک مشور گر جایو حنا یا مریم کے نام سے مشہور تھا جو ابتدا میں "البریض" کے نام سے مشہور تھا جہاں سورج دیوتا کی پرستش ہوتی اور جہاں بعد میں جامع اموی کی تعمیر ہوئی، باب الجابیہ سے آگے دیوار ختم کھائے ہوئے شمال کی طرف جاتی ہے اور باب السرا یا ختم ہوتی ہے، اس جگہ ایک قلعہ ہے جو اگرچہ اموی دور دورہ میں تعمیر ہوا لیکن اس کا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی اس کے آثار موجود تھے، یہ قلعہ شہر کا شمال مغربی زاویہ ہے اس قلعہ کی مغربی دیوار شرکی دیوار ہے قلعہ کے شمال مشرقی کونہ پر "باب الفرج" ہے جو دمشق کا نیک فال دروازہ مشہور ہے۔ "باب الفرج" کے آگے باب الفرائس ہے جس کا دوسرا نام "باب السمارہ" ہے جس کے سامنے ایک دیر تھا، جسے دیر صلیبیا کہتے تھے، جو بعد میں دیر خالد کے نام سے مشہور ہوا، اس دروازہ سے ایک شرک جسے "بین التورین" کہتے ہیں باب السلام تک چلی گئی ہے، کیونکہ دمشق کی مشہور دیوار جس کا تذکرہ ہم کچھ رسے میں اموی دور دورہ میں دو دیواریں تھیں جو ایک دوسرے سے متوازی شہر کے گرد لپیٹی ہوتی تھیں، اس میں تو کچھ شک نہیں کہ باب کیسان سے باب السلام تک یہ دو نو دیواریں تھیں، اور یہ شرک بین السورین ان ہی دیواروں کے درمیان تھیں چونکہ دمشق کے محاصرہ میں اس جگہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی اس لئے عربی اس کو باب اسلام کہتے تھے۔

باب اسلام سے دیوار باب تو لٹک آتی ہے جو شہر کے شمال میں وہ دروازہ ہے جو تھومس کے نام سے مشہور ہے، تھومس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ قبضہ ہرشل یا اس کے کسی رشتہ دار کا وانا د تھا، عربی اس کو تو لٹکتے تھے، باب تو اسے دیوار شمال مشرقی سے جوڑتے ہوئے ہوئے باب الشرقی پر آتے۔

اس دیوار کے باہر شہر کے گرد ایک وسیع خندق تھی جس میں پانی دمشق کی مشہور نہروں سے آتا جو دمشق کی رونق اور سرسبزی کا باعث ہوتی ہے اور اب بھی ہیں، پانی کی یہ کثرت ہے کہ کوئی جگہ اس سے ظالی نہیں۔

پیر نے عہد نامہ کا ایک مشہور قصہ (۲ سلاطین باب) ہے کہ شاہ دمشق کا سپہ سالار نعمان نامی تھا، بنی اسرائیل سے اکثر لڑائیاں ہوئیں، چنانچہ ایک دفعہ ایک اسرائیلی لڑکی کو اسیر کر کے لایا جو اس کی زوجہ کی خدمت کیا کرتی تھی، نعمان مرض جذام میں مبتلا ہوا، جب حکماء وقت کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو اس اسرائیلی لڑکی نے ایک دن نعمان کی زوجہ سے حضرت الیسع کے معجزات کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر میرا لٹک اس نبی کے پاس جاتا جو پیغمبر دل میں ہے تو وہ اسے شفا بخشتا۔

نعمان نے ایک خط شاہ دمشق کی طرف سے شاہ اسرائیل کو اس مضمون کا بھجوا دیا کہ ”میں اپنے خادم نعمان کو تیرے پاس بھیجتا ہوں تاکہ تو اس کا جذام دفع کر دے شاہ اسرائیل نے کہا کہ ”میں خدا ہوں کہ زندہ کروں اور ماروں، شاہ دمشق مجھ سے لڑنے کا بہانہ ڈھونڈھتا ہے، حضرت الیسع کو اس خیال سے مطلع کیا گیا تو نعمان کو بلایا اور کہا کہ ”جا اور یرون میں سات بار غوطہ مار کہ تیرا بدن اپنی اصلی حالت پر آئے گا، اور تو پاک و صاف ہو جائے گا، نعمان یہ کہتا ہوا چلا کہ ”دیکھو ابانہ اور فر فر دمشق نہریں اسرائیل کے تمام پانیوں سے کہیں بہتر ہیں، کیا میں ان میں نہا دوں نہیں سکتا“

اگرچہ نعمان کو یرون میں غوطہ لگانے سے ہی شفا حاصل ہوئی لیکن اس کا یہ خیال کہ دمشق نہریں ”ابانہ اور“ فر فر اسرائیل کے تمام دریاؤں اور نہروں سے کہیں بہتر ہیں بالکل صحیح تھا، یہ دونوں نہریں قدیم الایام سے دمشق کی زمینوں کو سیراب

کرتی ہیں ۛ

ان کا موجودہ نام ”بردی“ اور ”اعوج“ ہے، اس وقت نہر ”ابانہ“ دمشق کے شمال مغرب سے آتے ہوئے شہر میں داخل ہوتی اور شہر سے گذر کر مشرق کی طرف رخ کرتی، بعد ازاں بیضوی شکل میں پھر مغرب کی طرف لوہتی اور اس طرح تمام دمشق کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی ۛ

دمشق میں سات نہریں ہیں جن میں سے ”بردی“ سب سے بڑی ہے ۛ اموی دور دورہ میں ان کے نام نہر یزید، نہر ویرانی، نہر قنود، نہر قنوات، نہر بانیک اور نہر اقربا ہیں، عماد ابو عبد اللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے ان ناموں کو اس طرح منظوم کیا ہے ۛ

الی ناس باناس لی ضوءۃ لھا الوجہ داع و ذکر ی مشیر

یزید اشتیاقی و یغو کما یزید یزید و قنود ایشیر

و من بردی برو قلبی المشوق و ہا انا من صلوہ مستحیر

جبل الشرقی نے دمشق کو شمال اور مغرب کی طرف سے کھڑا ہوا جبل قاسون جو نہر یزید کا منبع ہے اور جبل الشیخ جہاں سے بردی آتی ہے اس کی مشہور چٹیاں ہیں یہ نہریں دمشق کے میدان جو اور ”المہر“ کو جو شہر کے جنوب مغرب سے شمال تک پہلے ہوئے ہیں سیراب کرتی ہیں اور ان باغات کے سلسلہ کو سرسبز و شاداب کھتی ہیں جو شہر کے گرد محیط ہیں، دمشق کے مفصل حالات ہم نے اپنی کتاب ”دمشق“ میں لکھے ہیں تفصیل کی اس جگہ گنجائش نہیں ۛ

خالد نے آتھری دمشق کا محاصرہ ڈال دیا، اور آمدورفت کے تمام راستہ بند کر دیے، قیصر کو معلوم ہوا کہ دمشق شام کی کلید ہے اگر یہ ہاتھ سے گیا تو تمام شام پر مسلمانوں کا قبضہ آسانی کے ساتھ ہو جائیگا، اس لئے یہی خواہش تھی کہ عمرو بن العاصؓ کا تعلق جو اس وقت ارضی فلسطین میں تھا خالد سے منقطع ہو جائے، اس لئے ”وردان“ والی محض کے ماتحت ایک لشکر اسی غرض سے روانہ کیا کہ عمرو بن العاصؓ اور خالد کے

جائل ہو کر اہل دمشق سے ملتی ہو جائے، قیصر نے اُس وقت انطاکیہ میں اپنا فوجی مرکز قائم کیا تھا اور سرعت کے ساتھ فوجیں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر رہا تھا، بطریق اور راہب صلیب ہاتھ میں لے کر لوگوں کو جنگ پر آمادہ کر رہے تھے، غرض اس وقت ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوجیں نقل و حرکت کرتی ہوئیں نظر آتی تھیں۔

جب خالد کو معلوم ہوا کہ وردان دمشق کا محاصرہ اٹھانے کے لئے آرہا ہی تو اول ضرار بن الازور کو روانہ کیا کہ اہل شہر سے اُس کا تسلیق قائم نہ ہو جائے، اُس کے بعد خود ہی اس طرف فوج کا اکثر حصہ لے کر بڑھنا، فی الحقیقت محاصرہ دمشق سے عملاً دست بردار ہونا پڑا، وردان کے ہمراہ اُس وقت ایک لاکھ سے زیادہ جمیعت تھی، اور خالد چالیس ہزار کے ساتھ مقابلہ میں آیا، چند روز اجنادین میں معرکہ کا زار گرم رہا، لیکن آخر کار مسلمان غائب آئے اور وردان میدان جنگ میں کام آیا، دوران جنگ میں مردوں نے تو دوا و مردانگی دی، عورتوں نے بھی کچھ کم کام نہ کیا، ان میں خولہ نے جو ضرار بن الازور کی بہن تھی عام سپاہیوں کی طرح ٹھوڑے پر سوار ہو کر قتال کیا۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد خالد پہرہ دمشق کی طرف لوٹا اور اب محاصرہ سختی سے ڈالایا، ابو عبیدہ باب جابیہ پر اور یزید بن ابی سفیان باب صغیر پر اور شہر صیل بن حسنہ باب تو ما پر اور عمرو بن العاص باب الفراء میں پر اور عبس بن ہبیرہ باب الفرج پر اور سپہ سالار خود باب شرقی پر رہتا، ضرار بن الازور دوا ہزار سپاہ کے ساتھ شہر کے گرد چکر لگاتا رہا۔

شہر کی یہ کیفیت تھی کہ پہلے ہی آباد اور معمور تھا، اب تو ہر طرف سے لوگ بہاگ بہاگ کر اس کی سنگین دیواروں کی پناہ ڈھونڈ رہے تھے، بھری سے پہلے ہی ایک جمیعت اُس کے اندر پہنچ گئی تھی، میدان اجنادین سے شکست خوردہ سپاہ کے اکثر حصہ سے ہی اس طرف مڑخ کیا، شہر کی امن پسند رعیت کے لئے

مصیبت تھی، مگر خاموش تھے۔

شہر کی دیواریں جس کا مختصر تذکرہ ہم کر چکے ہیں حملہ آوروں کے حملہ سے محفوظ تھیں مخفی جن سے عربی اس وقت تک نا آشنا تھے پتھر بربار رہے تھے، اور تیر تو بارش کی طرح برس رہے تھے، دو ماہ کامل محاصرہ میں گزر گئے، لیکن ہنوز روزا ول ہوا، اہل شہر بھی تنگ آ گئے تھے، سامان رسد دن بدن کم ہو رہا تھا اور یہ یقین تھا کہ اگر چند روز اسی طرح گزرے تو فاقہ کشی تک نوبت پہنچ جائے گی، اگرچہ پتھر وقتاً فوقتاً لگتا تھا لیکن مسلمانوں نے ان کو شہر کے قریب نہ بھٹکنے دیا۔ اب ہر صدیق اکبرؑ نے مالک بن اشترؒ اور عمرو بن معدیکربؓ کے ساتھ نو ہزار سپاہ اور بیحدی، اس وقت خالدؓ کے پاس پچاس ہزار سپاہ تھی جن میں سے ایک ہزار مجاہدین و انصار تھے جو رسول کریمؐ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے، ان میں سے ایک سو دہ صحابہ کرام تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔

محاصرہ طویل پکڑ رہا تھا اور ابھی تک کوئی تجویز کشادہ کار کی نظر نہ آتی تھی۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں محصورین محاصرین سے زیادہ تنگ آئے ہوئے تھے، خالدؓ کے نام سے ہر ایک شخص خائف تھا، مگر ابو عبیدہؓ کی نسبت علم تھا کہ رحمہ اللہ بزرگ ہیں، اس لئے آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ ابو عبیدہؓ کے پاس ایک وفد بھیجا جائے۔

دمشق میں اس وقت دو رومی سردار "تھومس" اور "میتیس" مسلمانوں سے لڑ رہے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت تک ان دونوں کے حسن تدبیر سے شہر محفوظ رہا، لیکن اب یہ بھی فیصلہ کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے، جب ارکان شہر ان کے پاس جمع ہوئے تو یہ بھی صلح پر آمادہ ہو گئے۔

رات کے وقت سرواہان لشکر باری باری ہر ایک دروازہ پر پاسبانی کرتے کرتے تھے تاکہ اہل شہر غفلت میں شیخون نہ ماریں، باب جبابہ پر ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی باری تھی کہ دروازہ سے چند آدمی برآمد ہوئے اور آواز دی کہ ہم صلح کے ارادے سے

آئے ہیں اور امیر شکر کے پاس جانا چاہتے ہیں، ابو ہریرہؓ اُن کو لیکر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ”تھوس“ اور ”ہربسین“ بھی ان میں تھے، شرائط صلح حسب معمول نرم تھیں جو وفد نے فوراً قبول کر لیں، عہد نامہ لکھا گیا مگر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہ تو اپنا نام اور کسی شاہ کا نام نہ لکھا، اور وفد کی تسلی کر دی کہ صبح اس پر خالد کے دستخط ہو کر تکمیل معاہدہ ہو جائے گی، اس کے بعد اپنے رفقاء کے ساتھ اُٹھے اور وفد کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے،

خوش قسمتی سے اور ہر شرائط صلح کا فیصلہ ہوا اور قیمتی سے اور خالد بن ولید کے پاس ایک شخص یونس بن مرقن آیا اور بیان کیا کہ اہل شہر سخت پریشانی کی حالت میں ہیں مجھے یقین ہے کہ اب ان میں تاب مقابلہ نہیں، میرا گرو دیوار شہر سے ملتی ہے، میں نے دیوار میں سوراخ کر دیا ہے جس سے ایک آدمی آسانی کے ساتھ گزر سکتا ہے، مجھے اور میرے اہل و عیال اور لوحقین کو امان دی جائے، خالد رضی اللہ عنہ نے امان منظور کر لی اور سو آدمیوں کو اُس کے ساتھ روانہ کر دیا، یہ لوگ چپکے چپکے اول یونس کے گھر میں داخل ہوئے، بعد ازاں باب شرقی پر پہنچ کر دروازہ پر قبضہ کر لیا، تکبیر کی آواز بلند ہوئی اور خالد بنو ہر شمشیر شہر میں داخل ہو گیا،

شارع مستقیم پر اس وقت عجیب نظارہ تھا، کنیہ مریم کے سامنے ابو عبیدہؓ اور خالد دو چار ہوئے، ابو عبیدہؓ نے دیکھا کہ خالد اور اُس کے سپاہی جو زیادہ تر بنو حمیر سے تھے شمشیر بھٹ قتل و غارت کرتے ہوئے آ رہے ہیں، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر منع کیا اور کہا کہ بروے عہد شہر امن میں ہے۔“

خالد۔ ”میں نے بنو ہر شمشیر فتح کیا ہے، امن میں کس طرح ہو سکتا ہو؟“

ابو عبیدہ۔ ”میں نے ان لوگوں سے جو ارکان شہر اور سرداران فوج ہیں انہی کی استدعا پر صلح کر لی ہے، انہوں نے شہر ہمارے حوالہ کر دیا ہے اور ان کی جان و مال کے ہم محافظ ہیں۔“

خالد۔ ”یہ کس طرح ہو سکتا ہے، میں اس وقت امیر ہوں اور میری منظوری کے بغیر کوئی عہد مجھے پابند نہیں بنا سکتا۔“
ابو عبیدہ ”اے امیر! خدا سے ڈر۔“

لیکن خالد طیش کی حالت میں اپنے رفقاء کی طرف متوجہ ہوا اور کہا ”لینا ان مشرکین کو، ان میں سے ایک بھی زندہ نہ جانے پائے گا۔“ اور ابو عبیدہ رضے نے بہ آواز بلند اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ ”اے اصحاب رسول اللہ! دیکھنا یہ عربی اللہ اور رسول اللہ کے ذمیوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔“

معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص اور شرییل بن حسنہ اور بھین بن عامر اور عبد اللہ بن عمرہ الخطاب اور دیگر صحابہ کرام فوراً اشاع مستقیم کی غرض میں کھڑے ہو گئے۔

خالد حیرت انگیز غصہ میں ابو عبیدہ کے منہ کو دیکھتا تھا، آخر رہ نہ سکا اور کہا کہ ”امیر میں ہوں یا آپ؟“

ابو عبیدہ ”اے امیر! خدا سے ڈر اور میرے عہد نامہ کا خیال کر۔ کیا تجھے معلوم کہ ذمۃ المسلمین واحد میرا عہد تمام مسلمانوں کا عہد ہے اور ایک مسلمان کا عہد تمام مسلمانوں کو پابند بناتا ہے۔“

خالد۔ ”میں یہ جانتا ہوں کہ میں اس وقت اولی الامر ہوں اور میری اطاعت واجب ہے۔“

شرییل بن حسنہ ”اولی الامر کی اطاعت اسی حد تک واجب ہے جب تک خدا اور رسول کے احکام کے مخالف نہ ہو۔“ فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ و الرسول ان کنتم قوۃ منون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویل۔“

ابن عمرؓ، ”یا ابا سلمان! ایمان الہام کی عند کی عزت کر، کیا تجھے وہ واقعہ بھول گیا ہے، جب رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ”اللہ انی ابرء الیک متابع خالد“ خالد (ابن عمرؓ سے مخاطب ہو کر) ”بنی خدیجہ کی لڑائی میں تو میرے ہمراہ تھا، اور

بنی خذیمہ نے جیانا، جیانا، کہا تو ہم سب نے یہی مطلب سمجھا تا کہ وہ کفر پر قائم
ہیں اس لئے اُن کا قتل ایک غلط فہمی تھی۔
ابن عمرؓ - اور اس لئے سب کی دیت ادا کی گئی۔ لیکن اب غلط فہمی کی کوئی
صورت ہے۔

”خالہ“ - میں تو سمجھتا ہوں کہ امارت کا بھی کچھ حق ہے، عہد نامہ میری طرف سے
ہونا چاہیے۔ اور کسی شخص کا حق نہیں کہ میری موجودگی میں کسی مخالف سے عہد باندھ
آجوبہ عیدہ۔ تمہارا حق محفوظ ہے اور تمہارے نام پر عہد باندھا گیا ہے اور عہد نامہ
جو ان لوگوں کے پاس ہے اس پر تمہارے دستخط ہونے باقی ہیں۔
”خالہ“ - اور اگر میں دستخط نہ کروں، یہ تو میرا اختیار ہے۔
”آجوبہ عیدہ“ عہد نامہ پر بھی مکمل ہے۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو امن دیکچکا ہوں،
اور مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم میرے عہد کا پاس نہ کرو گے۔
”معاذ بن جبل“ چونکہ عہد اب متنازع ہے اس لئے خلیفہ کی خدمت میں متنازع
کو پیش کرنا چاہیے، خلیفہ کا فیصلہ ناطق ہے۔

نبیؐ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خالہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ کے لئے بیجا بنی خذیمہ چلائے کہ ”جنانا“ ”جنانا“ چونکہ
کفار قریش جب کوئی شخص مسلمان ہوا اس کو ”صحابی“ کہتے، اس لئے کفار میں مسلمان صحابی کے نام سے مشہور ہوئے
تھے، ان لوگوں نے یہی یہی کہا کہ ہم صحابی ہو گئے، یعنی ہم مسلمان ہو گئے۔ مگر خالہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ وہ اسلام کا انکار
کرتے ہیں، اس لئے سب کو قتل کیا، رسول اللہؐ کو جب اصل حالات کا علم ہوا تو خالہ کے قتل سے بیزاری ظاہر
کی اور یہی مرتضیٰ نہ کو سونا چاندی دے کر رہا کر دیا کہ مقتولین کی دیت ادا کریں۔

مولف نواح بھر واقعہ عراق میں ایک ”صحابی“ سے ملا، اور اس کے مذہب وغیرہ کے متعلق دریافت کیا تو
معلوم ہوا کہ ”صحابی“ حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کے پیرو ہیں، اور ان کے پاس اس کا صحیفہ بھی ہے جو صرف ان کے امام
کے پاس رہتا ہے، یہ لوگ سر اور دامن کے بال نہ کٹواتے ہیں اور نہ منڈواتے ہیں، عموماً ان کا پیشہ زراعت ہے
عراق کے شمالی حصہ میں ان کی کچھ آبادی ہے، جنوبی حصہ میں یہ لوگ خانہ بدوش ہیں، قریہ بقرہ حید
روز رابیش رکھتے ہیں، جب ایک قریہ کا کام ختم ہوا تو دوسری جگہ چلے جاتے ہیں، مخالفین تو یہ
اعراض کرتے ہیں کہ اسلام ہزار ہا شیعہ شائع ہوا اور ہمیں اس بات کا رونا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کی طرف
توبہ کی اور اسلام سے چشم پوشی کی، درود یہ لوگ اس طرح نہ ہوتے۔

شہر جیل بن جسٹس۔ یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ایسی صورت میں ہمارے پاس نص قرآنی موجود ہے کہ جب اولی الامر اور ہمارے درمیان کسی امر پر تنازع ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق ہوگا، اس وقت ایسا فیصلہ ظلیفہ الرسول ہی کر سکتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ میری رائے میں تو معاملہ بالکل صاف ہے، اباسلیمان خواہ مخواہ اپنی بات منوانا چاہتے ہیں،

خالد رض۔ اگر تیری رائے میرے مخالف ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ یہ مخالفت تجھ کو تیرے باپ سے ورثہ میں ملی ہے وہ بھی ہمیشہ میرے مخالف رہا۔
ابن عمر رض۔ اور تمام صحابہ کرام بھی مخالف رہے، اور وہ تمہارے ظلم کے باعث اس میں نفسانیت تو نہیں ہے،

ابو عبیدہ رض نے ابن عمر کو خاموش کر دیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جب تک میرا اور خالدؓ کا کسی امر پر اتفاق نہ ہو مناسب ہے کہ تم لوگ خاموش رہو، خالدؓ نے دیکھا کہ تمام صحابہ کرام اس وقت ابو عبیدہؓ کے طرفدار ہیں خالدؓ کے ہمراہ صرف اعرابی تھے، اس لئے چاروناچار کہا اچھا جتنا حصہ شہر میں نے بذور شمشیر لیا ہے اس پر شمشیر کا حق ہے اور باقی پر بروے صلح عمل کیا جائے، ابو عبیدہؓ نے اس سے انکار کیا تو کہا اچھا سب کو امان دی جائے لیکن تھوس اور ہر میں میرے حوالہ کئے جائیں، ابو عبیدہ رض۔ نے اس سے بھی انکار کیا۔

آخر اس تنازعہ کی روئداد خلیفہ کے گوش گزار کرنے کے لئے چند آدمی مدینہ کی طرف روانہ کئے گئے، مگر افسوس صد افسوس کہ جس روز دمشق فتح ہوا صدیق اکبرؓ کا جہان فانی سے انتقال ہو گیا تھا، اور جب خالدؓ اور ابو عبیدہؓ میں جھگڑا ہو رہا تھا صدیق اکبرؓ کو مزار میں رکھ رہے تھے۔

یہ معاملہ فاروق اعظمؓ کی عدالت میں پیش ہوا فیصلہ ابو عبیدہ رض کے حق میں ہوا اور حضرت عمرؓ نے عنان خلافت سنبھال کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ خالدؓ کو معزول

کر کے ایک سپاہی بنا دیا اور ابو عبیدہؓ کو کل افواج شام کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا۔
 خالدؓ کا تقریر بحیثیت سپہ سالار اور معزولی کی نسبت اگر ہم یہ کہیں کہ صدیق اکبرؓ
 اور فاروق اعظمؓ دونوں کی رائے صائب تھی تو بے جا نہ ہوگا، اس دعوے کو
 سمجھنے کے لئے اصل اصول تقریر عزل کو ذہن نشین کرنا چاہئے جو یہ ہے کہ ”حرب“
 فن ہے اور سپہ سالاری کے قابل وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس فن میں ماہر ہو،
 ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، آنحضرتؐ نے عمرو بن العاصؓ کو قبیلہ نخع
 و جذام کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اس لشکر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بھی عمرو بن العاصؓ
 کے ماتحت تھے، اس لڑائی کو جو کفار اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہوئی ذات سلاسل
 کہتے ہیں، عمرو بن العاصؓ نے حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے اور اگر کسی شخص نے
 اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اسی آگ میں جھونک دوں گا“ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض
 کیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمرؓ کو کہا کہ ”خاموش رہو، آنحضرتؐ نے عمروؓ کو ہم پر سردار اسی
 لئے مقرر فرمایا ہے کہ وہ فن حرب ہم سے بہتر جانتا ہے، لڑائی کے بعد جب یہ معاملہ
 آنحضرتؐ کے روبرو پیش ہوا تو عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”میں نہیں چاہتا تھا کہ دشمن ہماری
 دیکھ بھال کر سکے“ آنحضرتؐ نے یہ تجویز پسند فرمائی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ خالد ایک دلاور سپاہی تھا اور فن حرب سے خوب واقف
 تھا مگر کئی دفعہ آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ کے عہد میں اس سے ایسی بے اعتدالیاں ظہور
 میں آئیں جن کی مثال ہم بیان کر چکے ہیں، فاروق اعظمؓ نے جب دیکھا کہ یہ بے اعتدالیاں
 بحالت امارت ظہور میں آسکتی ہیں اور باوجود سرنش خالدؓ جو خورانی سے کام لیتا ہے
 تو امارت سے معزول کر دیا، اور یہ بھی لکھا کہ خالد کو یہ یقین ہے کہ تمام فتوح اسی کے
 زور بازو و تدبیر کا نتیجہ ہیں حالانکہ نصرت الہی اپنا کام کر رہی ہے، معزولی کے بعد
 برہ ایت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار سے بڑھ کر کام کرتا رہا۔

ثَانِي اثْنَيْنِ اِذَا هُمَا فِي الْغَارِ

حضرت صدیق اکبرؓ جمادی الثانی ۱۳ھ میں بیمار ہو گئے، آپ نحیف البدن تھے، سفید چہرہ پر رگیں نمایاں تھیں، رخسار ہلکے تھے، آنکھوں میں حلقہ پڑے ہوئے تھے، پندرہ روز شدت کا بخار رہا، بستر سے اٹھ نہ سکتے تھے، آپ کے حکم سے عمرہ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے، آپ نے سمجھ لیا کہ اب اخیر وقت آپ بچا ہے اس لئے خلافت کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے لگے، اور اپنی رائے عمرہ کے حق میں ظاہر کی، طلحہ رضی اور عثمان رضی اور عبدالرحمن بن عوف رضی اور علی رضی اور دیگر صحابہ کبار شورائے میں شامل تھے اسبے تائید کی مگر طلحہؓ نے کہا کہ آپ خدا کو کیا جواب دیں گے کہ عمرہ جیسے سخت گیر آدمی کو ہم پر خلیفہ کئے جاتے ہیں، صدیق اکبرؓ نے کہا کہ ”مجھے اٹھا کر بٹھا دو، پھر فرمایا کہ ”میں اپنے رب کو کہوں گا، میں نے تیری مخلوق پر بہترین مخلوق کے حق میں وصیت کی، اس میں کچھ شک نہیں کہ عمرہ سخت گیر ہے، جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ میں نرم دل تھا جب اس کے سر پر بار خلافت پڑے گا تو خود بخود نرمی اختیار کرے گا“

صدیق اکبرؓ کی کتابت علی رضی اور عثمان رضی بن ثابتؓ کیا کرتے تھے، آپ نے عثمانؓ کو کہا کہ لکھو:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر خلیفہ رسول اللہ نے ایسے وقت میں کیا ہے جبکہ دنیا میں اُس کا آخری اور آخرت کا اول وقت ایسی حالت میں جبکہ کافر ہی ایمان لاتا ہے اور فاجر ہی یقین کرتا ہے، میں نے تم لوگوں پر عمر بن الخطاب کو مقرر کیا ہے اور میں نے تمہاری بھلائی میں کوتاہی نہیں کی پس اگر عمر ثابت قدم رہا اور عدل کرتا تو میری ذاتی و تعینت اور اُسے اُس کے حق میں ایسی ہی ہے اور اگر بُرائی	ہذا ما عہد بہ ابوبکر خلیفۃ محمد رسول اللہ عند آخر عہدہ بال دنیا واول عہدہ بال آخرۃ فی الحال التي یؤمن فیہا الکافر ویوقن الفاجر انی استعملت علیہ عمر بن الخطاب ولم ال لکونہا فان صبر و عدل فذلک علی بہ و برائی فیہ وان جار و بدل فلا عمل علی بالغیب و الخیر اوردت و لکل امرء ما اکتسب وسیعہ
--	---

الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون | کی اور بدل گیا تو مجھے علم غیب نہیں ہے، میں نے تو
نیک کی کا قصد کیا ہے، اور ہر ایک شخص اپنے اپنے اعمال کا مزدوار ہے، اور عنقریب وہ لوگ جنہوں
نے ظلم کیا جان لیں گے کہ کس کروٹ پر بیٹھے ہیں +

وصیت لکھو اچکے تو دُعا فرمائی

اللھم انی لہم اود بن لک الاصلاح | بار خدایا اس کام سے میرا مقصود صرف انکی
وخفت علیہم الفتنة فخلت فیہم | اصلاح ہے اور مجھے ڈرتا کہ اگر میں وصیت
بما انت اعلم بہ واجتهدت لہم وانا | نہ کروں تو وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے
قولیت علیہم خیر ہم واثوا ہم وادھر | اس لئے میں نے یہ کام کیا اور تو خوب جانتا
علی ما ارشد ہم۔ | ہے کہ نیک نیتی سے کیا، میں نے اس امر میں اپنے

اجتہاد سے کام لیا ہے اور ان پر ایک ایسا شخص حاکم والی بنایا ہے جو ان میں سب
سے بہتر، سب سے قوی تر اور سب سے زیادہ نیک کی کا حل میں ہے،
اس کے بعد کہا کہ مجھے باہر لے چلو، لوگوں کا ہجوم ہو رہا تھا، خلیفہ کی بیماری کا
حال ننگر لوگ بوق بوق آرہے تھے اور خلیفہ اور خلافت کے بارہ میں متفکر تھے،
صدیق اکبرؓ نے عثمانؓ کو کہا کہ میری وصیت لوگوں کو پڑھ کر سنا دو۔ وصیت پڑھی
گئی تو فرمایا، اے لوگو! میں نے کسی عزیز و قریب کو خلیفہ نہیں بنایا، میں نے عمرؓ
کے حق میں تمہاری ہی بہتری اور بہبودی کے خیال سے وصیت کی ہے، کیا تم لوگ
اس کی خلافت پر راضی ہوتے ہو، حاضرین نے یہ معنادار اطعنا کی آواز بلند کی،
فرمایا اس کو سنو اور اس کی اطاعت کرو، حاضرین نے پھر یہ معنادار اطعنا کہا۔ شدت
مرض سے آپ نے رک رک کر مختصر تقریر فرمائی، اس کے بعد عمرؓ کو بلوایا اور خطاب
کر کے فرمایا کہ "اے عمر! میں نے تجھے خلافت کے لئے منتخب کیا ہے، حضرت عمرؓ
کا دل صدیق اکبرؓ کی حالت دیکھ کر بھرا آیا، مگر نہایت ضبط کے ساتھ کہا کہ "مجھے خلافت
کی ضرورت نہیں" فرمایا "خلافت کو تیری ضرورت ہے، حضرت عمرؓ کا دل بھرا ہوا
تھا، منہ سے آواز نہ نکلتی تھی، صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔

”اے عمر! میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ ”اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرنا، اے عمر! بے شک اللہ کا ایک حق رات میں ہے جس کو وہ دن میں قبول نہ کرے گا اور اُس کا ایک حق دن میں ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا، بے شک اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہ کرے گا جب تک فرائض ادا نہ کئے جائیں، اے عمر! جس کے اعمال قیامت میں بھاری ہوں گے وہی گراں ہوں گے جن کے ہلکے ہوں گے وہی سبک ہوں گے، اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن میں نرم آیات کے ساتھ شدت کی آیات اور شدت کی آیات کے ساتھ نرم آیات نازل ہوئی ہیں تاکہ مومن اللہ سے ڈرتا رہے اور اُس سے اپنی مغفرت کو مانگتا رہے، اے عمر! جب اہل نار کا ذکر آئے تو یہ کہنا کہ اے اللہ مجھے امید ہے کہ تو مجھے اُن میں سے نہ کرے گا، اور جب اہل جنت کا تذکرہ ہو اور اُن کے اعمال صالحہ کا بیان ہو تو اللہ سے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اُن میں شامل کرے اور جب تم میری اِن وصیتوں پر عمل کرو گے تو مجھے اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔“

صدیق اکبرؓ اسی طرح وصیت فرماتے رہے، آخری کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا ”توفی مسلماً والمحقق بالصلحین“ تھا، دو برس اور قریباً چار ماہ حق خلافت کا حق ادا کرنے کے بعد شبِ رجبِ شنبہ جبکہ جمادی الثانی کی آٹھ راتیں باقی تھیں سلمہ تربستہ ۳۳ برس کی عمر میں دارالبقا کی طرف رحلت فرمائی یہ عجیب اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کی عمر اور آپ کی عمر تربستہ برس ہوئی، رجبِ شنبہ کی شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ دفن ہوئے۔“

وصیت کے مطابق آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، اور تین کپڑوں میں جن میں سے دو پرانے آپ کے استعمال میں رہے تھے اور ایک نیا خریدیا گیا تھا آپ کو کفن دیا گیا، اور اسی سرور پر جس پر آنحضرتؐ کو اٹھایا گیا تھا آپ کو اٹھایا، عمرؓ اور عثمانؓ طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو قبر میں اتار دیا، اور آپ کے سر کو آنحضرتؐ کے دوش مبارک کے برابر رکھا اور آپ کی کھد کو آنحضرتؐ کی کھد سے ملا دیا، اور قبر کو آنحضرتؐ کی طرح سطح کر دیا

یار غاریار مزار ہو گیا۔

صدیق اکبرؓ کی وفات کا غم ہر ایک مسلمان مومن کے دل پر تھا، لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، حسان بن ثابتؓ نے ایک مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں :-

اذا انت كرت نجيحاً من اخي ثقة فاذا كرا لخالك ابا بكر بما فعلا
جب تم اپنے کسی پرہیزگار بھائی کی مصیبت کو یاد کرو تو ابو بکر کے حالات کو پیش نظر رکھو۔
خير البرية اتقاها واعدا لها بعد النسي وادفاها بما حلا
وہ نبی کے بعد تمام مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عادل اور سب سے زیادہ فاضل
الثاني الثاني المحمود مشهد واول الناس منه صدق السلا
نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا مشہد پسندیدہ ہی اور سب سے پہلے انہوں نے رسول کی تصدیق کی تھی۔

”صحف“

كلّاهاتن كره، فمن شاء ذكره في صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايد
سفر کر امر بر سر، (۳۰-۵)

رسول من الله يتلوا صحفاً مطهرة فيها كتب قيمة، (۳۰-۲۳)
ہم نے اسلام جزیہ، سیف، نفل، فے، خمس پر بحث کرتے ہوئے صرف اصل اصول کو مد نظر رکھا ہے یہ پسند نہیں کیا کہ جھگڑوں میں پڑیں۔

جنگ ہفتاد و دو، قلت ہمد راعذ ربہ چوں ندید نہ حقیقت رواضانہ زوند
اگر اصل اصول مد نظر رکھا جائے تو حقیقت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے
ہم نے صرف اصول پر بحث ختم کر دی ہے، جب تک کسی شے کی حقیقت معلوم نہ ہو اس شے کا صحیح علم حاصل نہیں ہوتا، اور دل کو تسلی دینے کے لئے انسان قبائس کی پرواز پر باتیں بناتا ہے۔ اگر حقیقت کا انکشاف ہو جائے تو قرآن شریف کی آیات

بیانات کی تفسیر کی بھی حاجت نہیں، اور اسی لئے ہم نے صرف آیات کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے، اگر حقیقت کا علم ہو تو کسی واقعہ کے متعلق ایک ہی رائے ہو سکتی ہے اگر اسے میں اختلاف ہو تو یہ سمجھا چاہئے کہ

چوں ندیدند حقیقت رو افسانہ زوئد

قرآن مجید کے متعلق بھی روایتوں کی بنا پر ایسی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حقیقت آشنا محققین کی توجہ کے قابل نہیں، عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ ”جناب سول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے، وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کے ٹخموں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد ہی نہ تھا، کسی کو کوئی سورہ یاد نہی کسی کو کوئی“

قرآن مجید کا جمع کرنا اور ترتیب دینا بعض تو صدیق اکبرؓ اور بعض فاروق اعظمؓ اور بعض ذی النورینؓ اور بعض مرتضیٰؓ کا کام بتاتے ہیں، عموماً قرآن مجید کو مصحف عثمانی کہتے ہیں، اور حضرت عثمانؓ کو جامع القرآن سے مخاطب کرتے ہیں۔

ہم ان روایتوں اور حکایتوں پر حرج قیح نہیں کرتے۔ اصولی بحث کے بعد جو بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ کہاں تک صحیح ہیں لیکن اس سے پیشتر کہ ہم اصولی بحث کی طرف توجہ دلائیں مناسب معلوم ہوتا ہے ایک اور حکایت پر جو لفظ ”امی“ کی تشریح ہے ایک غلط فہمی کا اظہار کر دیں۔

”امی“ انسان مذہب میں ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہم قرآن شریف کی آیات اور دیگر کتب سے واضح بیان کرتے ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے:-

(۱) الذین یستنبعون النبی الامی الذی (وہ اہل کتاب) جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں وہ نہ مکتوباً عندہم فی التورۃ (جس کو اپنے ہاں تو دیتا اور انجیل والا انجیل (۹-۹))

(۲) فامننہ باللہ ورسالہ النبی الامی (۱۰-۹) پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر

(۳) ومنہم امّیون لا یعلمون الکتاب اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو اُمنہ سے
کالا امانی وان ہوا لا یفہقون (۱-۹) لفظوں کے) بڑبڑانے کے سوا کتاب کو
نہیں سمجھتے اور وہ فقط خیالی نکتے چلایا کرتے ہیں۔

(۴) دقل للذین اوتوا الکتاب والامّیین اور ان لوگوں کو کہ جن کو کتاب دی گئی ہے
۱۔ اسلسلہ (۳-۱۰)

رحا ومن اهل الکتاب من ان تأمنہ اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کے
بقنظار یودع الیک ومنہم من ان تأمنہ پاس زلفہ کا ڈھیر امانت رکھو تو (جب مانگو)
بدینار لا یودع الیک الا ما دمت علیہ تمہارے حوالہ کریں اور ان میں سے بعض ایسے
قامنا ذلک باضہم قالوا ایس علینا فی ہیں کہ ایک چوٹی سی اشرفی بھی ان کے پاس
الامّیین سبیل (۳-۱۶) امانت رکھو اور وہ تو وہ تم کو بدو ان اسکے واپس

نہ دیں کہ تمام وقت (ان کے سر پر کھڑے رہو) ان لوگوں میں یہ (بد معاملگی) اس سے
آئی کہ وہ (پکار کر) کہتے ہیں کہ ”امّیین“ (کاجی مار لینے) میں ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔

(۶) ہوالذی بحث فی الامّیین لیسوا وہ (ضد) ہی تو ہے جس نے امّیین میں
منہم یتلوا علیم آیتہ وینکتمہ رسول ان ہی میں سے مبعوث فرمایا ان کو
یعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کا نوا من خدا کی آیتیں پڑھ نہ کر سنا تا اور ان کو کفر سے
قبل لقی ضلی مبین (۲۸-۱۱) پاک کرنا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھانا

ہے ورنہ پہلے تو یہ لوگ صریح کفر اہی میں مبتلا تھے۔

آیات مخولہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ ”امّیین“ کا لفظ اہل کتاب کے مقابل میں
استعمال ہوا ہے، اور اہل کتاب کے محاورہ میں امّیین کا اطلاق ان لوگوں پر
ہوتا ہے جو اہل کتاب نہیں، اور اہل کتاب ایسے لوگوں کو گمراہ سمجھتے تھے، اور اس لئے
سمجھ رکھا تھا کہ ”امّیین“ کے ساتھ کیسا ہی ناواجب سلوک کیا جائے جائز ہے اور
باز پرس نہ ہوگی۔

غلط فہمی اس لفظ ”امّی“ کے لفظی معنی سے پیدا ہوئی، اس کے لفظی معنی ”ماد مرہ“

ہے یعنی اُمّی وہ شخص ہے جو پیدا ہونے والی حالت پر رہے یعنی جاہل، یہ قیاس کیا گیا ہے کہ اہل عرب "امّیین" یعنی ایسے جاہل تھے کہ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے، یعنی کوئی کتاب نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے حالانکہ اُمّی "ایسے آدمی کو کہتے تھے جو کسی مذہبی کتاب سے واقف نہ ہو،

یہ امر کہ اہل عرب لکھ پڑھ سکتے تھے تاریخی واقعات میں بلکہ ہم اشارۃً لکھ چکے ہیں کہ دنیا کے حروف ابجد عربی ہیں جو قوم دنیا کی معلم ہو وہ خود جاہل کس طرح رہ سکتی؟ عربی زبان کچھ آج نہیں بلکہ قدیم الايام سے ایسی زبان تھی جاہل عرب کا مایہ ناز ہے، اور قرآن شریف میں ہی اس کو "عربی مبین" اور عین فہم "عجم" کہا گیا ہے اور عجمی زبانوں کو اس کے مقابلہ میں مناسب الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

رسول کریم ممکن ہے کہ بقول حافظ شیرازی،
 نگارِ من کہ بکتابِ نرفت خطِ نثوت بفرمودہ آموز صد مدرس شد
 یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی کتب میں کتابت نہ سیکھی کسی مدرسہ میں نہ پائی لیکن "امّی" آنحضرتؐ کو اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ "امین" میں پیدا ہوئے قرآن شریف میں یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں سمجھا جاتا ہے "امّی" اہل کتاب کا ایسا محاورہ تھا جس کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھتے تھے اور "امین" کے اہمال سے حقارت کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہی یہ واضح کیا گیا ہے "امین" میں رسول کریمؐ کا مبعوث ہونا اس طعن کو بھی رفع کرتا ہے۔

ولو جعلنا قرآنًا أعجمیًا لقلنا للولاء (۱۳-۱۹) کا قرآن بناتے تو ضرور یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں اچھی طرح کہول کہول کر کیوں نہ سمجھائی گئیں، کیا عجمی اور عربی! چونکہ اصل عرب اہل کتاب نہ تھے اس لئے ان کے بہائی بنی اسرائیل ان کو ہمیشہ مطعون کرتے کہ گمراہ ہیں، ان میں کوئی پیغمبر کتاب کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا ایسا پتھر ہے جو مہمارو کر چکے ہیں، لیکن کیا خبر تھی کہ یہ کونہ کا سر اٹھو گا۔

یہ لفظ اہل کتاب کی زبان پر رہتا چنانچہ رسولوں کے اعمال (باب) اور کزرتیوں (باب) کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے شاگرد اور تابعین کلیسا میں ایک جگہ جمع ہو کر اس طرح بیٹھتے تھے جس طرح فی زمانہ صوفیوں کا حلقہ ہوتا ہے اور "ذکر" میں مشغول ہو جاتے اور اسی حالت میں ان پر "وجد" طاری ہو جاتا اور یہ سمجھا جاتا کہ روح القدس کا نزول ان پر ہو رہا ہے، اسی وجد و حالت میں ہو، حق، کے فرے آجیں اور گریہ و زاری اور کئی بے معنی الفاظ جن کے معنی سامعین خود پیدا کر لیتے منہ سے نکلتے۔

جس ذوق و شوق سے واقف تھے وہ تو وجد و حالت کو "خذا کی بڑی بڑی تہیں سمجھتے تھے، لیکن ناواقف (امین) سمجھتے تھے کہ یہ نئی مے کے نشہ میں ہیں" اور واقع میں ان کی ظاہری حالت پر یہ بھیتی خوب چسپاں ہوتی ہے۔
پس رسول اپنے ایک خط میں اس وجد و حالت اور مے و ہو کے لغروں کی خوب تشبیح کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:-

پس اگر سارے کلیسا ایک جگہ جمع ہو اور سب کے سب بیگانی زبانیں بولیں اور ان بڑھ (انتین) اور بے ایمان لوگ اذرا جائیں تو کیا وہ تم کو دیوانہ نہ کہیں گے؟
المختصر قرآن شریف اور دیگر کتب نہ ہی میں "اقتی" یا "امتین" کی اصطلاح کا طلاق صرف ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو مذہب سے جیسا کہ توحید و پجیل میں ہے ناواقف ہیں یا جن میں کوئی پیغمبر صاحب کتاب مبعوث نہیں ہوا، لیکن اس اصطلاح سے حقیقت نا آشنا مفسرین کے لئے دروازہ کار باتیں بنانے کا دروازہ کھلا دیا۔ اور انہوں نے عرب اور اہل عرب کی بوقت بعثت ایسی کر یہ تصویر پیش کی جو حقیقت کے مخالف ہے، ہم بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب نے عرب میں اور عرب سے باہر ان ایام میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں جبکہ دنیا تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھی، ان ایام میں علوم و فنون کی اشاعت کی بلکہ یونان و روم کا نام ہی تاریخ کے صفحات پر نہ رہتا، لیکن اس مقام پر ہم مفصل بحث نہیں کر سکتے، صرف فن تحریر کے متعلق مختصر بحث کر رہے

زواہتوں اور حکایتوں سے بے شک یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ قرآن شریف کچھ تو بڑیوں اور کچھ کچھ کے پتوں پر لکھا ہوا تھا مگر یہ غلط فہمی انہی کو پیدا ہو سکتی ہے جن کو یہ علم نہیں کہ بڑیوں اور کچھ کے پتوں پر کس طرح لکھا جاتا ہے، لیکن کیا ضرور ہے کہ ہم زواہتوں اور حکایتوں کی بھول بھلیوں میں ٹھوکریں کھائیں۔ خود قرآن شریف ہی سے نہ شہادت طلب کریں۔

(۱) قرآن شریف میں ایک لفظ قرطاس حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے۔
 ولونزلنا علیک کتابا فی قرطاس | اگر ہم کاغذ پر (لکھی لکھائی) کتاب (یہی) تم پر
 فلسوسہ باید یسم لقال الذین کفرا | اتارے اور یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے
 ان لھذا الا سحر مبین (۷۷-۷۸) | چھو رہی) لیتے تاہم جو لوگ منکر ہیں یہی بات
 کہتے کہ یہ تو بس صیغہ جادو ہے۔

(۲) قل من انزل الکتب الذی جاء بہ | ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری
 مونی نور او ہدی للناس فجعلوہ | جسے موسیٰ نے لے کر آئے جو لوگوں کے لئے
 قرطیس تبد ولفا و تحفون کثیرا (۱۷-۱۸) | نور اور ہدایت ہے اور تم نے اس کے
 (الگ الگ) ورق بنار کھے ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر کرتے ہو اور بہتیرے چپا لے ہو
 (۳) قرآن مجید میں ایک اور لفظ "رق" ہے۔

والطور وکتب مسطور ورق | ہم شہادت میں طور کو اور کتاب کو جو چوڑے چکے
 منشور (۲۷-۳۰) | کاغذوں پر لکھی ہوئی ہے۔

(۳) ایک اور لفظ لوح حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے۔
 بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ (۲۰-۲۱) | بلکہ یہ بڑے رتبہ کا قرآن لوح محفوظ ہے،
 وکتابنا لہ فی الاواح من کل شیء عظیمۃ | اور ہم نے تختیوں میں موسیٰ کے لئے ہر طرح
 تفصیلا لکل شیء فخذنا بقرۃ و امر | کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے
 قومک یاخذن و اباحسنہا (۹-۷) | تو رہم نے حکم دیا کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ
 ہو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے احکام پر جو بوجہ احسن قائم رہیں۔

والقی الالواح واخذ براس اخيه
یخرج الیه " (۹-۱۰)

وَمَا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ اخِذَ الْاَلْوَحِ
وَقَدْ نَسَخَهَا هَدَىٰ دَرَجَةً لِلَّذِينَ هُمْ
لِرَبِّهِمْ يَهْتَبُونَ " (۹-۹)

دور تھے ہیں ہر امت اور رحمت ہے
وَحَلَّلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ الْاَلْوَحِ وَدَسَّسْنَا
ہوئی رکشتی پر سوا کیا، (۲۵-۷)

توریت میں اس طرح مذکور ہے۔
اور خداوند جب موسیٰ سے کوہ سینا پر اپنا کلام تمام کر چکا شہادت
کی دو لوحیں دیں، اور وہ سنگین لوحیں خدا کی انگلی سے لکھی ہوئی
تھیں (۳۱-۱۸)

اور خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ پہاڑ پر مجھ پاس آ اور وہاں وہ اور میں تھے پتھر
کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو میں نے لکھے ہیں دوں گا، تاکہ تو انہیں سکھائے
اور موسیٰ پہاڑ پر سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اُس کے ہاتھ میں
تھے وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف ادھر ادھر لکھے ہوئے تھے،
"اس وقت خداوند نے مجھے فرمایا کہ اپنے لئے پتھر کی دو تختیاں پہلو
کی مانند تراش کے بنا" (۱۰-۱)

"پھر موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے ساتھ ہو کر لوگوں کو کہا کہ ان
جسکوں کی جو آج کے دن میں تمہیں کہتا ہوں محافظت کرو، اور ایسا ہو گا کہ جس دن
تو یہ دن پار ہو کے اس سرزمین میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے پہنچے تو تو اپنے
لئے بڑے بڑے پتھر کچھ اور چوڑے سے استری کاری کچھ اور پار جانے کے بعد اس
شرایت کی سب باتیں ان پر لکھو (استثناء باب ۲۴)

اور نئے وہاں ان پتھروں پر شریعت کی جو موسیٰ نے بنی اسرائیل کے حضور
لکھی تھی ایک نقل کنندہ کی (یشوع ۸-۳۴)

یہی تین الفاظ ”قرطاس“ اور ”رق“ اور ”لوح“ ہیں جن پر تمام پرانے فلسفی
نصفے جو برلن اور پیرس اور لندن اور مصر کے میوزیم میں محفوظ ہیں لکھے گئے، اور
رسول کریمؐ کی بعثت سے صد ہا سال پیشتر لکھے گئے، اور یہی پتھر کی الواح ہیں جن پر
حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے ہزار ہا سال پیشتر کتبہ کنندہ لکھے گئے اور کتابے
لکھے گئے ورق (قرآن شریف میں درختوں کے پتے ہیں،
قرطاس یورپ کی زبانوں میں ”قرطا“) (یا ر)

یا قرط (وغیرہ الفاظ ہیں پایا جاتا ہے، کاغذ جواب قطن)
سے تیار کیا جاتا ہے، اہل یورپ نے پہلے پہل عربوں ہی سے سیکھا، بیان کیا
جاتا ہے کہ اس کی ابتدا چین سے ہوئی ہے، لیکن ہماری تحقیق کی رو سے یہ قیاس
صحیح نہیں، مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب ”اصول تحقیق الاسناد میں کی ہے۔
بقول مولف ”اعمال“ حضرت موسیٰؑ مصری علوم و فنون میں ماہر تھے“ اور بقول
پروفیسر مکس مولر حضرت موسیٰؑ نے تورات الواح پر مصری حروف ابجد ہی میں لکھی
ہوئیں گی، ”چونکہ حضرت موسیٰؑ کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں ہوئی اس لئے اس سے
انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰؑ مصری علوم و فنون میں ماہر تھے اور جنکو عبرانی
حروف ابجد کہتے ہیں اور جو حضرت موسیٰؑ کی وفات سے صد ہا سال بعد موجود شکل و
صورت اختیار کرتے گئے، دراصل مصری حروف ابجد ہیں، اور اس میں بھی کچھ شک
نہیں مصری حروف ابجد عربی ہیں، اور یورپ اور ایشیا کے اکثر زبانوں کے حروف
ابجد یا تو عبری یا سبائی یا فینیقی یا عراقی ہیں، چنانچہ سنسکرت کے حروف ابجد کی نسبت
بھی یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ یا تو سینی یا فینیقی ہیں لیکن ہماری تحقیق کی رو سے بابل اور
نینوا سے ایران اور ہندوستان میں ان کی اشاعت ہوئی۔

حضرت موسیٰؑ کی الواح خواہ عبرانی میں ہو یا مصری حروف میں، اس میں کچھ شک

نہیں کہ حضرت موسیٰؑ مصری علوم و فنون میں ماہر تھے، اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا مکمل کمال کا منشا یہی تھا کہ آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت شاہی آغوش میں ہو تاکہ آنحضرتؐ کے حوصلہ بلند اور عزم عالی اور ارادہ کچھتہ ہو، اگر آنحضرتؐ کی پرورش غلاموں میں ہوتی تو وہ بھی ایک گننام غلام ہوتے، کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ثامان اس امر میں سیاسی خطا کے مرتکب ہوئے، حضرت موسیٰؑ جانتے تھے کہ مصری کس طرح کتبتوں اور کاغذ میں تحریر کو محفوظ رکھتے تھے، اس کی شہادت آج بھی مصری کتبتوں اور تحریروں سے ملتی ہے، لیکن تہر کی الواح پر تحریر کی حفاظت کے لئے زیادہ مٹا تھی، حیوانوں کی کھال سے کاغذ تیار کیا جاتا اور سی طرح درخت کی چھال اور پتوں اور کانسی سے نفیس کاغذ رسول کریمؐ کی بعثت سے پیشتر مصر اور عراق میں بنایا جاتا تھا قرآن شریف کی حفاظت کے لئے یہ سب اسباب مہیا کئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید آیات مولا بالا اور دیگر آیات میں خود شہادت دیتا ہے، چونکہ توریت و انجیل کی تحریف آنحضرتؐ کے پیش نظر تھی اس لئے قرآن کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا، جس میں خلفائے بہت حصہ لیا، مگر ان کی کوششوں نے غلط فہمی کا دروازہ کھول دیا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، آنحضرتؐ کے زمانہ میں صد ا حافظ قرآن موجود تھے غرض یہی تھی کہ قرآن لوگوں کے قلب پر نقش ہو، علم و ربلہ خویش باید نہ درجہ ہمیش یمامہ کی جنگ میں سات سو حافظ قرآن شہید ہو اتو صدیق اکبرؑ کو منسک لایع ہوئی کہ یہ حفاظت کی موجودگی میں قرطاس ورق الواح کس میری کی حالت میں تھیں صدیق اکبرؑ نے یہ معاملہ شوری میں پیش کیا، تو حفاظ کی تعداد بڑھانے اور قرآن مجید کی صحیح نقلوں کی عام اشاعت پر رائے دی گئی، یہ تو تسلیم کیا گیا ہے کہ قرآن پڑھوں اور کھجور کی پتیوں () پر لکھا ہوا تھا، مگر اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ خلفائے عہد میں یہ مجموعہ کس چیز پر لکھا گیا تھا، بات اصل میں یہ ہے کہ چونکہ دختروں کے پتوں اور چھلکے سے کاغذ آسانی سے تیار ہوتا تھا اور یہ کاغذ مکتوبات اور روزمرہ کے کاروبار اور لین دین میں استعمال ہوتا تھا اس لئے قرآن مجید کی عام اشاعت

کے لئے استعمال کیا گیا، لیکن سچ تو یہ ہے کہ قرآن شریف کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا، اس لئے چمڑے کا کاغذ زیادہ تر استعمال کیا گیا، جو اب بھی مہذب ممالک میں استعمال ہوتا ہے جس پر چاہے ثرا اور عمدہ نامحلات وغیرہ لکھے جاتے ہیں، معلوم نہیں کہ مصحف عثمانی میں جس پر زوی النورین کا خون شہادت بنا اور جو جامع دمشق میں محفوظ چلا آتا تھا، اور جو جنگ صفین میں نیزوں پر بلند کئے گئے کس چیز پر لکھے ہوئے تھے اور کن علامات سے لوگوں نے قرآن کو شناخت کر لیا۔

قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں جن میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کافر و بارئین دین میں حساب و کتاب باقاعدہ اور باضابطہ رکھیں اور لکھ لیا کرو، اگر کاغذ ایسا ہی نیا یا تھا تو یہ ہدایات عبث ہیں، آنحضرتؐ نے قیصر و کسریٰ مقوقس اور نجاشی اور تمام والیان ریاست بحرین و عمان و دمشق وغیرہ کو نامے لکھے قبائل عرب سے عہد تحریری باندھے، اور خلفاء تو ہر وقت ایسی ہی تحریروں میں مصروف رہتے، آخر کیس بڑی یا کجور کے پتہ پر تحریر تھی۔

اور کچھ نہیں تو توریت و انجیل آنحضرتؐ کے زمانہ میں کتاب کی صورت میں موجود تھی، اور جس طرح بددیانت اور خائن عاملان توریت نے اسکو ورق ورق بنارکھا تھا اسی طرح قرآن کو تونہ بنایا جاتا،

”رق منشور“ اب بھی محفوظ موجود ہیں جو چمڑے کے چوڑے چمکے کاغذوں پر لکھے ہوئے ہیں () اور لکڑی پر پیٹے رہتے ہیں، قرآن شریف کی بھی توریت کی طرح کتب مطور فی رقی منشور ہے، اور توریت کی طرح لوح میں محفوظ ہے۔

قرآن مجید ایسی ہی ایک کتاب ہے جیسا کہ توریت و انجیل اور آنحضرتؐ کے عہد میں ان کی نظیر موجود تھی بعد اسی طرح قرآن مجید کو لکھ کر محفوظ کیا گیا۔
خلفائے راشدین نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ کتاب آن مجید کی

پیشتر نقلیں شائع کیں، حفاظ کی تعداد کو بڑھایا، حضرت عمرؓ کے عہد میں غالباً اختلاف قرأت کو مٹانے کے لئے اعراب کی ضرورت کا احساس ہوا۔
 آنحضرتؐ کے زمانہ میں کاتبین عثمانؓ و علیؓ و خالدؓ بن سعید و علاء بن الحضرمیؓ و ابی بن کعبؓ و زید بن ثابتؓ و معاویہ بن ابی سفیانؓ و اورخطلہ بن اسیدؓ اور عبد اللہ بن سعدؓ و شمر جلیل بن حسنہؓ رہتے۔

معاذ بن جبلؓ رضی عبادہ بن الصامتؓ، ابی بن کعبؓ ابویوبؓ و ابوالدرداءؓ تواتر بزرگوں سے ہیں جو نہ صرف قراءت تھے بلکہ مختلف بلاد میں قرآن کی تعلیم کے لئے آنحضرتؐ اور خلفاء کے عہد میں نامور کئے جاتے۔

قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں ہے۔ سورۃ الفاتحہ اُس کا دیباچہ ہے اور شروع المدخلات الکتاب سے ہوتا ہے، اکثر سورتوں کے شروع میں حرف مقطعات آیات سورہ کے وزن کو ظاہر کرتے ہیں، جن سے آیات کی ترتیب کی کیفیت بھی معلوم ہو سکتی ہے، قرآن کے جمع اور ترتیب وغیرہ کے متعلق حسب ذیل آیات پر غور کرنا چاہئے۔

(۱) "ان علینا جمعه وقرأه (۱۷-۲۹) قرآن کا جمع کرنا اور اُس کا پڑھنا ہمارا کام ہے

(۲) الر تلك آیت الکتب وقرآن مبین الر یہ آیتیں کتاب اور قرآن مبین کی ہیں،

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون بیشک ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی

اُس کے نگہبان ہیں۔

(۳) انه لقراٰن کریم فی کتاب یہ بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے احتیاط

مکتون لا یمسہ الا المطہرون سے رکھی ہوئی کتاب میں ہے جسکو پاک

لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا۔

(۴) افلا یحذرون القرآن ولوکان تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر

من عندہ ھدی اللہ لوجہ وافیہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور

اختلاف اکثیر ہوتا۔

قال الذين لا يرجون لقاءنا ائت بقرآن غير هذا او بدله قل ما يكون لى ان ابدله من تلقائى نفسى ان اتيه الا ما يوحى الى انى اخاف ان عصيت ربى عند اب يوم عظيم (۱۱-۷)

نیز جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں وہ فرمایش کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں ردوبدل کرو کہہ کہ میرا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے ردوبدل کروں میری طرف جو وحی آتی ہے میں تو اسی پر چلتا ہوں، اگر میں اپنی پروہ کا رکھی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔

الر تلك ايت الكتب المبين، انا انزلنه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون (۱۲-۱۱)

اگر، یہ آیات (سورۃ) کتاب میں کی ہیں ہم نے اس قرآن عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو،

وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جلاة واحدة، كذلك نثبت به فؤادك ورتلناه ترتيلا (۱۹-۱۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پر قرآن سارے کا سارا ایک دم میں کیوں نازل نہ کیا گیا ایسا ہی اترنا چاہئے تھا کہ ہم اس کے ذریعہ سے

تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں۔

وقرانا فرقة لتقرأه على الناس علة مكث ونزلنه تنزيلا

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا کہ تم مہلت کے ساتھ لوگوں کو پڑھ کر سنائو

اور ہم نے

هس تلك ايت القرآن وكتاب مبين وقا لولا نزل هذ القرآن على رجل من القريتين عظيم (۲۵-۹)

طس۔ یہ سورت قرآن و کتاب مبین کی عام قسم ہے اور کہتے ہیں کہ دو بستیوں (مکہ و طائف) سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا۔ اور جب ہم چند جنوں کو تمہاری طرف لے آئے کہ وہ قرآن سنیں پھر جب وہ آ حاضر ہوئے تو ہلے چپ رہو پھر جب

واذ صرفنا اليك نعزامن المكين يسمعون القرآن فلما حضروه قالوا انصتوا فلما قضى ولوا الى قومهم

منذین ، قالوا بقومنا انا سمعنا کتبنا
انزل من بعد موسیٰ مصداقاً لما بین
یعدیه یهدی الی الحق والی طریق
مستقیم (۲۶-۲۷)

ہوئی ہے، اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور سید ہمارا ستہ دکھاتی ہے،
اذا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلاً
ہم نے تم پر قرآن آن وقتاً فوقتاً
آتا رہا ہے۔ (۲۹-۳۰)

آج محققین مختلف الراے ہیں کہ انجیل عبرانی میں تھی یا آرامی میں کہ یونانی میں
قیاسات ہیں جن کی پرواز پر انجیل اصل زبان عبرانی یا یونانی خیال کی جاتی ہے
قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کی زبان عربی ہے اور اسی طرح یہ بھی بتایا گیا
ہے کہ رفتہ رفتہ کبھی کبھی کوئی سورہ اور کبھی کوئی سورۃ نازل ہوتی رہی اور اُس کی
حکمت کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ہر ایک سوال کا جو مخالف موافق کی طرف
سے ہو جواب دیا جائے، اور قرآن آسانی کے ساتھ پڑھ کر سنا یا جائے اور
یاور ہے اور نزول وحی سے رسول اللہ کے قلب کو اطمینان حاصل ہو
لیکن اس حکمت میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو سورتوں میں تقسیم کر کے
نازل کیا گیا ہے تاکہ مختلف مضمون سمجھنے میں آسانی ہو، اور سچ تو یہ ہے کہ
کتاب کی صورت اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے۔

ہمارے ایک فاضل معصر نے غالباً روایتوں اور حکایتوں کی بنا پر لکھا تھا
کہ سورہ قیامہ میں آیہ لا تحزک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قدانہ فاذا
قرآنہ فاتبع قتانہ ثم ان علینا بیانہ کلابیل یحبون العاجلة و تدن مردن الاخرة
بے جوڑ معلوم ہوتی ہے، یعنی سورہ میں شروع - سے آخر تک قیامت کا تذکرہ
ہے درمیان میں یہ فقرہ چونکہ اسی سورہ کے قوافی کے وزن پر تھا اور کسی اور وقت
وحی ہوا تھا کہ لکھا گیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ فقرہ ایک جملہ معترضہ ہے لیکن کیا

جملہ معترضہ اصل مضمون کا جزو نہیں ہوتا، اس کی مثال ٹھیک اس طرح ختم ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو کچھ بتا رہا ہے، شاگرد اس خیال سے کہ کہیں کوئی فقرہ بھول نہ جاؤں جو کچھ استاد کے منہ سے نکلتا ہے خود دہراتا جاتا ہے استاد خفا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں دل لگا کر سنو زبان مت ہلاؤ، اگرچہ یہ فقرہ اصل مضمون سے کیسے ہی مختلف ہو لیکن استاد کے منہ سے نکلا ہے اور ایک خاص وقت پر نکلا، لا تحزک به لسانک لتعجل به الایۃ کی یہی کیفیت ہے۔

اس آیت سے قرآن شریف کی سورتوں اور ان کی ترتیب پر کافی روشنی پڑتی ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تقاضاے بشریت آنحضرتؐ کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہو گا کہ کہیں کوئی فقرہ لکھنے سے نہ رہ جائے اور تقاضاے احتیاط تو یہ تھا کہ فوراً قلم بند کیا جاتا، چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کی تحریر اور حفاظت کا کیا کچھ انتظام کیا گیا تھا۔

اگر ایسی ہی بے جوڑ آیتوں سے ہکاتیں وضع کی گئی ہیں تو زیادہ بحث کی ضرورت نہیں مگر بغور دیکھا جائے تو یہ آیت بے جوڑ ہی نہیں، اسی جلد بازی سے تقاضاے بشریت کو ظاہر کر کے دنیا کی محبت اور آخرت سے بے فکری کی دلیل پیدا کی گئی ہے یعنی انسان انجام کار پر نظر نہیں کرتا جو موجود ہوتا ہے اسی کے لیے کے لئے لپکتا ہے، اس آیت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تو جیسا کہ دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے ٹھہر ٹھہر کر اور صاف سنائی دیتی ہے رسول کریم کو ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے وحی کا کلام خاموشی کے ساتھ دل لگا کر سنیں اس طرح کسی فقرہ کے فراموش ہونے کا بہ نسبت اس کے کہ نزول وحی کے وقت ساتھ ہی فقرہ کو دہرایے تم اجماع ہے اس کے بعد وحی دوبارہ وہی فقرہ دہراتے تھے کہ ہر ایک لفظ لفظ ہر ایک فقرہ صحت کے ساتھ بار بار دہراتا سورۃ العنقاہ میں اس ایک آیت نے واضح کر دیا ہے کہ آنحضرتؐ کے قلب سلیم میں

جو کچھ وحی کے منہ سے نکلتا نقش ہو جاتا۔ چنانچہ یہ جملہ معترضہ ہی اپنے مقام پر ان تمام کیفیتوں کے ساتھ موجود ہے ۱

آیات کی ترتیب کے متعلق اس مختصر مضمون میں مفصل گنجائش نہیں ہم قرآن شریف کی آیات کی شہادت پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے آیات میں رد و بدل کسی قسم کا نہیں کیا۔ جو کچھ کہا وحی کی ہدایت کے مطابق کہا، خلفاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قرآن شریف کی آیات کو ہڈیوں اور کھجور کے پتوں اور حافظوں کے دلوں سے جمع کر کے ترتیب دیں، ہاں قرآن شریف کی اشاعت اور حفاظت میں جو کچھ اُن کی سعی ہے اُس سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس میں مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہئے اگر کتاب کے کچھ معنی ہیں تو قرآن مجید ہمیشہ جس طرح نازل ہوتا رہا لکھا جاتا تھا، ہر ایک آیت کی شان نزول اس آیت میں واضح کی گئی ہے اور ہر ایک آیت بلحاظ معانی ہی ایسی ہی مفصل ہے جس طرح ایک سورہ دوسری سورہ سے صورت اور مضمون میں مفصل ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کے قلب سلیم کا عکس ہے،

اور سوم شرع و حکمت باہر از ان اختلاف
نکتہ ہرگز نہ شد فوت از دل دانائے تو

قرآن مجید کا نام مصحف صدیق اکبرؓ نے رکھا اور اس کی حفاظت اور اشاعت میں سعی یلین فرمائی۔

قرآن مجید میں ”مصحف“ کا لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے ۲
(۱) اولہا تھم بیتہ ما فی الصحف کیا اٹھی کتابوں کی گواہی اُن کے پاس
الاولیٰ (۱۷۷۱)

(۲) ان ہذا الغی الصحف الاولیٰ یہی بات تو اگلے صحیفوں (یعنی) ابراہیم اور
مصحف ابراہیم و موسیٰ (۱۷۷۲) موسیٰ کے صحیفوں میں ہے ۳

(۳) اولہم ینبیا بما فی صحف موسیٰ کیا اس کو ان کی نہیں پہنچی جو موسیٰ اور ابراہیم

کے صحیفوں میں ہے جنہوں نے اپنی

و ابراہیم الذی وفی (۲۷-۲۸)

زندگی میں حق بندگی پورا دیا،

سنو جو قرآن تو نصیحت ہے پس جو چاہے

(۵) کلا اغاثت کمرۃ فسن شاء ذکرہ

اسکو سوچے اور اوراق میں جن کی تعظیم کی جاتی

فی صحف مکتومة، مرفوعة مطهرة

ہے اونچی جگہ پر ادا پاک اور لکھنے والوں

بایدی سفرۃ کرام بریرۃ (۳۰-۳۱)

کے ہاتھوں میں جو بزرگ اور نیکو کار ہیں

خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر مقدس اور اوراق

(۶) رسول من اللہ یتلوا صحفا مطهرة

پڑھ کر سنائے ان میں کئی باتیں لکھی ہوں

فیہا کتب قیمہ (۳۰-۳۱)

بلکہ ان کے تو یہ جو صلے ہیں کہ ان میں سے

(۷) بل یرید کل امرئ منہم ان

ہر شخص کو کھلے صحیفے دیے جائیں

یوفی صحفا منشرة (۲۹-۱۶)

آیات مذکورہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ ”صحف“ ایسی ہی ایک شے ہے

جیسے لوح اور رق اور قرطاس“ ہے، صحف اولی سے مراد صحف ابراہیم و موسیٰ

ہیں اور قرآن شریف کی موجودگی میں اور اس سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے

ان کو صحف اولیٰ کہا گیا ہے، قرآن مجید کی نسبت یہ ارشاد ہے کہ یہ تذکرہ ہے او

”صحف کمرۃ“ میں ہے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں اور جو ایسے کاتبین کے ہاتھوں

میں ہے جو بزرگ اور نیکو کار ہیں،

بعض مفسرین نے یہ قیاس کیا ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں ہے جو آسمان

پر ہے اور اس کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے،

چوں ندیدند حقیقت رو افسانہ زود

”کرام بریرہ“ کاتبان وحی کی تعریف ہے ”مرفوعة“ سے مراد قرآن مجید کی

حفاظت ہے جس میں کسی خائن بدکار کا ہاتھ رخنہ اندازی نہیں کر سکتا

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ بعثت سے پیشتر رسول کریم لکھنا پڑھنا نہ جانتے

تھے وما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تحطوا بیدک لانا تاب المبطون (۲۱-۱۲)

اور (سے پیغمبر) اس سے پیشتر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ تم کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بے دین خواہی خواہی شبہ کرتے،

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعثت کے بعد ضرورتاً آپ نے پڑھنا سیکھ لیا تھا اور آیت محولہ بالا سے بھی تخصیص اس وقت کی ہے جو بعثت سے پیشتر تھا، کہ بعثت سے پیشتر آپ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے، ضرورت یہ واقع ہوئی کہ سورتیں اور آیات جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہیں، کا تہان وحی تسلیم کرتے رہے اور رسول کریم کو دیکھنا پڑا کہ صحیح لکھی گئی ہیں ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کتابت بالکل کا تہان وحی کے ہاتھ میں تھی، علاوہ انہیں آنحضرتؐ نے عہد نامے اور نامے لکھوائے اور ان پر اپنی تہریت کی۔ کم از کم اتنی تسلی تو ضروری تھی کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ آنحضرتؐ کے منہ کے کلمات ہیں ❖

صدیق اکبرؓ

وَصَدِّقَتِ صَدِيقًا وَكُلَّ مَاجِرٍ
سَوَالَتِ یَسْمٰئٰی بِاسْمِهِ غَیْرَ مَنكَرِ
نہیں پکارے جاتے ہیں۔

سَبَقَتْ اِلٰی الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ شَآهِدٌ
وَكُنْتُ جَلِیْسًا فِی الْعَدِیْسِ الْمَشْهُرِ
آپؐ اسلام کی طرف سبقت کی اسکا اللہ شاہد ہے اور آپ عریش میں نبی کے پیش تھے،

ابو محمد ثقیفی رحمہ

صدیق اکبر کا اسم شریف عبد اللہ ہے اور آپ عتیق کے لقب سے مشہور تھے، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے نسب میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو معیوب ہو اور اکبر اقوال کے مطابق وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے حسن و جمال کے باعث آپ لوگ فسق کہتے تھے، اس لفظ کی اصل عتیق ہے جس کے معنی جو آزمردی اور مردی اور جرن اور شرف و بزرگی، دیا کوادی اور آزمردی ہے (مثنیٰ الارب)

اس میں کچھ شک نہیں کہ صدیق اکبرؓ زمانہ جاہلیت میں ہی سرداران قریش سے تھے اور تمام قریش ان کی ذمہ داری کو تسلیم کرتے تھے، ”دیت“ کے متعلق تنازعات کا فیصلہ آپ ہی کیا کرتے، علم الانساب پر جو اس وقت اہل عرب کا فخر تھا کامل عبور تھا، آپ کے نسب میں تمام آزاد اور جو انحر و معزین تھے، اس لئے بھی لوگ آپ کی عزت کرتے اور اس شرف و بزرگی پر آپ حن و جمال کے باعث عتیق کے لقب سے مشہور تھے۔

تحقیق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ خاندانی شرف بزرگی اور ذاتی وجاہت و حسن جمال کے باعث عتیق کہلاتے تھے، مگر ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ من اداد ان ينظر الی عتیق من النار فلینظر الی بکر ا جو شخص دوزخ کی آگ سے آزاد کئے ہوئے دیکھنا چاہے وہ الی بکر کو دیکھ لے، مگر اس روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صدیق اکبرؓ اس سے پیشتر عتیق مشہور نہ تھے بلکہ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ ایک حیثیت سے ”عتیق“ تھے، دینا اور آخرت میں حریت کا لقب آپ کا طغرائے امتیاز ہے۔

برحال ”عتیق“ کے معنی گرامی و آئادہ و برگزیدہ اور بہترین اہم چیز ہے، صدیق اکبرؓ کے حالات کے بالکل مطابق ہیں، خواہ خاندانی شرافت کے لحاظ سے یا آپؐ کی ذاتی وجاہت و حسن و جمال کے لحاظ سے یہ لقب دیا گیا ہو ہر ایک حیثیت سے موزوں ہے لیکن وہ لقب جس سے آپؐ کو دینائے اسلام میں مشہور ہیں صدیق اکبرؓ ہے، اسکی وجہ تسمیہ آپؐ کی سبقت الی الاسلام ہے اور آپؐ نے بلا چون و چرا اسلام قبول کیا، چنانچہ رسول کریمؐ فرمایا کرتے کہ میں نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی، لیکن ابو بکرؓ کے سوا کوئی ایسا شخص نہ تھا جو مذہب نہ ہو، عموماً وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شب معراج کے دوسرے روز اہل جبل آپؐ سے دو چار ہوا اور کہا کہ تمہارا یار تو اب عجب باتیں بنا رہا ہے کہتا ہے کہ ایک ہی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کر آیا ہوں“ آپؐ نے فرمایا کہ ”یہ تو کچھ بات نہیں میں اس قسم ہی زیادہ عجب باتوں کی

تصدیق کر چکا ہوں، ہر صبح و شام آسمانی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں تو یہ کونسی عجیب بات ہے۔“

ہماری تحقیق کے رُوسے یہ لقب خواہ کسی طبع مشہور ہوا ہو اس کی وجہ تہیہ ہے کہ آپ سبقت الی الاسلام یا معراج کی تصدیق ہونی الحقیقت لسان مذہب میں ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جس کا قلب سلیم حق و باطل میں بلا تامل تیز کر سکتا ہو اور جو حق کو فوراً قبول کرتا ہے جیسا کہ ہم دُدت کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

حب ذیل آیات میں لفظ صدیق اور صادق اور صدق پر غور کرو۔

﴿۱﴾ اَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صَدِيقًا نَّبِيًّا (۱۶-۱۷)

﴿۲﴾ اِنَّ الْمَصْدِقَيْنِ وَالْمَصْدَقَاتِ وَاقْرَءُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّدَقِيْنَ وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ﴿۲۵﴾ اِنَّ كُوْهًا مِّنْ اٰنْ كَا جَرِ اَوْرَ اُنْ كِي رُوْشْنِي ؕ

﴿۳﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِٗ تَتَّبِعُوْهُ يَاقَا جَاهِدْ وَاَبَاوَاهُمْ وَاَنْفُسَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰلِحُوْنَ (۲۶-۱۷)

﴿۴﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلًا تَلِكُ مَعِ الدِّيْنِ اَنفَعُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصَّدَقِيْنَ وَالشَّهَدَاءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ

بے شک مومن وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر پھر اُس پر شک نہ کریں اور اللہ کے رستے میں اپنی جان اور مالوں سے محنت کریں، یہی لوگ ہیں اصلاًح کرنے والے

اور جو لوگ اللہ اور رسول کے حکم میں جلتے ہیں وہ اُنکے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا نبی اور صدیق اور شہید اور صالح اور کیا اچھی ہے اُن کی

رفاقت، یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ
بس ہے خبر رکھنے والا۔

یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی کیا لوگوں کو اس سے
تعجب ہو کہ حکم ہیچا ہم نے ایک مرد کو ان میں
سے کہ لوگوں کو ڈرا (عذاب ہے)، اور خوشخبری سنا جو
کوئی ایمان لائے اُس کے رب کے پاس اُس کا پایہ
صدق ہے۔

شاید تیرا رب تجھ کو مقام محمود پر کھڑا کرے اور
کہہ کہ اے رب تجھ کو سچا بھٹانا اور نکال مجھ کو
سچا نکالنا۔

اور جو صدق کے ساتھ آیا اور سچ مانا جس نے
اُس کو وہی لوگ ہیں متقی اُن کے لئے ہے
جو چاہیں اپنے رب کے پاس، یہ ہے بدلا
نیکی والوں کا۔

بے شک متقی لوگ باغوں اور نمر (کے کنارہ)،
بیٹھے پیچھے بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے
جس کا سب پر قبضہ ہے۔

وہ جو صبر کریں والے ہیں اور سچے اور فرمانبرداری
کریں والے اور خرچ کرنے والے اور بخشش مانگنے
والے پنج پچھلی رات کے،

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے اور
ہو ساتھ سچوں کے۔

وَحَسَنَ اُولَئِكَ رَفِیْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنْ
اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا (۶-۵)

(۵) اَلْا تِلْكَ اٰیٰتُ الْکُتُبِ الْحَکِیْمِ وَ
کَانَ لِلنَّاسِ عِجْبًا اِنْ اَوْحٰیْنَا اِلٰی رَجُلٍ
مِّنْهُمْ اِنْ اَنذَرْنَا النَّاسَ وَبَشَّرَ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا اَنْ لَّهٗمْ قَدَرٌ مِّمَّذَا یُصَدَّقُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ (۱۱-۶)

(۶) عَلٰی اَنْ یَّبْعَثْتَ رَسُلًا مَّحْمُوْدًا
اِنَّ رَبَّ اِدْخُلَیْ مَدْخُلَ صَدَقٍ وَ
اَخْرِجَیْ مَخْرَجَ صَدَقٍ (۱۵-۹)

(۹) وَالَّذِیْ جَاءَہٗ بِالْصَّدَقِ وَصَدَقَ
بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، لَّهٗمْ مَا
یَشَآؤُنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِکَ جَزَآءُ
الْمُحْسِنِیْنَ (۲۳-۱۰)

(۱۰) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنَّٰتٍ وَفِیْ
مَقْعَدٍ مِّنْ صَدَقٍ عِنْدَ مٰلِکٍ مُّقَدَّرٍ
(۲۷-۱۰)

(۱۰) وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ الْقَآئِمِیْنَ
وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْضَرِیْنَ بِکَلَامِیْہِمْ
(۳-۱۰)

(۱۰) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ
کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (۱۱-۴)

جب ان اصطلاحات کا اطلاق بشر پہ ہوتا تو اس کا مفہوم علم و عمل کا اندازہ کرنا ہوتا ہی
 جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح کو نسبت حاصل ہوتا ہے، نبی کا علم و عمل بدرجہ
 کمال ہوتا ہے، نبی کے بعد صدیق اور اس کے بعد شہید اور اس کے بعد صالح کا مرتبہ
 ہے، ملک الشعراء فرودوسی نے اس خیال کو اس طرح منظوم کیا ہے کہ:-

چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی خداوند امر و خداوند عفو
 کہ خورشید بعد از رسولان رہم نشاید بر کس زبو بگر بہ

صدیق وہ شخص ہے جس کا قلب سلیم صدق کا بدرجہ کمال شامہ ہوا یہی
 وہ ہے کہ جب رسول کریمؐ نے ابوبکرؓ کو دعوت اسلام دی تو آپؐ نے بلا تردد
 قبول کی، حالانکہ دیگر صحابہ کو کم از کم تذبذب ضرور ہوا، فی الحقیقت یہی سبقت الی
 الاسلام ہے، اور اگر اسلام کا صحیح مفہوم معلوم ہو تو صدیق اکبر کے حالات سے
 واضح ہو جائے گا کہ اس میں گوئے سبقت آپؐ ہی لینگے، آپؐ ان المصدقین و
 المصدقات اللاتیہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان کے ساتھ صدقات ادا
 کرنا صدق کی دلیل ہے، حضرت ابوہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے
 فرمایا کہ مجھے کسی کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر ابوبکرؓ کے مال نے
 حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک وفد آنحضرتؐ نے ہم کو صدقہ دینے کا حکم کیا
 اور اس وقت میرے پاس مال ہی تھا میں نے دل میں کہا کہ آج میں ابوبکرؓ سے سبقت
 لے جاؤں گا، پس میں اپنا نصف مال لے آیا، رسول خداؐ نے پوچھا کہ اپنے گھر والوں
 کے لئے کیا چھوڑائے، عرض کی اسی قدر اتنے میں ابوبکرؓ اپنا کل مال لے آئے،
 آنحضرتؐ نے پوچھا کہ ابوبکرؓ اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑائے کہا کہ اللہ اور
 رسول کو ان کے لئے چھوڑا یا ہوں.. میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ابوبکرؓ پر کبھی
 نہ لے جا سکوں گا، عروہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ جب صدیق اکبرؓ اسلام لائے
 تو آپؐ کے پاس چالیس ہزار روپیہ بمقام اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، اور سات شخصوں کو
 جو غلامی کی قید میں تھے اور جن پر کفار بوجہ اسلام عذاب کر رہے تھے خرید کر آزاد کیا،

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عامر بن نفیر اور زبیرہ اور شہد یہ اور انس کی لڑکی اور بنی نمول کی لونڈی اور ام عبیس کو،

قرآن مجید کی ان تمام آیات کا جن میں صدق کی تشریح ہے اطلاق صرف صدیق اکبر پر بدرجہ کمال ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے،

چونکہ سبقت الی الاسلام کا تعلق استحقاق خلافت سے سمجھایا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس پر اپنی رائے کا اظہار کریں، استحقاق خلافت کے متعلق ہم بحث کر چکے ہیں اور سبقت الی الاسلام اور سابقین اولین اسلام کی اصطلاحیں غالباً قرآن مجید کی آیت وَالشَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الْآلِیَہ سے اخذ کی گئی ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے:-

(۱) وَمَنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (۱۶-۲۲)

(۲) وَمَا الْمُحْيَوَاتُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ
سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَخَشِيَّةٍ
عَرْضَهَا الْكَعْبُضُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
أَعَدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسَلِهِ
ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۱۹-۲۴)

کا فضل بہت بڑا ہے،

(۳) أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ فِي الْمَخِيرَاتِ وَ
هُوَ لَهَا سَابِقُونَ (۳-۱۸)

(۴) وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ
الْمُقَدِّمُونَ (۲۴-۱۲)

یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں
اور اُسے لئے پکے ہیں

جو آگے ہیں وہ آگے ہی ہیں یہ مقرب ہیں

آیات محولہ بالا اور دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ سبقت الی الخیرات ہی قابل تعریف عمل ہے، اگرچہ اسلام کی طرف سبقت کرنا بجائے خود نیک عمل ہے لیکن محض سبقت کچھ مفید نہیں جب تک قبول اسلام کے ساتھ سبقت الی الخیرات نہ ہو۔ فی الحقیقت تقویٰ ہی معیار فضیلت ہے اور سبقت الی الاسلام کو اس وجہ سے معیار فضیلت سمجھا گیا ہے کہ سبقت الی الخیرات کا موقعہ سب سے پہلے لیگا، لیکن صحابہ کرام کا چند روز کے وقفہ کے بعد کیے بعد دیگرے ایمان لانا کسی کو سابق نہیں بنا سکتا جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، صحابہ جہن میں سے سابقین اولین وہ صحابہ ہیں جو ہجرت سے پیشتر اللہ انہیں اس کے رسول پر ایمان لائے، اور اسی طرح انصار میں سے وہ سابقین اولین ہیں جو ہجرت سے پہلے اور آغاز ہجرت میں ایمان لائے، ہماری رائے میں اگرچہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ صدیق اکبرؓ ابتداً سبقت میں ایمان لائے لیکن محض اس وجہ سے کسی کو فضیلت کا استحقاق نہیں، آپ کی فضیلت سبقت الی الخیرات کے باعث ہے، اور اسلام کے صحیح مفہوم کے مطابق سبقت الی الاسلام کے سبب ہے، صحابہ کرام کے حالات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بعثت سے وفات تک ہزاروں ایمان لائے، لیکن ممتاز درجہ پر چند ایک ہی نظر آتے ہیں، حضرت عمر فاروق اعظمؓ جن کے اسلام لانے حق و باطل میں تفریق کر دی چالیس یا اُنتالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے، لیکن اسلام لانے کے بعد آپ کی خدمات تواریخ کے صفحات پر سنہری حروف میں لکھے ہوئے ہیں، حضرت علیؓ جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے مگر صدیق اکبرؓ سے پیشتر یا بعد میں ایمان لائے ثابت نہیں ہوتا کہ اپنے باپ ابوطالب کی وفات سے پہلے ایمان لائے، روایتوں اور حکایتوں نے فضائل کے ضمن میں عاشقی اور خالہ جی کی ذکر کی ضرب المثل ان کی سبقت الی الاسلام پر خوب چہان کی ہے یعنی اگرچہ حضرت علیؓ سب سے پہلے اسلام لائے مگر باپ کے وٹے سے پناہ اسلام پوشیدہ رکھا، علاوہ ازیں اگر آپ کی لٹکین کی طرف خیال یا جائے جو مختلف واسطوں کے رو سے سب سے دس برس تک بوقت قبول اسلام ہوتی ہے تو سبقت الی الاسلام

میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی، ابو طالب کے چار بیٹوں طالب، عقیل، جعفر، علی میں سے آپ سب سے چھوٹے تھے، اور روایتوں کے مطابق ہر ایک میں دس دس سال کا تفاوت تھا، یعنی طالب عقیل سے اور عقیل جعفر سے اور جعفر علی سے دس سال بڑے تھے، جن پر درایہ اعتبار نہیں ہو سکتا، اور دس سال کی عمر میں حضرت علی رض اپنے بھائیوں سے بھی پیشتر ایمان لائے، ابو طالب کی وفات پر جعفر اور علی دونوں نابالغ تھے جعفر کو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو آنحضرتؐ نے اپنی اپنی سرپرستی میں لیا، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو، آنحضرتؐ نے سمجھایا اور دعوت اسلام کی حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اپنے باپ سے دریافت کر لوں، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علی اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے نہ سہی مگر اس واقعہ کا تذکرہ ابو طالب سے نہ کرنا، حضرت علیؓ نے ایسا ہی کیا، مگر دوسرے دن خدا نے اُن کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی، اور آپؐ نے اسلام قبول کر لیا، مگر باپ سے پوشیدہ ہی رکھا، یہ زوال ہی ناقابل اعتبار ہے، بہر حال اگر ان تمام روایتوں پر اعتبار بھی کیا جائے کوئی فضیلت محض سبقت یعنی قبول اسلام میں نظر نہیں آتی جب تک قبول اسلام کے ساتھ خدمات کا ثبوت نہ ہو۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہجرت سے پیشتر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں جو لوگ ایمان لائے ہر ایک مصیبت میں مبتلا رہے جس کا مقابلہ وہ صبر سے کرتے رہے اس لئے ان لوگوں کا ایمان اور عمل قابل تعریف ہے، چونکہ یہ لوگ سابقین اولین تھے اس لئے امتیاز پیدا کرنے کے لئے ان کو 'السابقون الاولون' سے مخاطب کیا گیا، لیکن اس میں انصاف یہی ہے ہی شامل ہیں جیسے ہاجرین، اور اگر سبقت الی الاسلام پر استحقاق خلافت کا انحصار ہوتا تو انصار خلافت سے کیوں محروم رہتے، بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت قریش ہی خلافت کے اہل تھے اور وہی خلیفہ یکے بعد دیگرے چوتھے رہے، قریش میں سے وہ اشخاص منتخب ہوئے جن کی ذات میں امتیازی

خوبیاں بدرجہ اول موجود تھیں، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خلافت انہی لوگوں کو ملی جو اس کے اہل تھے اور وہی ستمی تھے، بہر حال وَالشَّاقُّونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمَكْرِ جِرِّينَ وَالْاَنْصَارُ الْاٰتِیَةُ کا تعلق خلافت سے نہیں ہے۔

یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبرؓ سے پیشتر اور لوگ بھی ایمان لائے ہوں مگر دیگر خلفاء سے وہ سبقت لے گئے تھے۔

صدیق اکبرؓ کے خاندان کے متعلق مختصر حالات میں چند امور کا تذکرہ بجا نہ ہوگا شجرہ نسب کے دیکھنے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ صدیق اکبرؓ کا تعلق آنحضرتؐ اور دیگر صحابہ کرام سے کیا ہے، آپ کے والد عثمان ابو تحافہ فح مکہ کے بعد ایمان لائے، آپ ضعیف العمر تھے، بال سفید براق تھے، صدیق اکبرؓ ان کو اٹھا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس شیخ کو گھر ہی میں رہنے دیتے تو یقیناً ہم خود ان کے دیکھنے کے لئے وہیں جاتے، اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم اسلام لاؤ، آتش و دوزخ سے بچ جاؤ گے ابو تحافہ ایمان لائے، سلسلہ میں خلافت فاروق اعظم رضی میں چورانوے برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

صدیق اکبرؓ کی والدہ محترمہ ام المجر سلیمہ رضی قدیم الاسلام ہیں اور صدیق اکبرؓ کے بعد اسلام لائیں۔

صدیق اکبرؓ نے دو نکاح ایام جاہلیت میں کئے، ایک قتیلہ بنت عبد العزیٰ بن عامر بن لوی کے ساتھ جس سے اسماء و عبد اللہ پیدا ہوئے دوسرا نکاح ام رومان و عبد بنت عامر بن عمیر کنانہ کے ساتھ کیا جس سے عبد الرحمن اور عائشہ رضی پیدا ہوئیں اور دو نکاح اسلام کے دور و دورہ میں کیے ایک اسماء بنت عمیس سے جو جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں ان سے محمد رضی پیدا ہوئے اور دوسرا حبیبہ بنت خارجہ بن زید انصاری سے کیا جس سے آپ کی وفات کے بعد ام کلثومؓ پیدا ہوئیں، صدیق اکبرؓ کے سوا کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ ان کے

والدین اور بیٹے اور پوتے صحابی تھے۔

عبدالرحمنؓ ان کی کنیت ابو محمد ہے، صحابہ میں سے کوئی چار شخص ہی ایسے نہیں ہیں جن کی چار پشت کے لوگ اسلام لائے ہوں اور صحابی ہوں سوا ابو قحافہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمنؓ اور ان کے بیٹے محمد ابو عتیق کے غزوہ بدر اور احد میں عبدالرحمنؓ کافروں کی طرف سے شریک تھے، میدان جنگ میں نکل کر مہارز طلب کیا تو صدیق اکبرؓ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، مگر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اسے ابو بکرؓ تم میرے ہی پاس رہو، عبدالرحمنؓ بہادر اور اچھے تیر انداز تھے حدیبیہ میں اسلام لائے، ان کا اصل نام عبدالکعبہ یا عبدالعزیز تھا، رسول اللہؐ نے بد لکر عبدالرحمن رکھا۔

خالد بن ولید کے ساتھ جنگ یمامہ میں شریک تھے، اہل یمامہ کے سات بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کیا جن میں سے محکم یمامہ بن طفیل بھی تھا، یہ شخص سلمہ بہا کی شکستہ دیوار پر بیٹھا ہوا تیر اندازی کرتا تھا، مسلمان چاہتے تھے کہ اسی طرف ہل کر اسے قلعہ مسخر کر لیں، مگر محکمؓ بڑھنے نہ دیتا تھا، عبدالرحمنؓ نے ایک تیر مارا جو اس کے سینہ میں ترانہ ہو گیا، اور مسلمانوں نے قلعہ لے لیا۔

خلافت راشدہ میں عبدالرحمنؓ سے شائستہ خدات ظہور میں آئیں، جب امیر معاویہؓ نے مروان کو لکھا کہ میرے بیٹے یزید کے لئے بیعت لی جائے تو عبدالرحمنؓ نے کہا کہ معاویہ ہر قتل (قیصر روم) کی سنت زندہ کرنا چاہتا ہے کہ ایک ہر قتل کے بعد دوسرا ہر قتل جانشین ہوتا رہے، سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ۳۵ھ میں غالباً فوت ہوئے، مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک مکان میں فوت ہوئے اور مکہ میں دفن ہوئے، حضرت عائشہؓ رض کے حقیقی بھائی تھے، ام المؤمنین بارادہ حج مکہ میں آئیں تو بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا:-

وکتا کند مانی جبذیمہ حقیقۃ

ہم دونوں مثل خذیمہ (بادشاہ عراق) کے دو ہم پشتوں کے تھے

من الدھر حتی تئیل لن یتصدعا

ہم پر اسی طرح زمانہ گزر گیا یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے کہ ہم دونوں جدا ہو گئے

قلما قصرتنا کافی و ماکا

مگر جب ہم اور مالک اس قدر طویل کیجائی کے جدا ہوئے

لطول اجتماع لحدیث لیلہ ہوا

تو گو یا ہم ایک رات بھی ساتھ مل کر نہ رہے تھے

عبدالرحمن صدیق اکبرؓ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے،

عبداللہ قدیم الاسلام ہیں جو ان اور بہادر صحابی تھے جب رسول اللہؐ اور

صدیق اکبرؓ کے چھوڑ کر غار ثور میں آئے تو عبداللہ کفار مکہ کی خبریں پہنچا یا کرتے اور کھانا لائے

غزوہ طائف میں رسول اللہؐ کے ہمراہ تھے، ایک تیر کا زخم ایسا کاری لگا کہ مدت العمر

نہ بہرا، فتح مکہ اور حنین میں بھی شامل ہوئے اور سلمہ میں انتقال فرمایا،

محمدؐ شہ میں حجۃ الوداع کے دن بمقام ذی الخلیفہ پیدا ہوا، حضرت علیؓ کے پرچم

معاویہؓ میں سے تھا، خلافت عثمانؓ نہیں یہ بھی شورہ پشتوں میں سے تھا، حضرت علیؓ نے

اس کو مصر کا والی مقرر کیا۔ یہاں امیر معاویہؓ کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، مصر میں ہوا

خو امان معاویہؓ زہر پر تھے، محمدؐ نے دو دفعہ اُن پر فوج کشی کی اور شکست کھائی، حضرت

علیؓ سے امداد طلب کی، آپؐ نے مالک بن اشتر کو روانہ کیا جو راستہ ہی میں فوت ہو گئے

محمدؐ نے ارادہ کیا کہ ایک دفعہ خوب دل کھول کر مخالفین سے فیصلہ کن جنگ کی جائے،

چنانچہ ساز و سامان بہم پہنچا کر نکلے، مقابلہ میں معاویہ بن خنیج تھا، محمدؐ کے ساتھ اس وقت

چار ہزار کی جمعیت تھی، اور معاویہ بن خنیج کا لڑکا باپ کے برخلاف محمدؐ کے ساتھ تھا،

معاویہ بن خنیج میں تو ناب مقابلہ نہ تھی، مگر اس اثنا میں عمرو بن العاصؓ سات ہزار کی

جمعیت کے ساتھ جو امیر معاویہؓ نے مالک بن اشتر کے مقابلہ کے لئے روانہ کی تھی

مصر میں آتا آیا، محمدؐ کا بہائی عبدالرحمنؓ عمرو بن العاصؓ کے ساتھ تھا، شہر کے اندر اور

باہر قتل و غارت کا بازار گرم تھا، اور محمدؐ کس مہر سی کی حالت میں مارا گیا،

اسماء صدیق اکبرؓ کی بڑی بیٹی ہے نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا جو عشرہ مبشرہ میں سے

ایک ہیں، آپ کے بطن سے عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے جو اسماء کے علم و عمل کی روح تھے، ہجرت کے پہلے سال میں پیدا ہوئے ان کی پیدائش کے وقت تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے، یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر چادو کر دیا ہے اب ان کی اولاد نہ ہوگی، اس لئے ان کی پیدائش پر مسلمانوں کو از حد خوشی ہوئی، حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ کی خدمت میں لائے تو آنحضرتؐ نے خرمے کو اپنے دہن مبارک میں چبا کر ان کے تالو پر ملا، زبیر کے مرنے کے بعد ان کی بیعت کی گئی اور ان کی خلافت عبد الملک بن مروان کی تخت نشینی تک رہی، اُس کے عہد میں حجاج بن یوسف ثقفی نے مکہ کا محاصرہ والا زہل ابوقیس پر مخینق نصب کئے جن سے پتھر مسجد حرام پر گرتے تھے، عبداللہ بن زبیر نے داؤد مروانگی دی، جمادی الاخریٰ ۳۲ھ کا واقعہ ہے کہ عبداللہ اپنی ماں اسماء کے پاس آئے جو اُس وقت بیمار پڑی تھیں اور دیکھ کر کہا کہ ”مرنے میں راحت ہے، آپ کی والدہ نے جواب دیا کہ شاید تم نے موت کی آرزو میرے واسطے کی ہے، میں موت کو اُس وقت تک ہرگز پسند نہیں کرتی جب تک مجھے تمہاری دو حالتوں میں سے ایک نہ ظاہر ہو جائے، یا تو تم شہید ہو اور میں تم پر صبر کر کے خدا کے ہاں ثواب کی مستحق ٹھہروں یا تم دشمن پر فتح نہ ہو اور میری آنکھ کو ٹھنڈک نصیب ہو،“ عبداللہ یہ کلام سن کر ہنس پڑے، آخری دن پھر والدہ سے رخصت ہونے کے لئے آئے، والدہ نے کہا بیٹلا مرنے سے ڈر کر کسی ایسے امر کو ہرگز گوارا نہ کرنا جس میں ذلت ہو، بخدا عزت کے ساتھ تلوار کی مار کھانا ذلت کے کوروں سے بہتر ہے، عبداللہ دشمن کے مقابلہ میں آئے، ایک پتھر صفا کی طرف سے آیا اور پیشانی پر لگا، سر جھٹکا لیا اور کہا :-

ولسنا علی الاعقاب تدعی کلومنا ولكن علی اعقابنا یقطر الدم

ہماری ایڑیوں پر ہمارے زخموں کا خون نہیں گرتا لیکن ہمارے قدموں پر خون گرتا ہے
لوگ ان پر لوٹ پڑے اور شہید کر ڈالا، اور سولی پر لٹکا دیا، والدہ بھی گرفتار ہو کر حجاج کے رو برو لائی گئی، رہستہ میں بیٹے کو سولی پر دیکھا تو کہا کہ کیا اس سوا اس کے کرتے

کا وقت نہیں آیا ہے۔ چن روز کے بعد آپ کا ہی انتقال ہو گیا۔ آپ کی عمر سو برس کی ہوئی، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔
ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے لئے ایک دفتر درکار ہے
ہم چند واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

صدیقہ آپ کا لقب غالباً آپ کے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لقب کی رعایت کے لئے مشہور ہوا، روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مکہ میں آپ سے سات سال کی عمر میں نکاح کیا، اور تین سال بعد مدینہ میں زفاف کیا، یہ روایت بالکل غلط ہے، اسما آپ کی بہن آپ سے دس سال بڑی تھیں جن کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا، حضرت کے وقت اسما ستائیس سال کی تھی، اس لئے صدیقہ کی عمر سترہ سال ہوگی، علاوہ ازیں ہم یقین نہیں کر سکتے کہ رسول کریم صغریٰ کی شادی کے حامی ہوں جبکہ قرآن مجید میں نکاح کے متعلق اصل اصول ہی مفصل بیان کیا گیا ہے
وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ اِنْ يَكْبُرُوا (۲-۱۲)

اگرچہ سالوں میں نکاح کے متعلق کسی خاص وقت کا تعین نہیں کیا گیا اور یہی نہیں سکتا کیونکہ گرم اور سرد ممالک کی آب و ہوا میں فرق ہے لیکن ”بوعنت“ کی ہر ایک ملک میں یکساں حد ہے، حضرت عائشہ صدیقہ کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا، اس لئے اُن کی عمر پچتر برس ہوئی۔

دوسرا واقعہ ”افک کے متعلق ہے۔“ سُبْحَنَكَ هَذَا اِهْتَنَانِ عَظِيمِ

روایتیں اور حکایتیں آیت ان الدین جاؤا بالافک عصبۃ منکم لا تھبوا شرا لکھ بل ہو خیر الکھ لکل امرئ منھم ما کسب من الاثم والذی توفی

منھلہ عن ادب عظیم پر وضع کی گئی ہیں، جن کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ مدینہ میں منافقین کی کثرت تھی جن کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، یہ لوگ مسلمانوں کی نسبت طرح طرح کی افواہیں اڑاتے، مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں میں نفاق پیدا ہوا، ایسے لوگوں کی نسبت جو سلام قبول کرنے کے لئے آتے یہ نہ تو کر سکتے

کہ حملہ آور ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ بنوا المصطلق کی نسبت بھی یہی مشہور کر رکھا تھا جیسا کہ آیہ یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبیوا ان تصیبوا قوماً بجمالة فتصیبا علی ما فعلتم ناد میں (اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو کہ میں جانہ ٹھیکر کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر سمجھتا ہے لگو) غالباً غزوہ بنی المصطلق بھی غلط فہمی کا ہی نتیجہ تھا، کیونکہ اس لڑائی میں کوئی شخص شہید نہیں ہوا، ایک صحابی کی شہادت دہو کہ میں بیان کی جاتی ہے اور مخالف فریق کے مقتولین کی تعداد معلوم نہیں، بات اصل میں معلوم ہوتی ہے کہ کوئی لڑائی واقع نہیں ہوئی ۱

منافقین مسلمانوں کے گھروں میں نزاع پیدا کرنے کے لئے مسلمان عورتوں پر ہمت لگاتے اور ان باتوں کا چرچا کرتے، ان ہی لوگوں کے حق میں آیہ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لہم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون مفصل ہے، اور ان ہی پاک و امن عورتوں کو آیہ ان الذین یرمون المحصنات الغفلت المؤمنت لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذاب عظیم، ہر ایک ہمت سے بری قرار دیتی ہے ۲

چونکہ اس قسم کی باتوں کے چرچا سے مسلمانوں میں فساد عظیم کا اندیشہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی اسطرح فیصلہ فرما دیا کہ والذین یرمون المحصنات ضرر لہن یا تو اربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدۃ اولئک ہم الفسقون الآیہ،

سورہ نور کے مطلع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی افواہیں منافقین عام ”محصنات“ کے متعلق اڑاتے تھے اور مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگیاں ہوں، ہمیں تو کسی آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسی ہمت لگائی گئی تھی، اور اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے

مطابق تہمت لگانے والوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے تھا کہ چار گواہ پیش کریں، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی بریت کا شاہد ہوتا، اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے، اور اگر بریت کی وقت لوگوں کی نظروں میں نہ ہوتی تو اس کے متعلق مفصل احکام کی ضرورت نہ تھی، بریت یہی ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ محض تہمت ہے، اس لئے شہادت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی شہادت ایمانداروں کے لئے بیشک کافی ہے، لیکن مخالفین کی چیمگیوں کا سد باب اس طرح نہیں ہو سکتا، اس لئے تہمت لگانے والوں کو موقع دیا گیا ہے کہ چار گواہ پیش کریں، فاذا لم یأفوا بالشہداء فاولئک ہم الکذابون۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب فاسق ایسی باتوں کا چرچا کرتے تو مسلمان ہی چیمگیوں کرتے اس سے منع کیا گیا، اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواکم مالیس لکم بہ علم۔ اور یہ ہدایت کی گئی کہ ایسی باتوں کا چرچا نہ کرو، ایسے چرچا کا عموماً یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ تہمت لگانے والوں کا پتہ نہیں ملتا اور ہر ایک شخص دوسرے سے روایت کرتا ہوا ایک دوسرے کو متہم بناتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسی افواہوں کا نتیجہ فتنہ عظیم ہوتا، ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ فی الدنیا والاخرۃ یفسدکم فیما افضتہ فیہ عذاب عظیم۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شہادت کے نہایت ہی معقول طریقہ کی طرف توجہ دلائی، وبین اللہ لکم الایت واللہ علیم حکیم، جو بات قرآن مجید میں عام محضنت کے متعلق ہے وہ روایتوں اور حکایتوں کے رو سے صرف عائشہ صدیقہ کے لئے خاص ہے۔

جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے اور اس کا فروغ کبھی دیر پا نہیں ہوتا، لیکن جھوٹ کے شائع کرنے والے بالکل بے سرو پا افواہیں نہیں اڑایا کرتے، جھوٹ کو سچ کے ساتھ ملا کر روایتوں اور حکایتوں کے پیرایہ میں شائع کرتے ہیں جو آناً فاناً مشہور ہو جاتا ہے اور چونکہ ایسا جھوٹ معقولیت سے خالی نہیں ہوتا اس پر یقین ہی کیا جاتا ہے، بے شمار ایسی باتیں ہیں جو آج تاریخی واقعات کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن

اگر تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ دو پیمانہ آب است و یک چھ دفع، واقعہ
 ایک کی اصلیت تو یہی کچھ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس کے ساتھ ایک اور
 تاریخی واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عائشہ صدیقہ نے اپنی بڑی بہن اسماء سے ایک بار
 جو پتھر کے منگوں کا پتلا عاریتاً لیا ہوا تھا، غزوہ بنی المصطلق میں ایک شب یہ بارگم ہو گیا
 تلاش کی گئی کیونکہ یہ شے عاریتاً لی ہوئی تھی۔ یہ بار اسی اونٹ کے پہلو میں ملا جس پر
 صدیقہ سوار ہو کر تھی۔ ان واقعات کے ساتھ جوئی روایتوں کی آمیزش نے
 میں کو تاریخی واقعات کی حقیقت میں ظاہر کیا۔

تاریخی اپنی نسبت یہ سب کہ۔ امانوں پر سیاسیات کی پیچیدگیوں کے باعث
 ایک ایسا زلزلہ گزرا ہے جب لوگ خلفاء راشدین اور بنو ہاشم وغیرہ کے فضائل
 کے پیچھے سے ہونے لگے اور انہی فضائل کی بدولت مسلمانوں میں تفرقہ عظیم
 برپا ہوا۔ اسلام فریقوں کی بنیادی فضائل کے باعث ہوئی۔ چونکہ قرآن مجید میں
 سورہ نور کی آیات صحیحہ نسبت کی ان قیمتوں سے برکت ظاہر ہوتی ہے اور جسکی
 نسبت کی شان است خود خدا سے اس کی فضیلت میں شبہ ہو ہی نہیں ہو سکتا
 اس لئے کہ حدیثی سے حدیث کی فضیلت ثابت کر کے لئے ان آیات کا
 تاویل صحیحہ ہو کر ضرور ہوگا۔ مفسرین سے حدیثی اکابر کے مصنف لکھا ہے کہ اگر کسی
 صحابی کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ صحابی نہیں تو منافقہ نہیں لیکن اگر صدیق اکبرؓ کی
 نسبت ایسا کہا جائے کہ کفر ہے، کیونکہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی شہادت ہو جو وہ ہے
 کہ "اذ يقول لصاحبه لا اله الا الله" اسی طرح ان خوش باغیادوں کی رائے میں کسی اور عورت کی
 نسبت کی نسبت شبہ ہو تو ہو مگر صدیقہ کی نسبت ایسی بدظنی کفر ہے کیونکہ ان کی
 عصمت کا شاہد خود خدا ہے، گویا نفس قرآنی کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔

عَمَّال

صدیق اکبرؓ کی عہد خلافت میں کتابت علی ابن ابی طالبؓ اور زید بن ثابتؓ اور عثمانؓ

بن عفان کرتے تھے اور امین الامۃ ابو عبیدہؓ بیت المال اور عمر بن خطاب دار القضا کے متولی تھے، ان بزرگوں کا تذکرہ محتاج بیان نہیں۔

مکہ میں عتاب بن امیہ بن ابی یعص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ قریشی اموی عامل تھے، ان کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابو محمد تھی، واقعہ فتح مکہ میں ایمان لائے، آنحضرتؐ جب محاصرہ طایف سے واپس تشریف لائے تو عتابؓ کو مکہ کا عامل مقرر فرمایا، اور فرمایا کہ اے عتاب تم جانتے ہو کہ مکہ میں سے تم کو کون لوگوں پر عامل بنایا ہے اگر میں ان کے لئے تم سے بہتر کسی اور کو بھیجتا تو اسی کو عامل بناتا۔ عتاب نہایت زاہد اور متوجع اور جوان صالح تھے اس وقت ان کی عمر بیس برس سے کچھ متجاوز تھی، اور معاذ بن جبل کو بغرض تعلیم قرآن مکہ میں چھوڑا، یہ واقعہ ذیقعد شہ ۶ھ کا ہے۔ اس سال کل مسلمانوں نے حج اسی صورت سے ادا کیا جس طرح اس سے پیشتر عرب جاہلیت کیا کرتے تھے، اس نے آئندہ سال ۷ھ میں ابو بکر صدیقؓ کو اکبر امیر حج مقرر ہو کر مدینہ سے آئے، اور سورہ براءت پڑھ کر تمام مشرکانہ رسوم کے برخلاف اعلان کیا کہ آئندہ نہ بول گی۔

عتابؓ رسول کریمؐ کی وفات تک برابر عامل مکہ رہے اور صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو بحال رکھا، اتفاق کی بات ہے کہ جس روز صدیق اکبرؓ کا انتقال ہوا اسی دن عتابؓ نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی، رسول کریمؐ نے دودھم (قرباۃ) روزانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، چنانچہ عتابؓ کا کرتے کہ بیٹے اس وظیفہ کے سوا اور کچھ کسی سے نہیں لیا، اگر کسی کو دعویٰ ہو نو کہے کہ عتاب نے مجھ سے کچھ لے لیا ہے رسول اللہؐ نے دودھم کیرا وظیفہ مقرر فرمایا جس کو دودھم روزانہ سیر نہ کر سکیں اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔

طایف میں عثمان بن ابی العاصؓ بن بشر بن عبد بن دیمان بن عبد الد بن ہام بن ریان بن عیار بن مالک بن حطیط بن قینم بن ثقیف ثقیفی عامل تھے، ثقیف کے وفود کے ساتھ مدینہ میں آئے، سب سے زیادہ کم سن اور نوجوان انیس برس کے تھے مسائل دینی اور قرآن کے سیکھنے میں زیادہ حریص تھے، چنانچہ صدیق اکبرؓ نے عرض کی

کہ یا رسول اللہؐ میں اس لڑکے کو مسائل دینی اور قرآن کے سیکھنے میں زیادہ حریص پاتا ہوں رسول کریمؐ نے ان ہی کو ان لوگوں کا امیر مقرر فرمایا، اور عثمانؓ رسول کریمؐ کی زندگی اور خلافت صدیق اکبرؓ اور خلافت فاروق اعظمؓ کے ابتدائی دو سال تک طائف کے عامل ہے، فاروق اعظمؓ نے آپؐ کو ۵۷ھ میں عثمان اور بحرین کا عامل مقرر کر دیا، خلافت فاروق اعظمؓ اور ذی النورینؓ میں کئی برس تک آپؐ سرگرم جہاد رہے، اور آخر کار بصرہ کی سکونت اختیار کی، حسن بصریؒ نے اکثر اسادِ پیش آن سے روایت کی ہیں، مگر غالباً بلا واسطہ اُن سے کوئی حدیث نہیں ملتی۔ خلافت صدیق اکبرؓ میں اہل طائف ہی روت کی طرف مائل تھے مگر عثمانؓ کا یہ اثر تھا کہ مخالفت سے باز آئے اور بالآخر نائب ہوئے، آپؐ کا انتقال بصرہ میں ۵۷ھ میں ہوا۔

زبیدہ و زمیع بن عبد اللہ ابو موسیٰ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عامر بن عتیز بن بکر بن عامر بن عدی بن وائل بن ناجیہ بن جابر بن اشعر بن اود بن ثعلبہ عامل تھے، رسول اللہؐ نے اُن کو زبیدہ اور عدی کا عامل مقرر فرمایا تھا اور صدیق اکبرؓ نے بحال رکھا۔

سابقین اولین میں سے ہیں، حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جعفر طیار کی ہمراہ فتح خیبر کے بعد حبشہ سے مدینہ میں آئے، فاروق اعظمؓ نے ان کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا، ایک دفعہ خبر ملی کہ کچھ لوگ نماز جمعہ میں اس لئے شریک نہیں ہوتے کہ اُن کے پاس کافی کپڑے نہیں ہیں، اس لئے آپؐ صرف ایک عبا پہن کر نکلا کرتے، ۵۷ھ میں سعد بن وقاصؓ کے ماتحت "نصیبین" فتح کیا، اور "ابو" ان ہی کے نام پر فتح ہوا۔ ۵۷ھ میں اصغمان کو مسخر کیا۔

فاروق اعظمؓ نے مغیرہ کے عزل کے بعد اُن کو بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ ذی النورین نے بحال رکھا مگر بعد ازاں اُن کو معزول کر کے ابن عامر کو مقرر کیا، ابو موسیٰؓ بصرہ سے کوفہ میں چلے آئے، اُس وقت کوفہ میں سعید بن عاص عامل تھے، اہل کوفہ نے اُن کو

نکال دیا، اور ذی النورین اہل کوفہ کی درخواست پر ابو موسیٰ کو کوفہ کا عامل بنا دیا، شہادت عثمان کے بعد جب پایہ خلافت کوفہ میں منتقل ہوا تو ابو موسیٰ کا عمل جاتا رہا، ہوا خواہ ان علیؑ میں سے تھے واقعہ صفین کے بعد حضرت علیؑ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے، اور اور عمرو بن العاص جو امیر معاویہ کی طرف حکم تھا دومتہ الجندل میں حضرت علیؑ کے برخلاف فیصلہ صادر کیا، مسئلہ یہاں مسئلہ میں بمقام کوفہ اور بعض روایات کے رو سے بمقام کوفہ وفات پائی۔

حضرموت میں زیاد بن ابیہ بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بھہ بن عامر بن ذائق بن عبد حارثہ بن مالک بن عقبہ بن حیشم بن خزیج بن ثعلبہ بن اضریٰ خزرجی بیاضی عامل تھے، کنیت ابو عبد اللہ ہے، ہجرت سے پیشتر مکہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایمان لائے اور ہجرت تک وہیں رہے، جب مدینہ کی طرف مسلمان ہجرت کرنے لگے تو یہ بھی مدینہ میں آگئے، اس لئے آپؐ کو معاہجری انصاری کہتے ہیں، بیعت عقبہ اور غزوہ بدر اور احد اور خندق اور تمام مشاہدیں رسول اللہؐ کے ہمراہ شریک تھے، آنحضرتؐ نے آپؐ کو حضرموت کا عامل بنایا اور صدیق اکبرؐ نے انکا عمل بحال رکھا، آپؐ کی وفات شروع عمر امیر معاویہ میں ہوئی۔

”بحران“ میں جریر بن عبد اللہ بن جابر شیل بن مالک بن نضر بن ثعلبہ بن حیشم بن عوف بن خریمہ بن حرب بن علی بن مالک بن سعد بن نذیر بن قس بن عبقر بن انمار بن اراش عامل تھے قبیلہ بجیلہ سے ہیں۔ رسول کریمؐ کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لائے تھے بہت خوبصورت تھے، حضرت عمر فاروقؓ کا کما کرتے کہ اس امت کے یوسف ہیں یہ اپنی قوم کے سردار تھے، جب آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو آنحضرتؐ نے آپؐ کی بہت عظمت کی اور فرمایا کہ جب تمہارا سب پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کی عظمت کو عراق کی لڑائیوں یعنی قادسیہ و خیبر میں ان سے کاروائے نمایاں ظہور میں آئے، بجلیہ کے لوگ متفرق رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو یکجا کیا اور جریرؓ کو ان پر سردار مقرر کیا، کوفہ میں سکونت اختیار کی اور جب یہاں خلافت منتقل ہوئی تو قیساریہ میں آگئے اور اسی جگہ

بمقام سرہانہ میں وفات پائی۔

بحرین میں علاء بن عبداللہ حضرمی بن عباد بن اکبر بن ربیعہ بن مالک بن عوف بن مالک
 بن خزرج ابن ابی بن خلف عامل تھے، قبیلہ حضرموت سے تھے، رسول اللہ نے انکو بحرین کا
 حاکم مقرر فرمایا اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے ہی ان کو بحال رکھا، خلافت فاروقی
 میں سندھ میں انتقال فرمایا، انکے ایک بھائی سمون بن حضرمی نے ایام جاہلیت میں مکہ کی
 بلندی پر ایک کنواں کھدوایا جو پیرسمون کے نام سے مشہور ہے، روت بحرین کے ضمن میں علاء
 کا رکنے نمایاں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دومہ الجندل میں عیاض بن غنم بن زمیر بن ابی شداد بن
 ربیعہ بن ہلال بن وہیب بن عتبہ بن حارث بن قریظی عامل تھے، کینت ابو سعید ابو سعید تنقی
 حدیبیہ سے پیشتر اسلام لائے اور غزوہ حدیبیہ میں شریک تھے، شام میں اپنے چچا ابو عبیدہ بن
 جراح کے ساتھ لڑائیوں میں شریک تھے، ابو عبیدہ کا انتقال ہوا تو اپنی جگہ عیاض ہی کو سپہ
 مقرر فرمایا، فاروق اعظمؓ نے یہ کہہ کر بحال رکھا کہ ابو عبیدہؓ جس کو سردار مقرر کر گئے ہیں اسکو
 معزول نہیں کروں گا، بلاد جزیرہ کو مسخر کیا، وفات سندھ میں ہوئی، بڑے نیک اور
 بزرگ اور سخی تھے، سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا لوگوں کو کھلا دیتے، کچھ پاس نہ ہوتا
 تو سواری کا اونٹ ذبح کر کے کھلا دیتے، اس لئے لوگوں میں زوار الکاب مشہور تھے۔
 جند میں معاذ بن جبل انصاری خزرجی عامل تھے، آپ ان سرتر اصحاب رسول اللہ میں
 سے تھے جو بیعت عقبہ ثانی میں حاضر تھے، بیعت عقبہ ثانی میں اہل مدینہ کے سر آدمیوں
 اور دو مائین عورتوں نے مکہ میں آنحضرتؐ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور آنحضرتؐ
 کو مدینہ کی طرف ہجرت کی تحریک کی، اس بیعت کے بعد مدینہ میں اسلام کی اشاعت
 سرعت کے ساتھ ہونے لگی، جنگ بدر اور تمام مشاہد میں شریک رہے، حافظہ قرآن
 تھے، اور آنحضرتؐ نے ان کو مکہ اور یمن میں تعلیم قرآن اور مسائل دین سکھانے کے
 لئے روانہ فرمایا تھا، انھارے برس کی عمر میں اسلام لائے اور تمام عمر خدمت اسلام میں صرف کر کے
 حنینہ جنگ میں ابو عبیدہ اور خالد بن ولید اور شہر حبیل بن حنہ ویزید رحمہ اور عمر
 بن العاص اولی الامر تھے، انشاء اللہ تعالیٰ تمام اعمال اور اولی الامر خلافت راشدہ

کا مفصل تذکرہ ہم لکھیں گے، ونا توفیق الا باللہ۔
 عمان اور اولی الامر کا تقرر خلافت صدیق اکبرؓ میں مختلف مقامات پر ہے خود
 رسول کریمؐ اپنی زندگی میں فرما چکے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت کا منشا یہی
 سمجھا ہوا تھا کہ ہر ایک کام جو رسول کریمؐ نے اوصو را چھوڑا تھا تکمیل تک پہنچایا جائے
 اور رسول کریمؐ کو ہر ایک کام میں رہنما بنایا جائے، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، آپؐ
 فرمایا کرتے تھے کہ جس کو رسول اللہؐ نے مقرر فرمایا میں اُس کو معزول نہ کروں گا، جو کام
 رسول اللہؐ نے شروع کیا میں اُس کو اوصو را نہ چھوڑوں گا، ان عمال سے جن کا تقرر
 رسول اللہؐ فرما چکے تھے یہ توقع تھی کہ وہی کام کریں گے جو رسول اللہؐ کے ارشاد
 کے مطابق تھا۔ صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ عہد نبوت
 کے بہت مشابہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اقرب ہے، واقعات شاہد ہیں کہ صدیق
 اکبرؓ کا ہر ایک کام نیک نیتی پر مبنی تھا اور اس سے بڑھ کر آپؐ کے علم و فضل
 کی اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کی خلافت کی وصیت
 کی جس کی ہیئت میں اختلاف واقع نہ ہوا اور جس کے زرین کارناموں سے تاریخ
 اسلام کے صفحات فرخیں ہیں۔ والسلام علی من اتبع الهدیٰ واخیر

دعوتنا ان الحمد لله رب العالمین - ۵

دیوان کا نظم و نثر

درخش از دو مفصل سوئے نغمہ و فانی نثر صاحب

سبحان اللہ کہ یکلام شہر خواص و عام از لسان الغیب جناب شمس الدین محمد خواجہ فاضل شیرازی
علیہ الرحمۃ الباری کس بلند پای کا ہے صفویان صفا کیش اس کے حرف و حرف پر صد میں آتے ہیں
اویلاں نام پر اس کے شعر شعر مرتے ہیں اور ایسے کرام و عظام اس کی خلیفہ سمجھتے ہیں۔ زندان جہاں
گرداسی کی آئے میں عمر گزرتے ہیں۔ فتوکلان اللہ کتنا ہے کے خزانہ سے اپنی بغینہ رکھتے ہر جگہ
ہرگز نہ اندازہ حال میں مختلف ایڈیشنوں میں یہی کتاب چھپتی رہی ہے۔ اور اپنی مقبولیت کے لحاظ
ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتی رہی ہے۔ پس ہنسی عام ہر راہ خواہش کے مطابق اس کے ارد و ترجمہ و شرح
کیلئے ارادہ ظاہر کیا تو جناب منشی خواجہ عباد اللہ صاحب خرتی نے امر سہری آفیسر
خزانہ پورٹ بلیر اندمان نے کمال لطف و شفقت سے اس کام کا بیڑا اپنے ذمہ لیا۔ اور کچھ مدت میں
یہ ترجمہ و شرح تیار کر چکے۔ پس اب ہم نے بصرفہ کثیر اس کی نکھائی وغیرہ نہایت اعلیٰ انداز سے
کر کے اسے اعلیٰ کاغذ پر طبع کرایا ہے۔ اور مفصل سوئے نغمہ و فانی صاحب خانان مرغی کے شروع
میں ملتی کہو یا ہے۔ گویا اب بیونا کنڈن کیا ہوا لائق خریداری خریداران ہے ہر ایک شعر کے
تہ کی تم صفحہ میں بڑی مبسوط شرح ہے اہل کمال حضرات کی ہماری

ادوی ہے۔ اور اب یہ کتاب دست بدست فروخت ہو رہی

سے ایڈیشن کی ضرورت پڑے گی۔ شائقین

فائدہ اٹھانا چاہئے۔ درجہ موقر

کا قیمت پچھتھراں

تیا بکری

لاہور

اسل اعجاز

ہے۔ امید کہ

بہت جلد اپنی درجہ

المنشہ بکھانے

شیخ الہی بخش و جلیل

۱۷۶۲ (۱۷۶۲)
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستند رکھ لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرا نہ لیا جائے گا۔

